فقیرانہ آئے

رفیق احمد باجوہ

بک کارپوریشن رجسٹرڈ ۴۰ اردو بازار لاہور

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

صدا کر چلے

رفیق احمد باجواہ

بک کارپوریشن رجسٹرڈ ۴۰ اُردو بازار لاہور

Marfat.com

59231

جُملہ حقوق میری بیٹیوں اور پوتیوں کے نام محفوظ ہیں

مصنف ——— رفیق احمد باجواہ

پبلشر ——— ایم حفیظ اللہ انبالوی
بک کارپوریشن رجسٹرڈ
اُردو بازار لاہور

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— آکسفورڈ اینڈ کیمرج پریس
اُردو بازار لاہور

قیمت ——— ۵۰ روپے

۱۹۸۶ء

Marfat.com

فہرست

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۷	اُٹھتے ہیں حجاب آخر	۱
۱۶	اِیّاکَ نَعبُدُ	۲
۲۲	اوّلین آئینی تقاضا کیا ہو	۳
۳۵	کس کی زباں کھلے پھر ہم نہ اگر سنا سکے	۴
۴۶	کیا نہیں کوئی غزنوی کارگہِ حیات میں	۵
۵۳	فیصلہ تیرا، تیرے ہاتھوں میں ہے	۶
۶۱	سلسلہ روز و شب، نقش گرِ حادثات	۷
۷۰	علاج کچھ اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں	۸
۷۸	کھیل بچوں کا ہوا، دیدہ بینا نہ ہوا	۹
۸۸	یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا	۱۰
۹۷	جناب صدر! آپ زیرِ امتحان ہیں	۱۱
۱۰۷	سوجا راج دلارے سوجا	۱۲
۱۱۸	جناب صدر! چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے	۱۳

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۴	سرمۂ مفت "نذر" ہوں	۱۲۶
۱۵	جناب صدر! صادر کیا ہو گا امرھم شوریٰ بینھم یا "اُمراُھم" شوریٰ بینھم	۱۳۶
۱۶	پرانی سیاست گری خوار ہے، مگر؟	۱۴۶
۱۷	جناب صدر! ایک جام اور	۱۵۵
۱۸	جناب صدر! اب رزم حق و باطل بھی ہے اور حلقۂ یاراں بھی	۱۶۶
۱۹	جناب والا! حاکمیت اللہ ہی کی ہے لٹائیے نہیں لوٹائیے	۱۷۵
۲۰	جیتوں تو پیا میرے، ہاروں تو پیا تیری	۱۸۵
۲۱	یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے	۱۹۲
۲۲	جناب صدر! یہ دُوریاں یہ فاصلے	۲۰۰
۲۳	ہائے! اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا	۲۰۸
۲۴	جتی لے دے ستاریاں والی	۲۱۵
۲۵	مُشتری ہوشیار باش	۲۲۶
۲۶	کچھ ہم سے سُنا ہوتا کچھ ہم سے کہا ہوتا	۲۳۴
۲۷	فقیرانہ آئے صدا کر چلے	۲۴۰
۲۸	رُکو! کہ یہ چال قیامت کی چال ہے	۲۴۶
۲۹	شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں مری بات	۲۵۵
۳۰	جناب صدر! شرحِ صدر درکار ہے	۲۶۶
۳۱	وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایمان ہے	۲۷۵
۳۲	چلے بھی جاؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے	۲۸۱

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۳	بُتوں سے امیدیں خدا سے نومیدی	۲۹۱
۳۴	بِلاّ مار کے بُجھا دے دلوا	۳۰۱
۳۵	وِیر میریا کُرسی کہندی آ	۳۰۹
۳۶	جناب صدر! تاریخ نے قلم اٹھالیا ہے	۳۱۸
۳۷	اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے	۳۲۶
۳۸	کی نہ بُتوں نے وفا تو خُدا یاد آیا	۳۳۶
۳۹	عن صلاتھم ساھون	۳۴۳
۴۰	عقل عیّار ہے سو بھیس بنالیتی ہے	۳۵۲
۴۱	جی سکتے ہیں بے روشنیٔ دانش و فرہنگ	۳۶۲
۴۲	مِری دانش ہے افرنگی مِرا ایماں ہے زنّاری	۳۷۰
۴۳	ایک بجٹ، دو چھٹیاں!	
	کوئی بتلاؤ، کہ ہم بتلائیں کیا	۳۷۹
۴۴	یا نارا کوئی بردا	
	محترم وزیر باتدبیر راجہ ظفرالحق کی نذر	۳۸۸
۴۵	"ترامیم == آئین کے آئینہ میں"	
	" آئینہ ایام == ترامیم کے جلو میں"	۴۰۰

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

اُٹھتے ہیں حجاب آخر

اے طبعِ جولاں، اے گرفتگیٔ لہو و شیفتگیٔ لعب، مزید کھُل کھیل۔ بطرز کہنہ، باانداز نو، بطریق کتھک، بطورِ سمبھا۔ ہرچند کہ تمدن، تصوف، شریعت، کلام بتانِ عجم کے بچاری ہوچکے، اُمت روایات میں کھوچکی، تاہم کنایۂ حاکمیت کے احترام اور تیری عقلی وجسدی سالمیت کے لئے لازم وضرور ہے کہ تو سنگ سنگ کھُل کھیلے۔ مزید کھل کھیل کہ تحفظ اقتدار کا یہ انداز جیولس سیزر سے بھی بہت پہلے انسانوں کو غلام رکھنے کے ماہر آریوں نے بہ فیضِ شوجی اپنا لیا تھا۔ اور بادشاہت ہو کہ فسطائیت، جمہوریت ہو کہ پاپائیت، یہ نُسخہ ہمیشہ کارگر رہا کہ عوام الناس کو ماضی فراموش، بے خبرِ حال اور بے پروائے مستقبل رکھنے کے لئے آدرشوں کے آئینے بہت اُونچے لٹکائے جائیں۔ اتنے بلند کہ کسی صورت بھی یہ فرشی اپنی صورت دیکھ نہ پائیں۔ اسی صورت حال سے متحیّر رہیں کہ ان آئینوں میں مزّین چھت نظر آتی ہے، منقش فرش کیوں نظر نہیں آتا۔ سہیل "رعنا"، نظر آتا ہے، سامانِ دفاع میں سے کسی بندوق کی لبلبی تک بھی کیوں نظر نہیں آتی۔ کیا سارے میدان آزاد بندوں کی نذر ہوگئے کہ عظیم ترین جشن بھی چادر اور چاردیواری کی زد میں آگئے۔ چادر اہلِ ردا نے لپیٹ لی، اہل وفا نے اوڑھ لی یا اہل دغا نے پھاڑ ڈالی۔

Marfat.com

چاردیواری کس کے مصرف میں لائی گئی۔ منڈی کے، جیل کے یا تفریح گاہ کے۔ آزادی دن بھر ناچی، تسلّط نے رات بھر دیئے جلائے مگر کوئی راز نہ کھلا۔ کوئی عقدہ کشا نہ ہوا، کوئی انگ نمایاں نہ ہوا، کسی بھی بھاؤ سے پلّو نہ چھٹا۔ بیتے دنوں پہ کیا گزری، حال کا گزارا کس پر ہے۔ آئندہ گزرنے سے پہلے کیا تقاضے کر رہا ہے۔ ذرّہ ذرّہ کان لگائے بیٹھا رہا مگر کسی نے بیان نہ کیا۔ درِ داخلہ پر دریوزہ گر اور درِ خارجہ پر دزدیدہ نگاہ بیٹھے رہے۔ پوری فضا پتلونیں اتار شلواریں پہنتی بحرِ فلسفۂ لسان و لباس میں اپنے عکسِ معکوس کو غش غش کرتے دیکھتی رہی۔ پاؤں تھرکے، جھانجر نہ چھنکی۔ آسن جمے، آس بھر نہ آئی۔ لے جمی، سُر نہ نکلے۔ ہونٹ تھرکے، نغمے نہ پھوٹے۔ جہانِ شاہیں دن بھر مترنم کرگسوں کی زد میں رہا، مجاہدوں کی جیب راست سے آشنا نہ ہو سکا۔ چمن زارِ محبت میں بُلبُل خاموش گل ہائے خنداں کا منتظر من ہی من میں گریۂ ہائے بے اختیار کو لوریاں دیتا رہا۔ ہُما مقبروں پر تبدیل ہوتے پہروں پر پھڑ پھڑاتا رہا اور شبِ ویران کے تنہا زجامِ بیماریِ دانش کھنکاتے او نگھتے اور ہُوکتے رہے۔ سمندروں کی لہریں سر اٹھا اٹھا کر ہر محوِ خشک سے سوال کرتی رہیں، ہم کس سے ٹکرائیں، ہمارا سینہ شگاف کون کرے گا۔ فضائیں تندیٔ بادِ مخالف سے پوچھتی رہیں، کس کو اُونچا اڑاؤ گی۔ سرچشموں نے دریا بہ دریا، یم بہ یم، جُو بہ جُو تلاش کروائی۔ ماسوا شاہ مقیم کے حجرے پر عرض کرتی ہوئی "جٹی" کے اور کوئی نہ ملا۔ کوئی، جو پاسِ حق و باطل میں تمیز کرواتا، ضیاعِ طبعِ موزوں کی نشان دہی کرتا "جاء الحق"، کی خبر دیتا۔ باطل کو "زھوقا" ٹھہراتا اور صیقل صوار ہوتا۔ بے حق شیدائیانِ توحید نے بہ انداز لعب ہی سہی، نعرہ حق لگایا کہ اللہ کے سوا الٰہ کوئی نہ ہو۔ مگر مدعیانِ وحدتِ اختیار سے تائید نہ ہو سکی۔ لا الٰہ کا رخ سُوئے مغرب رہا، الا اللہ کا سوئے مشرق۔ تیغِ ایمان درمیان اور جسدِ ایقان مارے

Marfat.com

خوف کے دوش تاکمر زرۂ احتیاط میں ڈوبا رہا۔ دانشِ کارِ لاحاصل کا حاصل ضرب یہ رہا کہ جوانوں کے حلقوموں کا تورتم اگر نہیں خراش زدہ کردے تو ہار مونی کا تقاضا یہی ہے کہ ننھے نابالغوں کے سپرد کر دیئے جائیں۔ کہ مائیں لوریاں دے کر بچوں کو سلا سکتی ہیں تو پیچھے مادرِ خوابیدہ کے عالمِ خواب کو ترنم آمیز کرنے کے لئے مضراب کیوں نہیں اٹھا سکتے۔ طوطا اگر معترض نہیں ہوتا کہ مجھ سے توپ کیوں چلواتے ہو تو ہم تماش بینوں کو کیا حق ہے کہ میاں مٹھو کے کاروبارِ دل آویز میں مخل ہوں۔ جو قوم جشنِ انتعاشِ زندگی نہیں منا سکتی، مرگِ مرتعش اُس کا ماتم ہی کرتی رہتی ہے۔ مگر وہ کبھی مرکر زندہ نہیں ہوتی اور "موتوا قبل انت موتوا" کی معرفتوں سے آشنائی کرکے اغوا برائے ایجاب وقبول ہو ہی جایا کرتی ہے۔ سہرے ڈولی سے خانہ آبادی اور اغوا کے ایجاب وقبول میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ گڈے گڑیا کی شادی تو رچائی جاسکتی ہے گڑیا کی گود ہری ہوتی آج تک کسی نے نہیں دیکھی۔ تمناؤں میں اُلجھائے اور کھلونے دیکر بہلائے گئے مغویہ اور اغوا کنندہ یا گڈے گڑیوں کے میکے و سسرال والے یومِ شادی و اغوا کو ہر سال جتنی جی چاہیں خوبصورت گرہ دیں، تسبیحِ روز و شب بکھری ہی رہے گی۔ لاکھ کہو سنجوگتا! یہ وِرطۂ سنجوگ تھا۔ نہ جے پال کا سر اُٹھے گا، نہ پرتھوی راج کی نگاہ جھکے گی۔ لاکھ جوگ اُدھار دو، صاحباں کا دوپٹہ سرکا اور مرزا کی پگڑی لڑھکی ہی رہے گی۔ سیدا کھیڑا راجہ عدلی کے حضور گڑگڑاتا رہے گا۔ اور رانجھے کی گود میں سجنے کی متمنی ہیر آغوش لحد میں سمٹتی ہی رہے گی۔ میاں محمد کے انگوروں کی بیلیں کیکروں کے سہارے لیتی رہیں گی اور خوشے زخماتے رہیں گے۔ رانجھے کی بانسری پہ کیدو رقص کرتے، بھینسیں منڈلاتی، کھیڑے باراتیں چڑھاتے اور ہیر "لے چلے بابلا" بلبلاتی رہے گی۔ ہر گھر کا مجازی نائب خدا شجرِ ممنوعہ کے ذائقے بیان کرتا رہے گا۔ ہر گھر کی حوا اسی شجرِ ممنوعہ کے پتوں سے آرائشِ حسن کرتی اور اولادِ آدم، حوا ربنا ظلمنا انفسنا پکارتی، حسبِ

Marfat.com

تقاضاہائے ابلیساں یہ کہہ کر جنت سے نکالی جاتی رہے گی کہ تمہاری آزادی کا تقاضا ہائی جیکروں نے کیا ہے۔ حلوے کے ڈھیر پہ بیٹھے موعظ مُلّا انتظار حُوریں او نگھتے رہیں گے اور حوریں کھجوروں کے خوشے سنبھالی ہوئی بلندیوں سے ان پر گٹھلیاں پھینک کر دلبستگی کرتی رہیں گی۔ کہ اے میرے ریشائیل، حدود آرڈی ننس حفظ ہوا کہ نہیں۔ ما ادرٰک ما لیلۃ القدر کی نوبت گونجتی رہے گی۔ اور ہر کوئی ادراک رضا و قضائے مقتدر کا حدی خواں بنا یہی سوچتا رہے گا کہ تقاضا ہائے نیم شبی کیا ہیں۔ شراب سیخ پہ ڈالوں یا شیشے میں۔ اوقاتِ حواس باختہ میں دارو مانگوں یا دُعا۔ گر ریڈ بڑھوانا ہو تو تسبیح ہمہ صفت کس وقت نکالنا مناسب ہوگا، قبل از ظہر یا بعد از عشاء۔ قربت مستور کے لئے درِ فضا بخش پر قیام نہار موزوں رہے گا یا قیام لیل۔ شبِ وصل با وضو گزاری جائے یا با تیمم۔ خواہشات نفس میں ڈوبے ہوئے غیر مزمّل، غیر مدثّر، آقائے دو جہاں، بزبانِ الٰہی المزمّل والمدثر و یٰسٓ و طٰہٰ، کے یہ ما لا تفعلون، خیالات و تصورات میں اندر سبھا کی رنگ رلیاں سموئے ہوئے یہ معطر و مخمور دریلو دھن، اگر نبت خفی کا ادراک کر پاتے۔ تو حسرت و یاس و لہو و لعب بیک وقت یوں نمود و نما پا کر فکر و دانش کی جملہ راہوں کو مسدود نہ کر دیتے۔ کسی فرد یا قوم کا متصادم کیفیات میں محصور ہو جانا انہیں ہانک کر نئے اعتقادوں کی طرف لے جایا کرتا ہے اور وہ اپنے حاکموں، اپنے راہ نماؤں کی طرف یوں دیکھتے رہ جاتے ہیں جیسے معصوم بچہ اپنے اُس سگے باپ کی طرف دیکھے جو بیک وقت اُسے جھڑک رہا اور اس کی سوتیلی ماں سے پیار کر رہا ہو۔ محبوب خاوند کی موت اور اکلوتے بیٹے کی پیدائش کے لمحات اگر مختلف نہ ہوں تو اس بیوہ ماں کی جو حالت ہو گی وہی اس قوم کی ہو گی جو بیک وقت قنوطیت و شادمانی کو نبھا رہی ہو۔ ہر ایسی کیفیت میں نئے اعتقاد دردِ زہ کے منتظر ہوتے ہیں۔ نئے اعتقاد ایمان

Marfat.com

واتقا لیوا ہی نہیں ہوتے، سماج، تہذیب، ثقافت۔ رسوم ورواج تک کو بھی کالعدم قرار دے دیا کرتے ہیں۔ لوگ جس کو خدا مان رہے ہوتے ہیں، اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کردیا کرتے ہیں۔ یہ اعتقاد کی تبدیلی ہی ہے جو بت پرستوں سے بُت تڑوا دیتی ہے، خدا پرستوں کو مُنکرِ خدا بنا کر رکھ دیتی ہے۔ اعتقاد تبدیل ہو جائیں تو انسان، معاشرہ، ریاست تجربات ِنو سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ تبدیلی اعتقاد تبدیلی مذہب سے بھی بڑا سانحہ ہے۔ اعتقاد بدل جائے تو کوئی چیز کسی فرد کی بھی اپنی نہیں رہتی۔ اعتقاد اُس وقت تک نہیں بدلتے جب تک یاس و شادمانی متصادم نہ ہوں۔ مغموم عید اور شادمان فاتحہ خوانی کے بعد لاکھ ٹٹولیں، سابقہ انسان کہیں نظر نہیں آیا کرتا۔ رنگین کی دلائی ہوئی امیدیں بھی ریگِ صحرا کی طرح پھسلتی دکھائی دیتی ہیں اور ہر انسان کا اندرونی معاشرہ واپڈا، واسا اور پاسکو کی زد میں یوں آجاتا ہے کہ چند ہی سانحاتی کرامتوں کے بعد روشن چراغوں میں بھی روشنی نظر نہیں آیا کرتی۔ جو یوم عیدالاضحیٰ آبدیدہ ہو کر بچھڑ جایا کرتے ہیں، وہ کوفہ و کربلا ہی کے مسافر ہوتے ہیں۔ ان کے بعد معاشرتی و اخلاقی و عباداتی معیار و اعتقادات تو کُجا، آئینی اعتقاد بھی بدل جایا کرتے ہیں اور خیر، من الف شہر والی رات پھر کبھی نہیں آتی، دن البتہ روزانہ غروب ہوتے رہتے ہیں۔ راتوں کو چراغ تولج اللیل فی النہار کی تفسیر لکھنے کے لئے نذر جلتے ہیں مگر مفسرین کو ڈوبتا ہوا دن اور طلوع ہوتی رات کبھی نظر نہیں آتی۔ حجاب اٹھیں بھی تو خطاب نہیں ہوتا۔ افلاک سے نالے اٹھتے ہیں، زمین سے کوئی جواب نہیں ملتا۔ ہر مفسّر ہر فقیہ کی دانش ملت واحدہ کو ایک نیا فرقہ عطا کر دیتی ہے اور سچائی تاویلوں میں گم ہو جاتی ہے، اصول جزئیات کی نذر ہو جاتے ہیں۔ علم کے سیاہ بادل سیلاب لانے کی حد تک بارش برساتے ہیں، عشاق کے جھونپڑے ٹپکنے لگتے ہیں اور

Marfat.com

عشق کی آگ گیلی راکھ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ رسمِ اذاں رہ جاتی ہے روحِ بلالی پرواز کر جاتی ہے۔ فلسفہ رہ جاتا ہے، تلقینِ غزالی مفقود ہو جاتی ہے۔ لوگ تیغِ جانستاں نزدیکِ رگِ جان رکھ کر بھول جاتے ہیں۔ تڑپنے پھڑکنے کی توفیق چھن جاتی ہے۔ نہ سوزِ صدیق میسّر آتا ہے نہ دلِ مرتضےٰ۔ میخانے سنسان ہو جاتے ہیں۔ میکدے ویران ہو جاتے ہیں اور صرف ایسے ساقی باقی رہ جاتے ہیں جن کے بڑھے ہوئے ناخنوں میں لقمہ ہائے غیر کے اٹکے بلکہ پھنسے ہوئے ریزے لوٹے اُٹھے ہوں اور وہ آبدست لئے ملتجی ہوں کہ روزہ سے ہوں، حضور اگر تیمّم پر ہی اکتفا فرما سکیں تو چار گھونٹ افطاری کے لئے بچا سکوں گا۔ یہی وہ عالم ہوتا ہے جب علماء اور اولیاء میں ٹھن جاتی ہے اور حاکمانِ وقت بکار خاص فقیہانِ وقت کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔ بالآخر قاضی وکلاء کے دلائل کی اعانت کے محتاج ہو جاتے ہیں اور قانون کی بجائے شرحِ قانون نافذ ہو جاتی ہے۔ دانشِ قانون سازی ریاکاریٔ شارح سے جان بچاتی پھرتی ہے۔ اور شرع اور شرح میں تمیز مفقود ہو جاتی ہے۔ یوں آہستہ آہستہ نئے عقائد جنم لے لیتے ہیں۔ جو ان حالات میں اپنے اعتقادی شعور کو زندہ رکھے، اصولوں پر سودا بازی نہ کرے، الحاد کے سیلابِ نو کے سامنے بند باندھتی ہوئی چٹان بن جائے وہی حسینؓ کا نام لیوا ہے، وہی یارِ غارِ ثور کا پیروکار ہے، وہی شبِ ہجرتِ پیغمبرؐ کے بستر میں سونے والے سے صحیح ارادت رکھتا ہے۔ باقی سب قتیلِ شیوۂ آزری اور ہلاکِ جادوئے سامری، قربتِ الٰہی اور شرکتِ دانشِ خداوندی کے ایسے دعویدار ہیں جیسے ذبحِ اسمٰعیلؑ کی غرض سے استعمال ہونے والی چھری بنانے والا لوہار یہ دعویٰ کر ڈالے کہ میں جانتا تھا اللہ تعالیٰ کو حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کروانا مقصود نہیں۔ اس لئے ہی میں نے چھری کو کند رکھا تھا۔ اور حسینؓ کی قاتل تلوار کا سانع دعویٰ کرے کہ میں اللہ کی رضا کا دانا تھا، اسی لئے تو میں نے تلوار ایسی

Marfat.com

خوب خوب سان پہ لگوائی کہ ایک ہی وار میں کاٹ مکمل کر گئی۔ چھری بنانے والا لوہار تیغ ساز سے کہے، تیری بنائی ہوئی تلوار سے حسینؓ کا گلا کٹا، تو مردود ہے۔ اور تیغ ساز جواباً دلیل لائے، تو دروغ گو ہے، چھری اگر کند تھی تو ذبیحہ کیونکر ذبح ہو گیا، اس کی شہ رگ پر اُون بھی تھی۔ یوں چھریوں اور تلواروں کے مکتبۂ فکر بن جائیں۔ حضرت اسماعیلؑ کا ایثار اور امام حسینؓ کی قربانی فراموش کر دی جائے۔ بیرم خاں کو سفرِ حج کی رعایت بیسّر آ جائے۔ جودھا بائی حرم سرا کی بالا نشین کہلوائے اور ابوالفضل و فیضی بہ فضلِ جلّ جلالہٗ و بہ فیضِ دانشِ غیر معتقد آئینِ اکبری تصنیف کرتے رہیں۔ پرجا بیداری کے دکھ جھیل کر سُکھ کی نیند سوئے، بابر بہ عیش کوشش رہے اور شیر شاہ تعاقبِ ہمایوں کی سکیمیں بناتا رہے۔ اور ہر چھوٹا بڑا حاکمِ وقت یہ بھول جائے کہ جس کی نیند تک اس کے اپنے بس میں نہیں، وہ شب و روز کی تقدیر پر کیونکر دسترس حاصل کر سکتا ہے۔ جس کے مُنہ تک لے جاتے جاتے ہوئے لُقمے سے مکھی اپنا حصّہ چھین کر لے جائے اور وہ اسے واپس حاصل نہ کر سکے، اس بے اختیار کو اپنے حُسنِ اختیار پر ناز کا کیا جواز حاصل ہے۔ جس کا اپنی ہی ہوا نہ سرکنے کی وجہ سے پیٹ پھول جاتا ہو کیا اس کے حُکم میں بھی وجود حکیم تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ جب سب انسان ہر صبح اپنی غلاظت اپنے ہاتھ سے صاف کرتے ہیں تو پھر ایک انسان کو دوسرے انسان پر بلاجواز بالادستی کیوں حاصل ہو اور جواز متعیّن کرنے کا حق کسی انسان کو کیوں دیا جائے۔ لہو و لعب میں غلطاں مایوس و قنوطی لوگ آگاہ ہوں کہ اللہ کے قوانین اللہ کے آئین کے پیشرو نہیں ہیں۔ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ نے آئین اسلام عطا نہیں کیا تھا، آئینِ اسلام نے اس معیار و مرتبہ کے انسان عنایت کئے تھے۔ اسلام کا آئینِ طرزِ حکومت و سیاست و قیادت و سیادت اگر نافذ نہ ہو تو ہر کوئی کارِ لاحاصل میں کھویا ہوا ہے۔ اللہ آئین ساز پہلے ہے اور قانون ساز

Marfat.com

بعد میں ۔ اس نے اصول پہلے قائم کئے، جزئیات بعد میں نافذ ہوئیں۔ جس قانون کے اپنے مکتبہ فکر کا آئین نافذ نہیں، وہ قانون مخنث ہونے کے سوا اور کچھ بھی ثابت نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ آئین کو قانون پر بہر طور بالا دستی حاصل ہوتی ہے۔ بے آئین قانون فقط وہ معطل شدہ قانونگو ہوتا ہے جس کی جگہ عارضی طور پر پٹواری کام کر رہا ہو۔ صرف قوانینِ اسلام کے نفاذ سے اللہ کی حاکمیت تسلیم نہیں ہو جاتی، آئین اسلام ہی واحد ایسا آئین ہے کہ اللہ کی حاکمیت نافذ کرتا ہے۔ جب تک حاکم اللہ کے احکام کا پابند نہیں، کوئی مملکت، کوئی معاشرہ، کوئی ریاست، کوئی قانون، کوئی فرد، کوئی توضیح۔ کوئی توجیہ، کوئی شرح آزاد نہیں۔ بلکہ حاکم کی حیثیت بھی اس ممتحن کی سی ہے جس کے کمرہ امتحان میں تمام زیر امتحان افراد پستول نکالے بیٹھے ہوں اور وہ بے چارہ زیر خوفِ جان تختۂ سیاہ پر سوالات کے جوابات لکھ رہا ہو۔ اور کارروائی ملک بھر کی سہولت کے لئے رنگین ٹیلی کاسٹ ہو رہی ہو۔ دنیا بھر کے لوگو! قبل اس کے کہ افواجِ الٰہی کو لعبِ منصفانہ کے لئے ٹیک اور کا حکم ہو، اپنے اپنے آئین میں یوں ترمیم کرو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ کوئی حاکم، کوئی قانون ساز نہ رہے۔ اور تازہ خدا ہائے اوطان جو مذاہب کے کفن پہنے مسند آرا ہیں، اگر اپنے وجودِ مصنوعی کو قائم بھی رکھیں تو بھی ہر دنیوی حاکم عبدیتِ الٰہی کا اتنا ہی پابند ہو جتنا کہ سورج، چاند، ستارے، زمین، سمندر، ہوائیں، فضائیں اور افلاک ہیں۔ کیا تمہارے یہ حاکم جن میں کسی کا بھی قد مع تاج سات فٹ سے زیادہ نہیں، ان سے زیادہ قوی ہیں کہ نافرمان بنے بیٹھے ہیں۔ جب دنیا کا کوئی حاکم سورج، چاند ستاروں، سمندروں پہاڑوں بلکہ ذرّہ کی قوت سے زیادہ قوت نہیں رکھتا تو پھر ان سے زیادہ تابع فرمانِ الٰہی کیوں نہیں۔ اگر ایک لمحہ سورج احکام الٰہی کا پابند نہ رہے تو یہ حاکم بمع رعایا کہاں جائیں گے۔ اللہ کو انسانوں سے کب تک فقط شکوہ ہی رہے گا

Marfat.com

کہ تم سے تو پہاڑوں کے پتھر ہی اچھے ہیں جو آج تک نافرمان نہ ہوئے۔ خدا بنا دیئے گئے، پھر بھی پتھر ہی رہے کبھی دعوائے خدائی نہ کیا۔ جب بھی کہا منہ کے بل گر کر ھُوَاللہ احد ہی کہا۔ پتھر دل انسانو! قبل اس کے کہ تم پتھر بنا دیئے جاؤ اور کوہِ سلیمان تم پر ٹوٹ پڑے، حاکمیتِ الٰہی قائم کرو کہ سرزمین وا فراد آزادانہ سانس لے سکیں ورنہ قبروں کے پھولوں سے زینتِ شبِ وصل حاصل کرنے کی عادت تمام پرانے رشتے یوں توڑ دے گی جیسے سسرال میں شبِ عروس کے سجے ہوئے گھر کے دروازے پر میکے میں بھونچال آ جانے کی خبر لئے خبرگیر دو ہتڑیں مار مار کر کہہ رہا ہو، کوئی بھی تو نہیں بچا۔

Marfat.com

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ

قیدِ حیات و بندِ غم و غالبِ خستہ، واردات و ایجاداتِ زمانہ ہوں تو انسان لاکھ مصاحبِ شاہ پر اترائے، ارتکابِ جرمِ قمار بازی جسم و جان کا یہ سزا یافتہ زیرِ حراست ہی رہتا ہے۔ عالمِ خود فریب میں عمر بھر نظرِ زوجہ کی نذر رہنے والے اگر کوچۂ رقیب میں مونچھوں کو بل دار تاؤ دے کر اعلان آزاد منشی فرمادیں تو کان پر قلم رکھنے والے منشی جی باوجود تمام ترجرأتِ تردید مجتمع کر لینے کے، وہ قلم کہاں سے ڈھونڈیں جو شلوار میں ازار بند ڈالنے کے لئے استعمال ہوتی ہوئی نیفہ میں اٹک گئی۔ بالخصوص جب دستور زمانہ یہ ٹھہرا کہ اسے نکالا ہرگز نہ جائے اور بے شلوار و بے ازار گزارا بر ہی اکتفا کر لیا جائے ..... بزعمِ خود انسان اوّل و آخر، سرتاپا، پا بہ پا آزاد رہا ہے مگر حقیقتاً یہ اتنا ہی آزاد ہے کہ سردیوں میں آزادانہ ٹھٹھر سکتا ہے، گرمیوں میں حسبِ خواہش جھلس سکتا ہے۔ تارے شمار کرنے پر روزِ ازل سے وسطِ اگست ۱۹۸۱ء تک کسی پابندی کی افواہ تک بھی نہیں سُنی گئی۔ بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج سُننے اور برداشت کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ زمین سے آسمان تک دیکھتے رہیئے، اقوام متحدہ تک نہیں روکے گی، اور راستے میں کوئی علم کوئی ترانہ نہیں۔ دل سے نکلتی ہوئی کسی

Marfat.com

آہ کے پَر نہ بھی ہوں تو بھی طاقت پرواز پر کوئی قدغن نہیں۔ روز و شب آہیں بھریں، کسی قانون کی تیوری پر بل نہیں آئے گا۔ ہر ظفر علی خاں لاکھ پابند سلاسل ہو۔ آہیں فلک پر رنگ لانے کے لئے ہمیشہ آزاد رہی ہیں اور انشاء اللہ آزاد رہیں گی۔ آمین، ثم آمین۔ ہر انسان کو آزادی ہے کہ وہ جب چاہے اپنے آپ کو کوس لے، گالی بھی دے لے تو کسی قانون کا کام و دہن بدمزہ ہو کر نہیں چنگھاڑے گا کہ خود کو گالی دینے والے کے لب اتنے شیریں ہوتے ہیں کہ کوئی رقیب بے مزہ نہیں ہوتا اور ہر رفیق مزہ لیتا ہے ..... کوئی دریچہ، کوئی دروازہ نہ ہو پھر بھی عالمِ تصور میں باہر جھانک سکنے تو کجا، چھلانگ تک لگا دینے کے لئے ہر فرد آزاد ہے، مختارِ کل ہے۔ آپ اپنا خدا ہے ..... ہر انسان خاموش رہنے کے لئے آزاد ہے۔ اس موضوع پر تو چھ وید بھی تحریر کر دیئے جائیں تو کوئی معترض نہیں ہوگا۔ بلکہ احتمال ہے کہ چانکیہ ایوارڈ عطا ہو جائے ..... ہر انسان دوسرے انسان کا اطاعت گزار ہو جانے کے لئے ہمیشہ سے آزاد رہا ہے۔ سیاسی ایجاب و قبول تاریخ کے کسی بھی دور میں ممنوع نہیں رہا۔ جس کی جی چاہے خوشامد کیجئے، قصیدہ گوئی کو عادتِ ثانیہ بنا لیجئے۔ قانون کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیئے، اس کی تھالی کے بینگن بنے رہیئے، آپ آزاد ہیں اور آپ کی اس آزادی پر کسی مملکت کا کوئی قانون چیں بجبیں نہیں ہوگا ..... جاگتے میں لوگ غلطی بھی کرتے ہیں اور شرارت بھی۔ اس لئے کسی انسان کی بیداری مکمل آزاد نہیں، عالمِ خواب ہر کسی کا آزاد ہے۔ خواب دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں۔ نہ پرسش، نہ سزا، نہ کرایہ، نہ ٹیکس، نہ پاسپورٹ، نہ ویزا، نہ کوئی ریکروٹنگ ایجنسی، نہ سفارت خانہ۔ وقت اور فاصلے آپ کے مسخر، جی چاہے بادشاہ بن جائیے، من بھائے تو گداگر۔ شرط ہے کہ سوتے رہیئے، بیدار ہوئے تو کچھ بھی نہیں رہے گا۔

Marfat.com

آنکھ نہیں کھلنی چاہیئے۔ پوری دنیا اور اس کی کیفیات آپ کی قلمرو میں رہیں گی۔ آنکھ کھل بھی جائے تو جاگتے میں خواب دیکھنے کی علت استوار کیجئے ...... نہ معلوم دانش و سیاست انسان یہ کیوں نہیں جان پائی کہ عالمِ خواب ہی ضامنِ آزادیٔ انسان ہے۔ اس کی آنکھ کھل جائے تو پابند و گرفتار رعیت و غلام بن جاتا ہے۔ یومِ بیدار سے شبِ خواب منانا زیادہ حقیقت پسندی ہے۔ جو لوگ شبِ عروس مناتے ہیں وہ راتوں کی نیند ہی نہیں گنواتے، کپڑے بھی اُتروا بیٹھتے ہیں اور صبح دم خانۂ غسل میں گنگناتے پھرتے ہیں کہ سہ جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا۔ کیا نالۂ دل، کیا بوئے گل اور کیا دُودِ چراغ۔ اتنی بھی عقل نہیں کہ ان حالات میں دروازے بند کر لینا، چٹخنی چڑھا لینا، چراغ بجھا دینا اور بہروپ کالعدم بھر لینا ہی دور اندیشی اور ضمانتِ تعیش ہے۔ ورنہ بُتِ نازک بدن کے پاؤں کا دُکھنے لگنا، کووں کا مور کی چال چلنا لازم ہو جائے گا اور علتوں کے مداوا کے لئے ہر گھر کے لئے خارجہ پالیسی وضع کرنا ازبس ضروری ہو جائے گا کہ کھلے دروازے توسفرِ کوچۂ رقیب کی دعوتِ نمایاں ہوتے ہیں۔ ہر داخلہ پالیسی باز کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر اہل خانہ کو مستی گیٹ کے اندر ہی رکھے۔ محصور خواہشات و جذبات و بابِ گفتار و عمل کے قلعہ کے دامن میں حضوری باغ کی نشوو نما کرے اور اس میں اپنے ہر اقبالِ فکر اور سکندرِ بخت کو دفن رکھے۔ آخر الذکر سے مُنہ موڑتا اور اوّل الذکر پر فاتحہ پڑھتا رہے۔ لوگو! آزادیٔ ملک اور آزادیٔ افراد میں امتیاز کسی دستورِ سیاست نے آج تک قائم نہیں کیا۔ آریہ پدھاریں یا غوری و غزنوی تشریف لائیں، تغلق و لودھی کی سواری آئے، مغلوں کا جاہ و جلال فیل سوار ہو یا کلایو کا جہاز ساحل برصغیر کو چھوئے، بے چارے عوام دراوڑ ہے "ہمیش ای شاہی سواریاں دے پوش پوش کردے اگے"

Marfat.com

ای رہے" انسانی حاکمیتیں اور بادشاہتیں بدلتی رہتی ہیں۔ آزاد مملکتیں اور غلام افراد بہر حال وجود میں آتے ہیں۔ عوام پر عوام کی حکومت ہو یا جلال پادشاہی ہو، جب تک حاکم آزاد رہے گا، محکوم کم و بیش غلام ہی نظر آئے گا۔ جب تک راعی کسی کا محکوم نہ ہو، رعیت کبھی آزاد نہیں رہ سکتی۔ رعیت کی آزادی کے لئے راعی کا غیر آزاد ہونا ازبس ضروری ہے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ لوگو! حاکم تو کیا پیغمبرؐ بھی اگر "عبدہٗ" نہ ہو تو انسانوں میں مساوات و اخوت کبھی قائم نہیں ہوسکتی۔ یہی حکم رہے گا کہ مشرق سے نکلتے ہوئے سورج کو دیکھتے رہیئے ماڈ دیتے ہوئے تاروں کا ماتم ہرگز نہ کیجئے۔ ساون آئے تو اپنے حالات کے مطابق کوئل کی کوک سنیئے یا فرقت یار میں غزل خواں رہیئے۔ کوئل کے دکھ کو ہرگز نہ جانیے نہ اس کی پروا کیجئے کہ بھنورا کون کون سا رس چوس گیا۔ ورنہ آزادی سلب و صلب کروا بیٹھئے گا۔ آپ کا اپنا گھر ہے، یہاں صرف استراحت آپ کا حق ہے، فرش پر فرمایئے یا قوم "پر۔۔۔ جب بھی کھایئے قیلولہ ضرور فرمایئے، اس کے لئے "دوپہر" کوئی شرط نہیں۔ ایسا نہیں کیجئے گا تو بھوک مر جائے گی۔ بھوک کا مر جانا ہی انسان کے مر جانے کی علامت ہے۔ جو انسان اپنی بھوک سے آزاد نہیں، اسے پیٹ بھر کھانے کی اجازت دینا، دنیائے طلب کے خلاف دستوری سازش ہے کہ کائنات کے نظام مطلق کو صرف طالب و مطلوب کے تقاضے ہی منسلک رکھے ہوئے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز دوسری چیز سے کچھ مانگ رہی ہے۔ کوئی انسان کوئی قوم مانگ سے آزاد نہیں۔ لہٰذا مانگ کو نہ صرف قائم رکھئے بلکہ سیندور بھرا رکھئے کہ جس کی مانگ بگڑ جائے، وہ اگر بیوہ نہ بھی کہلوائے تو بھی پیا پردیس ضرور گئے ہوتے ہیں۔ جو اس نکتہ سے بہرہ ور نہ ہوا، وہ فلسفۂ سیاسی غیر جانبداری سے غیر آگاہ رہا۔ لوگو! رعایا کے لئے صاحب تاج اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ عورت کے لئے سرتاج۔

Marfat.com

ورنہ رعایا یتیم کہلوائے گی اور مملکت یتیم خانہ۔ دانشورو! جسے مملکت کہتے ہیں، اس کا حاکم آزاد ہوتا ہے۔ مملکت خود آزاد ہوتی تو مملکت نہ ہوتی۔ مملکت کی آزادی کے لئے حاکم کا محکوم ہونا اور تقسیم ارض کا نہ ہونا ازبس ضروری ہے۔ دنیا میں ارض تو کجا اراضی بھی تقسیم ہوتی ہوئی اسے آزاد قرار دینا خود فریبی نہ بھی ہو تو خلق فریبی کے لئے فریب خلق ضرور ہے ۔۔۔۔ ہر مچھ میں مگرمچھ اور ہر جنگل میں شیر کی حکومت اس لئے قائم نہیں ہوتی کہ مور خوبصورت ناچتا ہے۔ لوگو! تم غور کیوں نہیں کرتے، کیا تمہارے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ آخر انسان ازل سے ہی ناآشنائے رموزِ تاریخ کیوں ہے۔ آزاد دنیا اور بندگانِ آزاد کی دنیا میں امتیاز جاننے کے لئے رمزِ خفی سے آشنائی ضروری ہے کہ جو آزاد ہوتا ہے، وہ بندہ نہیں ہوتا اور جسے بندہ کہتے ہیں، وہ کبھی آزاد نہیں رہا۔ آزاد ہوتا تو بندہ نہ کہلواتا۔ انسانِ نادان ہر گرفت سے آزاد ہو تو بھی گرفتہ ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں عام انسانوں کے لئے سیاسی آزادیوں کے قوانین میں سیاسی پابندیاں پنہاں ہیں۔ جیسے قانونِ حفظِ حقوقِ مزارعان کے تحت ہمیشہ مزارعان ہی بے دخل ہوتے ہیں اور قدغن کرایہ ایکٹ ایزادی کرایہ و بے دخلی کرایہ داران کا جواز مہیا کرتا ہے۔ انسان بڑا خود فریب ہے۔ آزاد گھومنے پھرنے کا خواہاں و حقدار اپنے لئے خود ایک عمارت تعمیر کر لیتا ہے۔ اور سرِ شام بہ رضا و رغبت اس میں داخل ہو کر دروازے اندر سے مقفل کر کے خود کو مقید کر لیتا ہے۔ اہل خانہ میں کوئی بروقت مقید نہ ہو تو اسے بدچلن، آوارہ، اوباش گردانتا ہے۔ فطری طور پر از خود مقید ہو جانے والے اس حیوان ناطق کے لئے اسی قدر آزادی کافی ہے کہ دروازہ باہر سے مقفل نہ کیا جائے، کوئی داخل نہ ہو سکے۔ اور یہ جب چاہے ایسی گلیوں اور بازاروں میں نکل سکے جہاں اسے یہ کہہ کر روکا جا سکے کہ اب تم سرکاری گھر جاؤ گے۔ انسان رسوم و رواج سے آزاد

Marfat.com

نہیں، قانون سے آزاد کیوں کر ہوگا۔ اگر پابندی مقصود نہ ہو تو قانون کا جواز کیا باقی رہ جاتا ہے۔ جس مملکت میں حاکمین و عمّال پابند نہ ہوں وہ فلاحی مملکت نہیں ہوتی۔ ہوسکتا ہے "دانشِ مستور" یہ جواب لائے کہ حاکم بھی پابند ہو تو پھر آزاد کون رہے گا اور مصرفِ آزادی کیا ہوگا۔ میرے پاس اس کا جواب ہے بھی تو جواز نہیں کہ میں مادر پدر آزاد نہیں اور یہ مادر پدر آزادی ہی ہے جو اس طرح سقوطِ مشرقی پاکستان کا باعث بنی کہ آج ترانہ سنتے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے "ہر انسان کی نرم و گرم اُون پر بچوں نے مہندی سے عید مبارک لکھ دیا ہو اور اس کی گردن میں پٹکا ڈالے بغرضِ حجِ اکبر اُسے دانا دربار لئے جا رہے ہوں اور وہ چلّا رہا ہو کہ میں تو مینارِ پاکستان جاؤں گا۔ مینار پاکستان جس کی بلندیاں ہمہ وقت سیاست دانوں سے سوال کرتی ہیں کہ اے سابقہ اہلیانِ اقتدار! حالیہ طلبگارانِ اقتدار! پاکستان کا مطلب اگر لا الٰہ الا اللّٰہ ہے تو کوئی بھی غیر اللّٰہ الٰہ کیوں ہے۔ آؤ پکاریں "ایاک نعبد"، کہ اسی میں نظریۂ پاکستان کی بقا ہے۔

اوّلین آئینی تقاضا کیا ہو

دوستو! قبل اس کے کہ سرکاری ذرائع ابلاغ کی ہر واسکٹ شور مچا دے کہ خلقِ خدا ہزار جُنبد، ڈھانچہ نہ جُنبد، تمکینِ فکر سنبھالو اور اللہ کی حاکمیت کا مطلب واضح کرو۔ ورنہ جاپان سے روبلٹ وزیر و مشیر و اراکین شوریٰ و ممبران مشاورتی کونسل بھی منگوائے جاسکتے ہیں۔ کہ جاپانیوں سے بھی زیادہ جاپانی روبلٹ اتحاد و ایمان و تنظیم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جسے دیکھ کر ہر محبّ وطن کو یہ افسوس ہونے لگتا ہے کہ ہم اتنے سال جاپان کیوں نہ گئے۔ آج جب کہ اقبالؒ کے ایک مصرع کے مصداق غسّال کابل سے آچکے، تو کفن جاپان سے، والے حصّے سے بھی قطعِ نظر شاید ممکن نہ رہے۔ اگر پاکستانی اتحاد و تنظیم و ایمان جاپان نہ جا پسے ہوتے تو شاید زمانہ "ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا" کو اپنی مرضی کے معنی پہناتا نظر آتا۔ اور یہ تنقیح نہ نکالی جاتی کہ دین، آئین و دستور و عقیدہ ہی کو کہتے ہیں اور بقول علامہ اقبالؒ لادینیت کنیزِ اہرمن، دوں نہاد، مردہ ضمیر اور دیو بے زنجیر ہوتی ہے۔ اس لئے الا اللہ کہہ کر کوئی آئین میں اپنا کردار متعین کروالے تو نہ کسی باسی "کڑاہی" میں ابال آنا چاہیئے اور نہ کسی خالی ہنڈیا کے کنارے جل اٹھنے چاہئیں۔ یہ جو سیاسی لاحول پڑھ رہے ہیں، جان رکھیں کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ

59231

Marfat.com

اندر سے ڈر رہے ہیں - یہ وہ لوگ ہیں جو آنکھ سے صرف بند ہونے، کان سے صرف پکڑے جانے اور زبان سے صرف چکھنے کا کام لے رہے ہیں - یہ لاکھ طالبانِ اقتدار ہوں، ایسوں کو کون اقتدار میں لاتا ہے۔ ایسے اقتدار پسندوں کو تو فضائیں جانوروں تک کو دکھا دکھا کر "فھم لا یرجعون" کا راگ الاپا کرتی ہیں -

دوستو! یہ کیفیت اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہم "راجعون" ہونے کا عملی مظاہرہ نہیں کرتے - ان تضادات کو ختم نہیں کرتے جن کا زمانے نے ہمیں مردہ شکار بنا دیا ہے۔ اشخاص کی مخالفت، کینہ پروری یا شخصیتوں کی محض حمایت سے کام نہیں چلے گا۔ الزام و بہتان تراشی یا اقتداری رقابت اُن مسائل کا حل نہ دے سکے گی جن سے ہم دوچار کر دیئے گئے ہیں۔ قلب و ذہن کے جس فکری تضاد میں ہم گرفتار ہیں، وہی ہمارے آلام و مصائب کی اصل وجہ ہے۔ اخباری بیانات کی جز وقتی سرخیاں اطلاعات ضرور بہم پہنچاتی ہیں، نہ حقائق آشنا کرتی ہیں نہ راہ نمائی کرتی ہیں - ہم آئینی بحران سے گزر رہے ہیں۔ اور اس امر سے قطعِ نظر ثبوت دانش نہ ہوگا کہ نظمِ آئین و قوانین و ضابطۂ حیات قائم کرتے وقت عقائد کو بالائے طاق رکھ دینا اپنی دنیا کو اپنے عقیدہ پر ترجیح دینا ہی نہیں، اسے یہ اجازت دینا بھی ہے کہ اپنی تیغِ جانستاں کو دین کی رگِ جاں پر جمائے رکھو اور اعلان کرتی رہو کہ خدا کو اب زمین پر کوئی حق و اختیار نہیں رہا کہ یہاں اس کے اشرف المخلوقات خلیفہ نے اپنی سلطنت قائم کر لی ہے۔ ہمارا اس سے واسطہ یا تو قبل از پیدائش ہوگا یا ہو سکتا ہے بعد از موت ہو اور کیا خبر ہو بھی کہ نہ ہی ہو۔ ہم تو جاپانی روبٹ ہیں، پرزے گھس جائیں گے تو ڈسپوز کر دیئے جائیں گے - انسانی اذہان و قلوب میں جب

Marfat.com

ہوس اقتدار اور تجوریاں گھس جاتی ہیں تو انسان شعور کی چابیاں گم کر بیٹھتا ہے۔ فکرِ بے حواس اس کا سرمایۂ حیات قرار پاتی ہے اور وہ انتہائی غیر مطمئن انسانیت کا چوکھٹا اٹھائے ہانکیں لگاتا پھرتا ہے کہ ترقی پسند دستور ترمیم کروالو! ٹوٹے پھوٹے آئین ٹھیک کروالو! اپنے چوکھٹوں کے "پیچ" نکلوالو! لیکن بغیر دین کے اصولوں کا ادراک حاصل کئے اپنے ذاتی مقاصد کے لئے دین کی جھولی میں دنیا کی تمام مکروہات ڈال کر دینداری کا بہروپ دھارنا ایسا قبیح عمل ہے جیسے کوئی حضرت عیسٰی کے لئے کنواری دولہنیں جمع کر رہا ہو۔ یوں ہوگا تو لوگ پیچھا چھڑوانے کے لئے سرگرم ہو جائیں گے اور پیران کلیسا کی پیری ناکام ہو کر منہ دیکھتی رہ جائے گی۔ پاکستان میں آئینی طور پر اسلام ریاست کا دین ہے۔ اس دین کا بنیادی اصول صرف یہ نہیں کہ کائنات پر حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے بلکہ یہ ہے کہ کائنات پر صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت ہے، باقی فقط عبدیت ہے۔ اشرف و محبوب و مکمل ترین انسان بھی "عبدہٗ" ہے۔ عبدیت طلب استعانت و صراطِ مستقیم کے بندھنوں میں بندھی ہوئی ہے۔ اور یہ دین ہی ایک ایسا آئین، دستور اور ضابطۂ حیات واضح کرتا ہے جو اس حاکمیت اور عبدیت کے مابین فاصلوں کو کم کرتا اور وقت کو شکست آشنا کرتا ہے۔ لمحات کی شکست و تسخیر ہی ارتقائے علم انسان کی انتہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے آئینی اصولوں کو عرصوں میں محدود اور فاصلوں میں مسدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس میری کائنات کے پر نوچ کر اپنے جسم پر سجا لینا اور حاکمِ وقت ہونے کا دعویٰ کر ڈالنا کائنات پر اللہ کی حاکمیت سے ٹکرانا ہے۔ جس عمل میں آج کی تمام دنیا الجھی ہوئی ہے۔ اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کا یہ انداز بڑا پُرکار ہے کہ کائنات پر تو اس کی

Marfat.com

حاکمیت کا زبانی اقرار کر لیا جائے اور در پردہ اپنی قلمرو میں اپنی حاکمیت کا اعلان کر کے اس حاکمیت کے لئے سرچشمہ عوام کو قرار دیا جائے۔ عوام جو پے چار ے انتخاب سے آئندہ روز ہی اس سرچشمہ کے ہر سوتے کو اُلٹا بہتے ہوئے پائیں .... آیئن و دستور کی زبان میں اللہ کی حاکمیت سے بندوں کو حق حکومت حاصل نہیں ہو جاتا۔ ان کے کندھوں پر اللہ کی حکومت قائم کرنے کا بوجھ دیا جاتا ہے، اسی لئے اس انتظامی سربراہ کو خلیفہ کہتے ہیں جس کے ذمہ اطاعت الٰہی اور اس کا نفاذ ہوتا ہے۔ خلیفہ ہونے سے یہ مراد نہیں کہ خدا نے اپنے اختیارات تفویض کر دیئے ہیں۔ قانونی زبان میں وہ اپنے پرنسپل کا ایجنٹ نہیں ہوتا۔ نہ اُسے مختار نامہ عام کی سی دستاویز حاصل ہوتی ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ کا کارندہ ہو۔ معذرت کے ساتھ، نائب ہونے کی اصطلاح غالباً ملوکیت کے زمانہ کی ایجاد ہے۔ جس نے بات بالآخر ظل اللہ اور ظلِ الٰہی تک پہنچا دی اور حاکمانِ وقت سایۂ خدائے ذوالجلال بن بیٹھے، جو ضالین ہونے کی واضح مثال ہے.... لفظ قانون کو لاکھ حسین لبادے پہناؤ، پھولوں سے سجاؤ یا اطلس و کمخواب کی قباؤں اور خلعتوں میں چھپا ڈیا اسے صرف با اعتماد اہل کار کی واسکٹ کی جیب میں رکھو، اس سے مراد حاکم کی مرضی ہی رہنی ہے۔ قانون کی بالادستی و حکمرانی حاکم کی مرضی کی حکمرانی و بالادستی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ جب تک بندوں پر بندے یا بندوں کے کسی گروہ کی مرضی کا تسلط رہے گا، اللہ کی حاکمیت کی نفی ہوتی رہے گی۔ اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کئے بغیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا لقب پانا ممکن نہیں۔ خلفائے راشدین کا یہ آئینی منصب تھا۔ رضی عنہ، ہو گے تو وہ راضی ہو گا۔" اِللہ ملک السموٰت والارض وما بینھُن

Marfat.com

وھو علی کل شیٔ قدیر" نیز "وشاورھم فی الامر" اور "امرھم شوریٰ بینھم" سے ہرگز یہ مراد نہیں لی جاسکتی کہ باہمی مشورہ سے اللہ تعالیٰ کے آئین وقوانین واصول ہائے ضابطہ حیات کو بھی بدلا جاسکتا ہے یا ان سے روگردانی کی جاسکتی ہے اور پھر وشاورھم یا شوریٰ بینھم کے ساتھ "والذین استجابوا بربھم واقاموا الصلوٰۃ اور مما رزقنھم ینفقون" کی شرط بھی لازم ہے چنانچہ جو لوگ اپنے پروردگار کا فرمان قبول نہیں کرتے، اقامت صلوٰۃ نہیں کرتے، اور جو کچھ انہیں رزق کیا گیا ہے اس میں سے خرچ نہیں کرتے یعنی اصول "قل العفو" کی پابندی نہیں کرتے اور وہ لوگ جو ان ہی اصولوں سے متعلقہ آیات کے مطابق نرم خو نہیں ہوتے، بدخو اور سخت دل رہتے ہیں، معاف نہیں کرتے اور مصمّم ارادہ کے حامل نہیں ہوتے، بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز نہیں کرتے، غصّہ آئے تو معاف نہیں کرتے، ان کا باہم مشورہ کر لینا سود مند ہونے کی ضمانت نہیں ہوسکتا۔ ورنہ سورۃ الشوریٰ میں یوں ارشاد نہ ہوتا "فبما رحمۃٍ من اللہ لِنت لھم۔ ولو کنتَ فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر، فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین" یہ حکم نہ دیا جاتا "فما اوتیتم من شیٔ فمتاع الحیوٰۃ الدنیا وما عند اللہ خیرٌ وّ ابقیٰ للّذین امنوا وعلی ربھم یتوکلون۔ والذین یجتنبون کبٰئرَ الاثم والفواحش واذا ما غضبوا ھم یغفرون۔ والذین استجابوا لربّھم واقاموا الصلوٰۃ وامرھم شوریٰ بینھم وممّا رزقنٰھم ینفقون" یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی قطعی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا ذکر ہوا تو فرمایا "یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و

Marfat.com

اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ ٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر، ذلک خیر ٌ واحسن تاویلا'' اول تو اولی الامر کے الفاظ استعمال کرنے میں عظیم دانشمندی پنہاں ہے۔ ورنہ حاکم اور خلیفہ بھی عربی ہی کے الفاظ ہیں۔ دوم تنازعہ یا اختلاف رائے طے کرنے کا طریقہ بتا کر یعنی یہ حکم دے کر کہ اختلافات کو اللہ اور رسولؐ کے متعین کردہ اصولوں کی راہ نمائی میں طے کرو، یعنی یہ نہ دیکھو کہ مصلحت وقت کیا ہے، یہ معلوم کرو کہ اللہ و رسولؐ کے احکامات کیا ہیں، اختلافات کو قائم رکھنے اور فکری گروہوں کے قیام کی نفی کر دی گئی۔ یہ اصول اپنی نوعیت میں آئینی اور دستوری ہے اور اللہ کی حاکمیت قائم رکھنے کا بنیادی ستون ہے۔ انسانی اذہان کا، دانشوروں کا، مفکرّین کا، جیورسٹ کا، فقہا کا آپس میں اختلاف رائے ہو جانا امکانی امر ہے۔ ہم نے اتنی بڑی دانش کے حامل سنہری اصول کو فراموش کر کے اولی الامر کی اطاعت کو ہر حکمرانِ وقت کی اطاعت سے منسوب کر لیا اور انگریز حاکموں تک کی اطاعت کو لازم قرار دے دیا۔ اور '' ماکان لمومنٍ لا مومنۃٍ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعصِ اللہ و رسولہ فقد ضلّ ضلالاً مبیناً'' کے واضح حکم کو فراموش کر دیا۔ یعنی کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اُس کا رسولؐ کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی خدا اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے، وہ صریحاً گمراہ ہوگیا۔ یہ حکم آئینی و دستوری طور پر ہمارے پیشِ نظر نہ رہا حالانکہ ہمارے آئینی اداروں کے لئے اس کی حیثیت مشعلِ راہ کی تھی۔ اور اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کے لئے اس کی پابندی ازبس لازم تھی۔ اس تنبیہ سے بھی ہم نے آنکھیں بند

Marfat.com

کرلیں کہ " ولا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم " یعنی آپس میں تنازعہ نہ کرنا، ایسا کرو گے تو تم بزدل ہوجاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا، تمہاری ہوا بگڑ جائے گی۔ ان آئینی و دستوری لائحہ عمل مقرر کرتے ہوئے اصولوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ کی حاکمیت سے مراد افراد کا ہی نہیں، ریاست و حکومت کا بھی اللہ تعالیٰ کے احکامات اور قائم کردہ اصولوں کا فرمانبردار ہوجانا ہے۔ یہ زمین صرف اللہ ہی کی ہے، حکم صرف اللہ ہی کا نافذ ہوگا۔ آئین اسلام کے وہ نادر ضمن ہیں جن کی تمثیل عقلِ انسانی آج تک پیش نہیں کر سکی۔ یوں اللہ ہی کی حاکمیت قائم ہوکر اسلامی ریاست صرف ریاستِ عدل واحسان ہی رہ جاتی ہے۔ انسانوں کی حاکمیت قطعی ختم ہوجاتی اور مساوات قائم ہوجاتی ہے۔ دین کو لفظِ مذہب کے محدود معانی میں نہیں سمویا جاسکتا۔ اس سے مراد آئین و دستور و ضابطۂ حیات واصول وعقائد ہیں۔ عقیدہ کے احاطہ میں تسلیم کے لئے نہ دلیل مانگا کرتے ہیں، نہ اسے پرکھنے کے لئے اپنی فانی عقل سے دلیل لایا کرتے ہیں۔ من وعن اسے مکمل وصحیح تسلیم کرلینا ہی اس کا بنیادی تقاضا ہے۔ اسلام ہمارا دین ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے اور مغربی جمہوریت ہماری سیاست کے اصولوں کو بیک وقت نافذ کر کے ہم نے تصادم کی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک اسی تصادم کا نتیجہ تھی۔ عوام نہیں، آئین کے ضمنات آپس میں ٹکرا گئے تھے۔ ایک طرف اسلام ہمارا دین ہے اور دوسری طرف سوشلزم ہماری معیشت اور مغربی جمہوریت ہماری سیاست تھی۔ ایک طرف طاقت کا سرچشمہ عوام اور دوسری طرف طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کے مکاتبِ فکر کارفرما تھے۔ ایک کو پیپلز پارٹی کہتے تھے اور دوسری نے پی این اے نام پایا۔ فکری طور پر

Marfat.com

لڑائی دستوری ضمانات کی تھی۔ جس نے بالآخر ایک طرف اپنے مصنف کا گلا دبوچ لیا اور دوسری طرف پابندیوں کی پابند ہو گئی۔ کسی شخص یا اشخاص پر الزام عائد کرنے سے پہلے ہمیں اپنی اس فکر کو پرکھنا چاہیئے جسے ہم متفقہ کہتے ہیں، ورنہ تضادات پر اتفاق کی راہ میں کئی اور مشکل مقام آنے والے ہیں..... اللہ ہی کی حاکمیت قائم ہونے سے حکومت و حاکم اللہ تعالیٰ اور عوام کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں اور یہ زرّیں اصول قائم ہوتا ہے کہ کارندۂ خدا اگر خدا کے احکامات کے خلاف کوئی حکم دے تو اطاعت اللہ کے بندوں پر فرض نہیں۔ اس دستوری ضمن کی تشریح حضرت ابوبکرؓ نے بڑی وضاحت کے ساتھ کی اور غور سے دیکھیں تو واقعۂ کربلا اسلام کے آئین کے اس ضمن کی خلاف ورزی کے خلاف ایک مصمّم احتجاج تھا۔ تقاضا حصولِ اقتدار و مرتبت و عہدہ کا نہ تھا، یہ تھا کہ اللہ کے بندوں پر یزید کی نہیں، صرف اللہ کی مرضی کا تسلّط رہنا چاہیئے۔ یہ نہیں کہا جا رہا تھا کہ میں خلیفہ بننا چاہتا ہوں، یہ کہا جا رہا تھا کہ تمہارا اس طرح خلافِ آئینِ اسلام خلیفہ بن جانا ہمیں منظور نہیں۔ ایک بدّو نے چادر کے واسطے سے ایک اہم آئینی نکتہ کی نشان دہی کی۔ حضرت عمرؓ نے بطریق احسن اپنا آئینی فرض نبھایا۔ یزید ڈٹ گیا اور اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا گیا..... اللہ ہی کی حاکمیت قائم ہو تو عدالتوں کو یہ اختیار ملتا ہے کہ حکومت کے کسی حکم کو حتیٰ کہ نافذالعمل آئین کے ضمن کو خلافِ احکام و رضائے الٰہی قرار دے کر کالعدم قرار دے دیں۔ مگر انسانی ذہن و فکر کا یہ انتظام ہے کہ آئین کے پیشِ لفظ میں جو کچھ تحریر کیا جاتا ہے، اسے آئین کے ضمانات ختم کر دیتے ہیں۔ مزید برآں آئین کے ضمانات کو نہایت پُرکاری سے قوانین کے ماتحت قرار دے کر پہلے مجروح کر

دبا جاتا ہے، پھر آئین کا شیڈول اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔ آئین کی فاتحہ خوانی اس کے نفاذ کے روز سے ہی شروع ہو جاتی ہے اور باقی ماندہ ڈھانچہ قوم پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ کبھی ہم کسی خوفناک آئینی ہیولے کو صدر بنا کر وزیراعظم کو چابی سے چلاتے رہتے ہیں اور کبھی وزیراعظم کو بلائے آسمانی جان کر صدر کو خوبصورت کھلونا بنا لیتے ہیں کہ سیل ڈالے، بٹن دبایا اور چلا لیا۔ ہماری آزادی بے راہ ہو کر مادر پدر آزادی بن جاتی ہے اور ہم قلعوں، تھانوں، جیلوں میں اس وقت تک بند رہتے ہیں جب تک ہماری یہ آزادی بُو نہ دے اُٹھے۔ سیاہ جھنڈے ہمارا قومی مقدّر بن جاتے ہیں۔ قومی جھنڈے صرف سرکاری گاڑیوں پر رہ جاتے ہیں اور ڈنڈے پولیس کے ہاتھوں میں، برسنے لگتے ہیں۔ سرکاری گاڑیوں کی نمبر پلیٹیں تو سبز ہو جاتی ہیں اور عوام کی سیاہ رہ جاتی ہیں۔ ہر طرف وہسل بجنے شروع ہو جاتے ہیں۔ پوچھو! کیوں مار رہے ہو تو ارشاد ہوتا ہے " ٹونا " اتار رہے ہیں۔ مرہم کی پوچھو تو معلوم ہوتا ہے ابھی تو تیار ہو گی۔ ابھی تو نُسخہ شاہی حکماء کے زیرِ تجویز ہے۔ یہ سبھی کچھ آئینی بے راہ روی کی وجہ سے ہے کہ اللہ کی حاکمیت صرف لکھنے کے لئے نہیں قائم کرنے کے لئے بھی ہے۔ آئینِ اسلام خالقِ کائنات کا تجویز کردہ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ یہ کارندۂ خدا، یہ اشرف المخلوقات اپنے کردار میں نظامِ کائنات سے ہم آہنگ رہے۔ آج کی انسانی دنیا کا سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ انسان نظامِ کائنات سے ہی نہیں، اصول ہائے ارتقائے کائنات سے بھی ٹکرا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے اللہ نے اپنی حاکمیت قائم کرنے کے طریقے نہیں بتائے، حالانکہ انسانوں کے مکاتبِ فکر نے بھی کبھی طریقے نہیں بتائے۔ طریقے بتانے بھی نہیں چاہئیں، صرف اصول متعیّن

Marfat.com

کرنا چاہئیں۔ طریقہ مقرر نہ کرنے میں اللہ اور رسولؐ کی قابلِ سجدہ دانش پنہاں ہے۔ جمہوری، بادشاہی، فسطائی نظاموں میں کیا کوئی اور طریقہ ہے۔ یہ بالواسطہ و بلاواسطہ انتخابات، پارلیمانی و صدارتی نظام، اشتراکی اور سرمایہ دارانہ جمہوریت، جداگانہ و غیر جداگانہ طریقِ انتخاب، وحدانی و وفاقی طرزِ حکومت کیا ایک ہی طریقہ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ڈیموکریسی بندوں پر بندوں کی حکومت کو کہتے ہیں۔ اللہ کی حاکمیت ہو تو بندے بندوں سے آزاد ہو جاتے ہیں "یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے، ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات" بندوں کے ہاتھ میں نظام تو ہوتا ہے، بندے اپنی مرضی مسلط نہیں کرتے۔ جس طرح تھیوکریسی یا پاپائیت، فسطائیت کی اپنی توضیحات ہیں۔ اس طرح اللہ کی حاکمیت بھی ایک دستوری اور آئینی اصول ہے جس کی دانش آئین کے ہر ضمن میں آشکار و کارفرما ہونا چاہیئے۔ اُسے صرف پیش لفظ تک محدود رکھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی نام نہاد محبوبہ کو تحریکِ اغواء کے لئے تحریر کیا ہوا خط بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرے۔ اللہ کی حاکمیت کے تحت قائم ہونے سے تمام آئینی ادارے اللہ کے احکامات کے پابند ہو جاتے ہیں اور سرِمو انحراف نہیں کر سکتے۔ جو اللہ کے حکم کے مطابق حکم نہیں کرتے، وہ " کافر، ظالم اور فاسق" ہو جاتے ہیں، کے احکامات کتنی سخت تنبیہ ہے۔ اللہ کی حاکمیت ہو تو سرکار مدعی نہیں ہوتی، اللہ اور رسولؐ مدعی ہوتے ہیں۔ اگر کچہری میں آواز لگانے والا سرکار بنام فلاں کی بجائے، اللہ بنام فلاں یا رسول اللہؐ بنام فلاں پکارے تو یہ احساس پیدا ہو جانے پر کہ اللہ اور رسولؐ میرے خلاف مدعی ہیں، ملزم کی طبیعت پر کتنا رقت آمیز اثر ہوگا۔ ہو سکتا ہے۔ اہل کار کا یوں آواز لگانا ہی کسی کو تائب

Marfat.com

ہونے پر آمادہ کردے۔ سرکار بنام فلاں والی آواز تک حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، کے اصول کی نفی کر رہی ہے۔ یہ بندوں کی حاکمیت اور سرکار کے غیر مؤثر ہونے کی وجہ سے ہی ہے کہ پورا معاشرہ سعادت حسن منٹو کی کالی شلوار بنتا جا رہا ہے۔ اہل حرم کے سومنات دھرنا مارے بیٹھے ہیں اور کارگہِ حیات میں غزنوی کی آمد کے کوئی آثار نہیں۔ جلوس در جلوس اور دربار بہ دربار مذہبی پیشوا موجود ہیں مگر سرِ خسرو سے بوئے سلطانی نہیں جاتی۔ شاید اس لئے کہ دین کے علمبردار خود بندوں کی حاکمیت کے قائل ہو گئے ہیں۔ طاقت کی بحالی کے لئے عوامی سرچشموں کے کنارے آب خورے تھامے کھڑے ہیں اور نہیں دیکھ رہے کہ عوام تو خود خشک لب ہیں۔ وہ دن آ لگے ہیں کہ پا بہ زنجیر رقصِ سیاست جاری ہے اور تخت شاہی سے مراعات نچھاور ہو رہی ہیں۔ پاکستان غیر متحد، غیر منظم و بے یقین ہوتا جا رہا ہے اور اتحاد و ایمان و تنظیم نے جاپان میں ڈیرہ ڈال لیا ہے۔ .... اللہ ہی کی حاکمیت آئین کی روح ہو، تو اسلام کے قانون سازی سے متعلق اصولوں کو روبہ عمل لایا جا سکتا ہے۔ اسلام کے یہ اصول بھی اپنی نوعیت میں منفرد ہیں اور ایک ایسا نظام عدل وجود میں لاتے ہیں جو اپنے اوصاف میں آفاقی اور موجودہ نظام عدل سے قطعی مختلف ہے۔ ہمارے قانون سازوں نے اس کا ادراک حاصل کرنے کی تا حال کوئی عملی کوشش نہیں کی ..... اللہ ہی کی حاکمیت نہ ہو تو قوانین تو کجا اصول "ایاک نعبد و ایاک نستعین، اھدنا الصراط المستقیم" تک صرف زبانی اور انفرادی اقرار ہو کر رہ جاتا ہے، اور عملاً ساقط ہو جاتا ہے۔ جن پر بندوں کی حاکمیت و قانون مسلط ہے، وہ تو حکومت الٰہیہ میں داخل ہی

Marfat.com

نہیں ہوتے۔ ان کے متعلق یہ خدشہ لایعنی تو نہیں ہوگا کہ وہ عملاً "ناٹ مسلم" ہوکر نہ رہ جائیں .... اس سے بھی زیادہ خطرے میں وہ لوگ ہیں جو اللہ اور بندوں کو بیک وقت حکم تسلیم کرتے ہیں۔ کیا اللہ کی وحدانیت، اللہ ہی کی حاکمیت تسلیم کئے بغیر بھی جزوِ ایمان رہ سکتی ہے۔ اگر آئینی طور پر اللہ ہی کی حاکمیت کارفرما ہو تو کمیونسٹ ہونا مسلمانوں کی ہر آبادی کا مقدّر ہوکر رہ جائے گا اور صورت حال دانشوروں یا انسانی حکمرانوں سے سنبھالے نہ سنبھلے گی۔ اللہ ہی کی حاکمیت کے بغیر اسلامی معاشی نظام کے اصول مؤثر طور پر نافذ نہیں کئے جا سکتے اور مغربی کیپٹلیزم کا تو مقدر ہی بالآخر کمیونسٹ ہو جانا ہے۔ اسلام میں "اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں" کا اصول وارد کر کے بندوں کی حاکمیت کالعدم اور اللہ ہی کی حاکمیت قائم کی گئی ہے۔ مسلمان ہوکر بندوں کی حاکمیت کا علمبردار ہونا نئی شلوار قمیص پر انگریزی سوٹ کی پرانی واسکٹ پہننے کا سا عمل ہے۔ یہ کوئی معمولی سا عمل نہیں کہ اس سے درگزر کیا جائے کہ یوں تو عقیدۂ توحید کے لئے بالواسطہ خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر جن کی نگاہ میں بُت خانہ ہوا نہیں کیا کہیں۔ اسلام کا نظام حکومت بندوں کے اللہ ہی کی حاکمیت تسلیم کر لینے کو کہتے ہیں اور بندوں پر صرف رضائے الٰہی ہی کے تسلّط کا دوسرا نام ہے۔ اسلام کے پردے میں خود کو نافذ کرنے کے متمنی سیاست دان وغیر سیاست دان ایک طرف ڈھانچوں کی تلاش میں ہیں، دوسری طرف چلمن سے سر نکال کر آوازے دیئے جا رہے ہیں کہ چاہے ہمارے ڈھانچے نکل آئیں، ہم ڈھانچہ دینے نہیں دیں گے۔ گویا انسان اپنے اقتدار کے لئے لڑ رہے ہیں اور پاکستان انتباہ کر رہا ہے کہ میرے نظریہ کے مطابق اللہ کا آئینی و قانونی اقتدار قائم کر کے تم نے بندوں کو اپنے حکم کی گرفت سے آزاد کیا تو "تنزع الملک"،

Marfat.com

اپنی پیشانیوں اور میرے تیور پر تحریر پاؤ گے ...... جس معاشرہ اور ملک میں صرف اللہ ہی کی حاکمیت ہو اس میں مفلس و مسکین، یتیم و بے وسیلہ شہری اہم ترین قرار پاتے ہیں۔ با وسیلہ لوگ طبعاً فقر اختیار کر لینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا یارا تک نہیں رہتا۔ انسان مادی وسائل کا محتاج نہیں رہتا اور بلا روک ٹوک اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا اہل ہو جاتا ہے۔ مگر ہم کہ کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری ہیں، اس افادیت کا ادراک نہیں کر رہے اور بے شعوری سے مُصر ہیں کہ ہمیں پابند کنیزاِ ہرمن، دوں نہاد، مردہ ضمیر و دیوِ بے زنجیر ہی رکھا جائے۔

Marfat.com

کس کی زباں کھلے گی پھر ہم نہ اگر سُنا سکے

کس کو کلام ہوگا کہ معمارِ قوم کی وفات کے بعد سیاستِ پاکستان مسلسل ابہام، جمود، ریشہ دوانیوں، سازشوں اور کوتاہیوں کا شکار رہی۔ کبھی غیروں نے بہکایا تو کبھی اپنوں نے ڈس لیا۔ اگرچہ شہروں کی رونق بڑھی۔ صنعتیں قائم ہوئیں، کارخانے کھلے، تجارت نے منافع کے انبار لگائے، دفاتر وسیع ہوئے، نئے دارالخلافے آباد ہوئے۔ کاروں، سکوٹروں موٹرسائیکلوں میں یوں اضافہ ہوا کہ برساتی مینڈک بھی ٹرا کر رہ گئے۔ گھر، لباس، دسترخوان، حتیٰ کہ غسل خانے تک ماڈرن ہو گئے۔ سڑکیں تعمیر ہوئیں، پُل بندھے، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹرانسسٹرز، وی۔سی۔آر بھی آبادیوں تک یوں اثر انداز ہوئے کہ گھریلو ملازمین تک کو بھی اپنی اولاد پر ڈرامائی اور افسانوی کرداروں کا گمان ہونے لگا۔ باپ بیٹے، شاگرد و استاد تک کے درمیان گفتگو میں بھی فلمی مکالمے اور اشتہاری فقرے در آئے۔ سبزی فروشوں نے بنگلے تعمیر کئے۔ کباب فروشوں کی کوٹھیوں میں نئے ماڈل کی کاریں پارک ہوئیں۔ مگر سیاسی افلاس، ذہنی و فکری ناپختگی، بے شعوری و بے اطمینانی یوں بڑھی کہ ہر اتحاد منتشر، ہر ایقان غیر محکم اور ہر تنظیم غیر منظم ہو کر رہ گئی۔ تخلیق ناپید اور تنقید دستورِ حیات بن کر رہ گئی۔ ہر سیاسی

Marfat.com

تحریک نے اپنی کوکھ سے مارشل لاٗ برآمد کرکے اپنے بانجھ ہونے کا اعلان کر دیا۔ بحالیِ حقوق کی ہر فریاد تعطلیِ حقوق کی چوسنی منہ میں لے کر خاموش ہوگئی۔ آئینی ایجاب وقبول یوں ٹوٹتے رہے کہ "پیپر میرج" اور متعہ کے معاہدے بھی کبھی یوں نہ بکھرے ہوں گے۔ جو بھی سربراہ مملکت بنا یہی نوید لایا کہ آئینی امید سے ہوں۔ ہر فرمان شاہی نے یہی اعلان کیا کہ بوجہ نافرمانبرداری وناکردہ کاری رعایا کو دستوری طور پر عاق کیا جاتا ہے۔ اتنی ایمرجنسیاں نافذ ہوئیں کہ ناروا ضرورتیں بھی نظریہ بن گئیں۔ ہر ارتقا کو نظر کھا گئی اور ہر تعمیر نذر چڑھا دی گئی۔ ہر آئین کا مصنف یا اپنی تصنیف کو کھا گیا یا تصنیف اپنے مصنف کو نگل گئی۔ آئین پر دستخط کرنے کی ہر تقریب کے انعقاد کے ساتھ ساتھ ہی اس کی تنسیخ کی مہریں یا باڈی گارڈوں کی وردیوں میں چھپا دی گئیں یا عدالتوں کی میزوں پر سجا دی گئیں۔ ہر آئینی حلف اٹھانے والے نے دل ہی دل میں یہ عہد کیا کہ میں حاشیہ بردار اس آئین کی دستاویز تنسیخ کا گواہِ حاشیہ بنوں گا۔ ہر انسانی الٰہ نے نیت یوں ہی باندھی کہ لا الٰہ الا اللہ میں ہی اللہ ہوں۔ ہر نائب خدا یوں ہی کارفرما ہوا جیسے اللہ طویل رخصت پر ہوں اور یہ ہی "ایکٹنگ خدا" ہو۔ اس تمام تر صورت حال کے اصل ذمہ دار کون لوگ تھے۔ وہی بیرونی طاقتوں اور سازشی بیوروکریسی کے مستینی کھلونے، وہی افہام وتفہیم سے ناآشنا، اجتہاد کے بنیادی اصولوں سے نابلد، الحاد پرست، آفاقی واردات کو حدودِ زمان ومکان میں مقید رکھنے کے عادی، اُخروی زندگی کے مردہ ضمیر منکر، یہود ونصاریٰ کے پروردہ اسلام پسند، ضمیر اسلام پر دشمنانِ اسلام کے چڑھائے ہوئے عجمی غلاف، روایات میں کھوئے ہوئے خرافاتی، کلیسا نواز سومناتی، مطالبِ قرآن اور مقاماتِ کلماتِ ربِ ذوالجلال

Marfat.com

پر جُبّے ڈالے ہوئے زنّار پوش، بغل میں قرآن اور سر پہ لُغت ہائے عجم اُٹھائے ہوئے دین فروش، صیہونیت کے ہاتھوں میں اپنی انگشت شہادت تھمائے ہوئے فرزندانِ تہذیبِ آدم کُش، پردہ تہذیب میں چھپے ہوئے غارت گر، نوعِ انسان کے پُرکار شکاری، مصنوعی نگوں کے ریزہ کار، خیرہ ذہن شہریار، بت نئی بحثوں کے تحیص کُش مُوجد، وہی راہ زنانِ تمکین و ہوش، ساقیانِ عزیزِ مصر، دربائے زلیخائے سیاست کے قُفل بردار، برادرانِ یوسف کی تحریر کردہ قمیص خون آلود کی فردِ برآمدگی کے گواہان حاشیہ، وہی ساربانانِ قارون، وہی فرعونِ نو کے کہنہ مشق خُداساز، نمرود کے لڈے لدوائے لکڑ ہارے، وہی حزبِ اقتدار کے قابیل اور حزبِ مخالف کے ہابیل جو بہ فیضِ پرکاریٔ مداخلتِ سیاسیاتِ خارجہ کتاب درکتاب، صفحہ درصفحہ، ذہن در ذہن ہی نہیں، گلی گلی، کوچہ کوچہ یوں انجمن آرا ہیں کہ مسجد و مکتب تو کجا سرکاری پالیسی ساز اداروں کے در و دیوار بھی حیران و ششدر ہیں کہ جن کا بہت چرچا تھا وہ بُت شکن کیا ہوئے۔ یہ دشمنانِ دین و رقیبانِ دنیا کہاں سے آگئے کہ جدھر دیکھو "سُوۓ منات" کی کارفرمائی ہے۔ لات و عُزیٰ کی فکر برپا ہے۔ فتح مکّہ کا یہ ماڈرن اندازِ تاریخ کے کون سے باب میں تحریر ہوگا کہ ابوسفیان کے گھر میں پناہ لینے والا کوئی بھی مسلمان نہ ہوا۔ جس سے رفع یدین کروایا اُسی کی آستین سے بُت برآمد ہوئے۔ پایا تو شناختی کارڈ پر ابوجہل کی تصویر چسپاں تھی، دیکھا تو پاسپورٹ پر ابولہب تحریر تھا۔ پورے ملک میں آزر اپنے تجدیدی آرٹ کی نمائش لگائے ہوئے ہے۔ جدھر دیکھو، بنام ترقی لطرزِ غلامی دیوِ استبداد دہاڑ رہا ہے۔ مفلسوں کا افلاس ہے کہ بہ ذوقِ سرمایہ داری تُل رہا ہے۔ نگاہِ شفقت بھی خدائی کی زکوٰۃ بن کر رہ گئی ہے۔ عفتِ ایمان طوائفِ خیال کی آرائش گاہ

میں سج رہی ہے۔ جدھر نگاہ اُٹھاؤ بادمنو برہمن گھنٹیاں بجا بجا کر اعلان کر رہے ہیں، ہماری زنّار ٹوٹ ہے "اعتصموا و تفرقوا" جس میدان میں جاؤ کوئی نہ کوئی بازی گر اپنے رسّے کو "حبل اللہ" قرار دے رہا ہوتا ہے۔ ہر ذہنی تفریح گاہ میں گم شدہ قلمدان کے متلاشی سیاست دانوں کے کارندے فکری "ہیروئن" فروخت کرنے میں مصروف ہیں۔ آئین پیغمبر کو اپنی ذاتِ بے صفات کے لئے خطرہ جان بہ ہوشیار تضاداتی، وفاقی، جمہوری، اشتراکی، اسلامی بے فکرے عوام کے سرچشمۂ خیالات واحساسات کو یوں رنگ آمیز کر دیتے ہیں جیسے رادھا ہولی کھیلتی ہوئی گوپیوں میں پھنس کر یوں انگیا جائے کہ کرشن مراری بھی اس کا یہ روپ دیکھ خوف زدہ ہو، مرلی پھینک، بھری جمنا میں کود جائے اور تمام بگلے بھگت رام رام پکار اُٹھیں۔ جوں ہی کسی کے ایمانِ خوابیدہ کے انگڑائی لینے کے انداز رونما ہوں، یہ طبیبانِ عطائی اور مسیحانِ مصلوب "زہرِ بے تریاق" نسخوں میں تحریر کئے ایک ہاتھ نبض پر اور دوسرا پیشانی پر رکھ کر بڑے جملانہ انداز میں ذرا زبان دکھانے کو کہتے اور بے ساختہ اعلان فرما دیتے ہیں کہ عزیزِ تیماردار، بوجہ بلندیٔ تکلّم زبان مریض دراز ہو گئی ہے۔ اور اسی باعث بشمول معدہ، اس کے جملہ اعضائے رئیسہ، جن کی حیثیت ایک پشتی وفاق میں صوبوں کی سی ہوتی ہے ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئے ہیں، جسے زبانِ سیاست میں احساس محرومی کہا جاتا ہے۔ لہذا یہ وہ زہرِ بے تریاق" جسے آئینی اصطلاح میں صوبائی خود مختاری کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ چناب و راوی کے دوآبہ کے ساتھ کسی ابر آلود، بے ستارہ و ہلال رات کی تاریکی میں، آبِ اٹک و سندھ سے کُلی کروانے کے بعد استعمال کرواؤ۔ اس کی زبان لٹک جائے گی تو متفکر نہ ہونا کہ اعضائے رئیسہ کی آزادی کے یہی آثار ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ آہستہ آہستہ اسے اقتدار میں عدم شرکت کا مزید احساس ہونے لگے گا اور یہ آئینی ترامیم کا تقاضا کرتے کرتے ازخود مختار و علیحدگی پسند ہو جائے گا۔ ٹوٹ پھوٹ جائے گا، بکھر جائے گا تو سمجھ لینا صحت یاب ہو گیا۔ دن نکلتے ہی اسے گہری عینک لگوا کر اس کے لئے عدالتوں کے عالیہ احاطوں میں وارداتِ قتل اور درس گاہوں میں اسلحہ کے انبار دن کی خبریں مہیا کرنا، اور کوڑے کھانے کا سلیقہ سکھانا کہ اس کے لئے اس نوع کی ذہنی اور جسمانی ورزش کی اس وقت تک اشد ضرورت ہے، جب تک اس پر یہ راز افشا نہ ہو جائے کہ انصاف کے گھر تک پہنچ جانے کا اصل ماحصل جرائم کا عدالت تک پہنچ جانا ہی ہوتا ہے۔ یہ یقین نہ کر لے کہ جسم میں رگِ جان کی ضرورت حکمتِ فرسودہ ہے، روح محض ایک مفروضہ ہے، اعضائے رئیسہ کے وسائل مشترکہ نہیں ہوتے۔ یہ تسلیم نہ کر لے کہ اعضائے رئیسہ دراصل وہ جاگیرِ جہانگیر ہے جو ذہن انسان کو اس کی سازشی آمرانہ پرکاریوں کے صلے میں عطا ہوتی ہے۔ قلبِ ریاست تو صرف عمارتِ سیاست کے ڈرائینگ روم کا الیکٹرانک کلاک ہے۔ اصل اطمینان تو حاکمیت و آمریت کے اس بیڈ روم میں ہی ملے گا جسے سیاسی دماغ کہتے ہیں ......

انسانی ضمیر تو جسم کا آزاد قبائلی علاقہ ہے، اسے ہرگز مملکت میں شامل نہ سمجھو۔ فقط ان ہی مخصوص افعال کے لئے خاص رکھو جن کے لئے یہ آج کل استعمال ہو رہا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس مریضِ زیرِ علاج کی یہ وفاقی و صوبائی تقسیم جو بظاہر نسلی و لسانی ہے، دراصل اس کے حواسِ خمسہ کی تقسیم ہے، بیئر تفرلیق کے طفیل احساسِ لمس تو ۱۹۷۰ء میں ہی جاتا رہا تھا۔ باقی چار حواس صرف اس لئے زیادہ حساس ہیں کہ نقلاً وفاقی اور اصلاً صوبائی ہیں۔ ایسے

Marfat.com

حواس کا بیک وقت بیدار و کار فرما ہونا انسان کے ابہام و اوہام زدہ ہونے کا پیش خیمہ ہیں۔ لہذا کوئی فکر قومی نہ ہونے پائے، کوئی سیاسی جماعت ملک گیر نہ ہو، کسی تحریک میں پورا ملک شریک نہ ہو سکے۔ یک جہتی کا ذریعہ اگر اسلام بھی ہو تو اسے بھی رُسوا کر ڈالو۔ ہر اتحاد توڑنے کے لئے قائم کرو اور ہر انتشار کو متحد رکھو۔ خاص احتیاط رکھو کہ یہ مریض جب تک ہمارے زیر علاج ہے، جسے چکھے اُسے چھوئے نہیں، جسے سُونگھے اُسے دیکھے نہیں اور جسے دیکھے اُسے سُنے نہیں۔ ورنہ اس مفلوج کے اندر زلزلے لرزنے لگیں گے۔ خدا لگتی کہو، ایسے اطبا کا زیر علاج بار بار "ایکسٹینسو کیئر" کے اس وارڈ میں داخل ہو گا یا نہیں جسے سہل ادائی کے لئے مارشل لاء کہتے ہیں۔ کیا یہی وہ طریق علاج نہیں جس کے نتیجے میں پاکستان لخت لخت ہوا۔ مزید خدا لگتی کہو کہ ہماری اس قسمت کا تاریخ ماتم کرے، اس پر رشک کرے، حسد کرے، مذاق اڑائے یا روئے کہ مارشل لاء نافذ ہو تو ہماری سیاست جو ہمیشہ اندرونی و بیرونی بیوروکریسی کے اشاروں پر ناچتی اور ان ہی کی تھاپ پر آسن جماتی ہے، نعرہ زن ہوتی پائی گئی ہے کہ جمہوری کوششیں بار آور ہوئیں۔ ہم اس مارشل لاء کے معاون ہوں گے، اس سے اپنا احتساب کروائیں گے، اسی سے اپنے انتخابات کروائیں گے، جس سیاست کو انتخابات کروانے کے لئے فوج کی نگرانی کی ضرورت ہو، اس کی فوج نگران ہو جائے یا سیاست میں آدھمکے تو کس کو طعن دیں۔ بازدے شمشیر زن کو، یا سیاسی ذہنوں کی عظیم جنگ کو۔ سیاست دان ہی اگر مطالبہ کریں کہ ان کے انتقال کردہ اقتدار کا انتقال بعد از نظر ثانی فوج ہی کے ہاتھوں ان کے نام درج ہو۔ سیاسی اقتدار کی جمعبندی میں ان کا نام فوج ہی کے قلم سے تحریر ہو تو سیاسی پٹوار خانوں

Marfat.com

کا کالعدم ہو جانا کس کے نام لکھیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہماری موتیا بند ماری سیاسی آنکھ فیئر پلے آپریشن کے بعد اس وقت کھلتی ہے جب ہمارا نام خانہ ملکیت سے خانہ ناجائز کاشتِ بے لگان میں لکھا جا چکا ہوتا ہے۔ اور پھر ہم برسوں صحتِ گرداوری کی درخواست کی پیروی میں لگے رہتے ہیں۔ تنگ آکر ہم میں سے کچھ معذور خدا کے گھر کو دیکھنے کے لئے عمرہ کا قصد کر لیتے ہیں اور کچھ خدا کی شان دیکھنے کے لئے انگلستان کے قصد پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایک طرف سے آواز آتی ہے، اسلام کو دیکھو تو دوسری طرف سے کوئی عشوہ طراز زلفِ نارسا کو بل دے کر اشارہ کناں ہوتا ہے کہ اس "لام" کو دیکھو۔ اور ہم بڑبڑاتے رہ جاتے ہیں، اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے۔ اور مارشل لاء کی کارفرمائی ہمارا تو مقدر بن چکا ہے کہ مشرقی و مغربی صیہونیت نواز طاقتوں، ان کے اہل کار دانشوروں اور تجربہ کار کارکنوں کا یہ عمل جاری رہتا ہے کہ وہ غلط کام صحیح طریقے اور صحیح کام غلط طریقے سے کرانے کے علاوہ ہر عمل میں عمداً ایسی خامیاں رکھوا دیتے ہیں کہ جب چاہیں ان کی نشاندھی کروا کر مضبوط تر حکومتوں کو بھی چلتا کر دیتے ہیں۔ آم چوس لیتے ہیں اور گٹھلیاں اٹھا پھینکنے کے دام بھی وصول کر لیتے ہیں۔ آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ جو عمل جمہوریت ہماری سیاست اور سوشلزم ہماری معیشت کے اصولوں کے ساتھ روا رکھا گیا۔ اُسی کی زد میں نفاذ اسلام کے عمل کو لایا جا رہا ہے۔ حالیہ "انصاری کمیشن" کی سفارشات اسی پُرکاری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اہل رائے کا اسلامی معیار مقرر کئے بغیر انتخابات کا اہتمام لادینی بنیادوں پر ایوانِ دین تعمیر کرنے کی کوشش لاحاصل کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مشاورت کے دائرہ کار و اختیار پر کسی اسلامی قدغن کا نفاذ نہ کرنا امارت کو کھوکھلا کرنے کا پرکار عمل ہے۔ امور میں باہم مشورہ فرمانِ الٰہی ہے مگر مغربی

Marfat.com

طرزِ انتخاب میں "وَاَمرُھُم شُوریٰ بینھم" یا "شَاوِرھُم فِی الامر" کا مرحلہ کب آتا ہے اور کن عوامل کی بنا پر ایسے انتخابات کو اسلامی مشاورت کے تقاضوں سے ہم آہنگ قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ سفارشات حالات سے سمجھوتہ کرنے اور حق و باطل کی آمیزش کی آئینہ دار ہیں۔ حالات کا برپا کرنا اور فکری انقلاب لانا نہ ان کے ما فی الضمیر میں ہے نہ ان کا مقدر ہو سکتا ہے۔ ان میں شخصی ذہنی تحفظات کی بھرمار ہے جن کی موجودگی میں اللہ ہی کی حاکمیت کا قائم ہونا ناممکن ہے۔ جو الجھنیں یہ سفارشات پیدا کریں گی، اسلام کے لئے کسی کا تمام تر خلوص بھی ان کو سلجھا نہ سکے گا۔ منفی حیرت کی فراوانی کے سوا ان کا ماحصل اور کچھ بھی نہیں ہو گا۔ کلیسا طوعاً و کرہاً اسلام قبول کرے گا۔ مگر صلیب نہیں اترے گی۔ اللہ جس نے فرمایا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، یقیناً انصاری کمیشن سے زیادہ دانا ہے۔ کاش کوئی سمجھتا کہ فرمانِ افرنگ سے فرمانِ الٰہی کہیں زیادہ دانشمندانہ ہے۔ جس حق کے آنے سے باطل نہ جائے اُسے لانے والے سے کوئی کوتاہی ضرور ہوئی ہے، ضرور ہو رہی ہے۔ یہی عمل اس سے پیشتر "آئینِ برطاق" کے ساتھ بھی ہو چکا۔ یقین نہ ہو تو عوامی حقوق سے متعلق ضمن نمبر ۸ کا مستثنائی شیڈول پڑھ لیں کہ ساٹھ سے زائد مارشل لاء کے ضابطے اور دیگر قوانین جو عوامی حقوق کو بلکہ اسلامی اقدار کو غصب کئے ہوئے ہیں، آئینی دسترس سے محفوظ کر دیئے گئے تھے۔ اس پر بھی دعوئ پارسائی تھا۔ یوں اس کی عملداری عوام کو مطمئن نہ کر سکی۔ سوشلزم روٹھ گئے اور اسلام بیزار ہو گیا۔ اسی طرح فیڈرل شریعت کورٹ ایکٹ نے عائلی قوانین، مالی و مالیاتی قوانین، ٹیکسوں سے متعلق قوانین، نام نہاد زرعی اصلاحات، بینکوں اور انشورنس سے

Marfat.com

متعلقہ قوانین اور آئین کو مستثنیٰ قرار دے دیا۔ اگر یہ غیر اسلامی نہیں ہیں تو اس استثنا کا مقصد۔ اور اگر غیر اسلامی ہیں تو پھر شریعت کورٹ کے قیام سے کیا مراد۔ ہر کوئی جانتا ہے، سُود اور سٹہ آج بھی آئینی وقانونی تحفظ میں ہیں۔ شرعِ مملکت میں جسے اللہ کے قانون کے مطابق سزا نہ ہو سکتی ہو، وہ انسان کی مقرر کردہ حدود کی رو سے لائق تعزیر بھی ہے اور مستحق سزا بھی۔ آج کے قوانین و آئین اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم بھی ہیں اور متضاد بھی۔ آج کے قوانین کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جو قانون ہے اُسے حق تسلیم کرو۔ جبکہ اسلام کا فرمان ہے جو حق ہے صرف اسی کو قانون تسلیم کرو۔ آج کے قانون، آئین اور انصاف کے ہر ضمن کی بنیاد سرمایہ داری ہے۔ ان کے صنم کدوں میں "ایوان سیزر" کی شمعیں روشن ہیں۔ قانونی و آئینی دفاتر قیصر روم کی تربیت گاہوں کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور تربیت گاہیں فقط پرورش ذہن کسریٰ و زرتشت کے لئے خاص کر دی گئی ہیں۔ قرار دادِ مقاصد صرف آئینی دار ہے۔ سنت رسول ؐ عالمانِ دین نے متنازعہ کر رکھی ہیں۔ ان تنازعوں کے ہوتے ہوئے اِس قرار داد کا غیر مؤثر رہنا لازم ہے۔ شرح کو نافذ کرنے، اس کے نفاذ پر اصرار یا شرع کو شرح کے تابع کر دینے کا عمل "امرِ ربی" کو ذہن انسان کے مطیع کرنے کے ناروا و ناگوار و ناپسندیدہ عمل کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اسلام کو ریاست کا فقط مذہب قرار دے کر اس کی بغلوں میں مغربی جمہوریت اور سوشلزم کی بیساکھیاں دینا سیکولر پُرکاری ہے۔ آئین و قوانین میں کہیں "قل العفو" "لیس للانسان الاّ ماسعی" "قیام صلوٰۃ" "ایتائے زکوٰۃ" کے آفاقی اصولوں کی روح موجود نہیں۔ قوانین زکوٰۃ نے صرف زکوٰۃ کی ملوکی شرح نافذ کی ہے۔ آئینی و قانونی نظامِ

Marfat.com

زکوٰۃ نافذ نہیں ہوا۔ یہ سب کچھ ان ہی متذکرہ بالا پرکار مشیروں کا کیا دھرا ہے۔ اسلام سے اس قدر اخلاص رکھنے کے مدعی اتنے بااختیار حاکم کے ہوتے ہوئے نہ معلوم خوشامد، تحریف یا انتہائی مصلحت اندیشی کا درس دے کر یار لوگ ہاتھ دکھا گئے یا یہ سب کچھ نظریں بچا کر ہو رہا ہے۔ بہرحال ان حالات میں اچھا نہیں ہوا جب ایک سپر طاقت کا حکم صادر ہو کہ پاگل خانے کی دیواریں مزید بلند کرو اور دوسری لالچ دے رہی ہو کہ اے صیدِ زبونِ شہریاری، عربوں کی محتاجی چھوڑ، تیل کی ریاستوں کے عقبی دروازہ کو مضبوط کرنے سے مغربی یورپ کی رگ جان تو محفوظ ہو یا نہ ہو، تیرا تیل ضرور نکل آئے گا۔ اس لئے عرب نواز نہ بن، ارب آشنا ہو۔ تو چاہے تو میں اربوں کے خرچ سے ریل بچھا دوں، سڑکیں بنوا دوں۔ ہر قصوری کو قسوری وکشوری بنا دوں، فولادی اونٹ مہیا کر دوں۔ میرے پاس توانائی کے فیل بھی ہیں اور اصحاب فیل بھی۔ ان کی خراب آنکھوں اور جسمانی کھجلی کی طرف نہ دیکھ۔ میرے سرمۂ ہند دکش، سلیمانی سلائی اور مشکیزہ گرم آب کی طرف دیکھ۔ میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا۔ "لا الٰہ" کوئی الٰہ نہیں پکارنے کی بجائے "الٰہ کوئی نہیں" پکار۔ جذبہ جہاد فی سبیل اللہ کو آثار قدیمہ کے عجائب گھروں کو بطور عطیہ دے دے۔ تلوار نہیں اختیارات سنبھال۔ لوگ امن فوج بنا لیتے ہیں تو امن فوجی مجھے کیوں قبول نہ ہو۔ مگر یہ اسلام پسندی مجھے ہرگز گوارا نہیں۔ بیرون در ان علامتوں کے ہوتے ہوئے درون در یہ علتیں کسی محب وطن کو زیب نہیں دیتیں، مگر کاش حب وطن بازاروں سے خریدی جا سکتی۔ متذکرہ بالا تجاویز اور مشورے دینے والے کاش اس امر کا احساس کریں کہ بتدریج ہی سہی، نوید انقلاب

Marfat.com

اسلامی کو ان طور طریقوں سے مسدود کرنا نہ دینی مفاد میں ہے، نہ قومی و ملکی مفاد میں۔ اسلامی نظامِ حکومت و سیاست کو انسان زدہ کرنے کی ہر کوشش اللہ کی حاکمیت سے ٹکرانے کی غیر دور اندیشانہ حرکت ہے۔ کسی مخلص مسلمان کے خلوص سے قطع نظر کر کے اپنی ہنگامی ضروریات کے لئے اُسے بے راہ کرنا صالح عمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آخر ہمیں افرنگ کا اندازِ فکر اور انسانی اذہان کی خیالی تخلیقات وحی الٰہی سے بھی زیادہ کیوں عزیز ہیں۔ اور اگر کسی کی نظر میں کوئی مخلص نہیں ہے تو بھی اس کے ساتھ مخاصمت میں اسلام کو رگیدنا یا اس سے منحرف ہو جاتا کیا صحیح طرزِ فکر و عمل ہوگا۔ اسلام کا آئین اگر نافذ ہو اور اس کے مسلمہ اصولوں کے مطابق اگر انتخابات ہوں تو راقم خود کو اہل نہیں پاتا۔ پھر بھی مُصر ہوں کہ آئین و شرعِ پیغمبرؐ ہی نافذ ہونا چاہیئے۔ دیگر تمام مکتبہ ہائے فکر باطل ہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے، جو کچھ برپا ہے، اس کا ذکر گراں تو گزرتا ہوگا مگر میں ہم وطنوں سے بھی اور ان سے بھی جن کے ہاتھوں میں زمامِ کار ہے، دریافت کرتا ہوں ے

تم ہی نہ سن سکے اگر، قصۂ غم سُنے گا کون
کس کی زباں کھلے گی پھر، ہم نہ اگر سُنا سکے

Marfat.com

کیا نہیں کوئی غزنوی کارگہِ حیات میں

بچے کھچے کچھ سیاسی بچے اور انتخابی منچلے " ایک ننھی چڑیا اُڑنے والی، دانہ دُنکا چگنے والی" کی طرح میدانِ سیاست سے کالعدم ہو کر فراست سے عاری جس طرح باورچی خانوں اور عوامی دسترخوانوں پر ٹھونگ رہے ہیں۔ دنیائے دانش کا اتنا بڑا سانحہ ہے کہ اس سے دوچار ہو جانے کے بعد شعوری سالمیت اور عقلی وحدت کا مستحکم ہونا ممکن ہی نہیں۔ صورت حال اگر یوں ہی رہی تو امیدِ انتخاب اَنت خواب بن کر رہ جائے گی۔ اور " تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر۔ آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب میں " کا عالم اگر مثلِ سراب رونما نہ بھی ہوا تو بھی یقین ہونے لگے گا کہ " ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں "۔ حرص اقتدار کی دیوی کے پاؤں رُکتے رہیں گے۔ اقتدار کا جسم ٹوٹتا رہے گا۔ کوچۂ رقیب کے تمام پردے گرا دیئے جائیں گے۔ جو بھی نکلا تیری بزم سے پشیمان نکلا کا عالم ہو گا اور اعلان ہو گا کہ انتخابات کا بائیکاٹ کرتے ہو، تو شاباش، ضرور کرو۔ قبل اس کے کہ تم انتخابات کی نفی کرو، تم منفی ہو چکے ہو گے۔ یا اگر تم انتخاب نہیں چاہتے تو ہم تم سے بگاڑ نہیں چاہتے۔ تم کو جو منظور نہیں، ہم کو بھی منظور نہیں۔ بپھرو نہیں۔ اس رات کی بات جاننا چاہتے ہو، تو پہلے اُس رات کی بات بتاؤ

Marfat.com

جب تمہارے خناسِ سیاست نے مُخنّث ہونے کا اقرار کیا تھا۔ اور تم کوہ مری کی مرغوب فضاؤں میں حفاظتی حراست کے باوجود اظہارِ تشکّر فرما رہے تھے کہ آپ نہ ہوتے تو ہم مارے جاتے، آپ نہ ہوں گے تو ہم مارے جائیں گے۔ اب بھی تقاضائے انعقادِ انتخاب بطرزِ عرضِ التوائے انتخاب اس امر کا شاہد ہے کہ سیاست کے پٹھے بہت کمزور ہو چکے ہیں اور معمولی پٹخنی سہارنے کے بھی اہل نہیں۔ مغربی جمہوریت کی گود میں پلے ہوئے سیاسی سوداگر محض ریلوے اسٹیشن کے خوانچہ فروش بنتے جا رہے ہیں۔ عاشقی میں عزت سادات جاتی تو کئی بار دیکھی تھی، سیاست میں مرگِ مفاجات کا حالیہ عمل موجودہ دور ہی کی دین ہے۔ سیاسی جگر گوشے مارے بھوک کے بلک رہے ہیں اور اقتدار ہے کہ صرف ہڈیاں ابال رہا ہے۔ ملّت بیضا جو کبھی غرباء کے دم سے زندہ تھی، زکوٰۃ اور اوقاف کے پالے ہوئے علماء سے سورۃ یٰسٓ سن رہی ہے۔ وہ انسان جس کے لئے کائنات مسخّر کی گئی تھی، خلافتِ ارضی جس کا پیدائشی منصب تھا، اپنے ہی پیدا کردہ حالات کے رو برو دست بستہ دو زانو ہو کر بلک رہا ہے کہ گذارشِ احوالِ واقعی مقصود ہے۔ بوجہ دستورِ زبان بندی قوتِ گفتار سلب ہو چکی۔ حافظہ مفروب اور ذہن مجروح ہے۔ سوائے آیت الکرسی کے اور کچھ یاد نہیں۔ بڑبڑاتے ہیں تو ہڑبڑا جاتے ہیں اور ہڑبڑا اُٹھتے ہیں، تو بڑبڑانے لگتے ہیں۔ تخت کے متلاشی، "تختہ بندم کردہ ای" چلّا رہے ہیں۔ قعرِ دریا سے بچے تھے، وسعت صحرا میں پھینک دیئے گئے اور اپنے ہی پسینے سے تر دامن کو سُکھاتے اور دکھاتے ذرہ ریگ میں تمازتِ آفتاب کے دعویٰ دار ہیں۔ آتشِ نمرود سے دامن بچایا تھا۔ عزقابِ فرعون میں

Marfat.com

ڈبک گئے۔ نظریۂ پاکستان نامنظور، بنگلہ دیش منظور جن کی سیاست کا ماحصل رہا وہ ہر گنگا کے گنگا رام اور ہر جمنا کے جمنا داس، اہل حرم کے سومنات بنے، جذباتِ اہلِ وطن کے منجمد لہو سے تیمم کئے دستارِ امامت ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ اقامت قضا ہو جاتی ہے، مقتدی سلام پھیر کر چلے جاتے ہیں اور یہ خالی صفوں کو خطبۂ سیاست سناتے رہ جاتے ہیں کہ اسلام کے نظامِ سیاست میں سیاسی پارٹیوں کا وجود لازم ہے۔ سیاسی پارٹی اگر بندوں کے اقتدار کے لئے وجود میں آتی ہے تو پھر ایسی پارٹی بازی لا الٰہ الا اللہ کی نفی ہے اور لا الٰہ الا اللہ سیاسی پارٹی بازی کی۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ عہدہ طلبی اور حصہ جوئی کے رسیا مغربی جمہوری نظام سیاست کو عین اسلام قرار دیا جا رہا ہے۔ انفرادی ملکیت و سرمایہ داری و زرکاری کا لازمی جزو قرار دیتے ہوئے کچھ لوگ رتی بھر بوجھ بھی اپنے ضمیر پر محسوس نہیں کرتے۔ یہ فلسفۂ سیاست اپنایا جا رہا ہے کہ ہزاروں منکر معروف قرار پا جائیں، لاکھوں معروف کی نہی ہو جائے، انسان اہل الرائے ہی رہتا ہے۔ نیک و بد میں تمیز کو رجعت پسندی قرار دے دیا جاتا ہے۔ گویا اللہ کا یہ اعلان کہ ہم نے انسان کو بہترین تقویم سے پیدا کیا مگر یہ جانوروں سے بدتر ہو کر رہ گیا، محض شاعرانہ مبالغہ ہے۔ کافر و مومن و منافق میں امتیاز اللہ نے نعوذ باللہ اپنے مخصوص مفادات کے پیش نظر قائم کر رکھا ہے، دانش و عملِ انسان کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ دینِ اسلام کچھ بندوں اور خدا کے درمیان پرائیویٹ معاملہ ہے، نظمِ سیاستِ انسان و ریاستِ ارضی پر اس کا انطباق ضروری نہیں۔ امیرِ ریاستِ اسلام کی نجی زندگی اس کے امیر المومنین ہونے کے حق پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ سیاست کی

Marfat.com

پیشہ وارانہ اجارہ داری، بندوں کی حاکمیت، اہلِ رائے کا شرابی ہونا اور عمّال وارکانِ شوریٰ کا عالمِ سکرات میں مگن رہنا اسلام کے اصول ہائے سیاست کی خلاف ورزی نہیں۔ مغربی جمہوریت کا سرمایہ دارانہ سیکولر نظام دینِ اسلام سے متصادم نہیں۔ گویا "رضیت لکم اسلاماً دیناً" سے مراد ہی لادینی ریاست تھی۔ اللہ کا تکمیل دین اور اتمام نعمت کا دعویٰ درست بھی ہے تو بھی انعامات دیتے وقت مغربی جمہوریت اور سوشلزم، بندوں کی حاکمیت اور عوام کے سرچشمۂ لحمینا کے کچھ ریزے اور قطرے گر گئے تھے جو بصد عجز و نیاز و احترام ہم نے چوم کر اپنے طباق میں رکھ لئے۔ الحکم اللہ، الملک اللہ، الارض اللہ کے اعلانات تو محض ہم بندوں پر رُعب ڈالنے کے لئے فرما دیئے گئے تھے ورنہ ہمارے سوا اللہ تعالیٰ کا گزارا ہی کیسے ہو سکتا ہے۔ ہماری حاکمیت قائم نہ ہو تو اللہ کی حاکمیت کیوں کر قائم کی جا سکتی ہے۔ یہ تمام اختیارات دراصل بندوں کو ہی دینا مقصود تھے۔ اظہار قصداً اس لئے نہ کیا کہ بندے مارے خوشی کے بھنگڑا ڈالنے نہ لگ جائیں۔ لیس الانسان الا ماسعی اور قل العفو محض پیار و محبت بھرے کنائے ہیں جیسے مائیں بچوں کو ڈراتی ہیں کہ ہوم ورک نہ کیا تو کھانا نہیں ملے گا اور بوڑھی ہو جائیں تو یہ تمنا کرتی ہیں کہ باروزگار بیٹا صرف جیب خرچ پس انداز رکھے اور باقی تمام تر تنخواہ ان کی ہتھیلی پر رکھ دے۔ ممّا رزقنٰھم ینفقون والی بات صرف ان اشیا کی فہرست کی طرف اشارہ ہے جو گھر والیاں مٹھی میں چھپائے ہر یکم تاریخ کو خاوندوں کی رجعت کا انتظار کر رہی ہوتی ہیں۔ اتقا، قیامِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، روزِ حشر اور حیاتِ اُخروی پر ایمان محض زیبِ داستان کی باتیں ہیں۔ انسان دنیا میں ازخود صرف پِک نِک منانے کے لئے آیا ہے۔

Marfat.com

مجسم بابریہ عیش کوش ہے جسے زندگی میں صرف یہی ایک کام سرانجام دینا ہے کہ ہمایوں کی بیماری میں نے لے لی، کہ ہمایوں ایسے انسانِ اکبر کی پیدائش کا باعث ہو جو جلّ جلالہ ہونے کا اعلان کرے۔ جودھا بائی کو حرم سرا میں بسالے، دینِ الٰہی ایجاد کرے، ابوالفضل و فیضی کی پرورش کرکے آئینِ اکبری کا نفاذ کرے اور دنیا کو انارکلی و نورجہاں کا رسیا جہانگیر عطا کرکے سیکولرازم زندہ باد کہتا افرنگ کو تجارتی مراعات دے کہ چلتا بنے اور اما بعد سیاسی حصولِ اقتدار کے لئے بھائیوں کے قتل اور باپ تک کی آنکھیں نکلوانے کا رواج اتنا عام ہو کہ لوگ مجدّد الف ثانی کی بجائے میکا دلی اور میکالے کو دانشور تسلیم کرلیں۔ پردۂ تہذیب میں غارت گری، آدم کشی رسم زمانہ بن جائے۔ نیشنلزم اور نیچرلزم کے اختلاط سے کاذب پیغمبر تک پیدا ہونے کا سامان ہو چکا ہو۔ پسِ پردہ نوائے قیصری پہ رقصاں اصلاً دیو استبداد سیاست دانوں کا روپ بھرے پیشِ پردہ اپنے کرتب دکھلانے لگیں تو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تلوار نہ بھی اُٹھے تو بھی عسکری جہاد کے لئے قانون کو حرکت میں آنا ہی پڑتا ہے۔ ہر چند کہ مارشل لاء کے مقاصد بھی مارشل ہی ہوتے ہیں، ہنگامی قوانین و انصاف کی بے دریغ شیلنگ اس کا خاصہ ہوتا ہے۔ مگر تہذیب مغرب کے ناسور کے علاج کے لئے جو نشتر درکار ہیں وہ اُن بازاروں میں نہیں ملتے جن میں فقط ابن الوقتوں نے اپنے شوکیسوں میں باتیں سنانے والی مینا اور قسمت کا حال بتانے والے طوطے سجا کر پسِ پردہ سیاست کاری کے دفتر کھول رکھے ہوں۔ یہ کارگہِ فطرت میں نمایاں طور پر سچے ہوتے ہیں مگر صرف دل کی آنکھوں کو نظر آتے ہیں۔ دل کی آنکھوں کا عمل یوں مختلف ہوتا ہے کہ تیز روشنی

Marfat.com

میں کھلتی اور اندھیروں میں چندھیا جاتی ہیں۔ اسلام کے ضابطۂ حیات اور پیغمبرؐ اسلام کے پیغام کے منفرد ہونے کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوگا کہ ہاتھ منہ دھونے سے لے کر طرز حکومت، سیاست، تعلیم و تربیت، معاشرت، معیشت تک کے ضوابط و اصول اس حد تک منفرد اور انسان ساختہ و پرداختہ طریقوں سے یوں مختلف ہیں کہ ہر حرکت و عمل میں مسلمان کی پہچان ہے۔ مگر ابن الوقتوں کی مصلحتوں اور حق و باطل کی آمیزش نے اس انفرادیت کو تباہ و برباد کر دیا۔ مسلمان اپنی پہچان ہی نہیں گنوا بیٹھا، اسلام کو نقش آلود کر چکا ہے۔ محمدؐ رسول اللہؐ کے مکتبہ فکر کے تربیت کئے ہوئے فرد و معاشرہ اور روسو ہیگل، مارکس، ارسطو، افلاطون اور سقراط کے پرورش کئے ہوئے معاشرہ میں اتنا ہی فرق ہے جتنا اللہ کے تخلیق کردہ انسانی بچہ اور جاپان کی بولتی ہوئی گڑیا میں ہے۔ ان مفکرین نے انسان کو مشین بنا دیا ہے اور مشین کی کوئی اخلاقی قدر نہیں ہوتی، کوئی معاشرتی فکر نہیں ہوتی۔ احساس سے عاری انسانی اذہان کا ابطال اگر انسانی قلوب کو مسخر کرے تو وہی کچھ ہوا کرتا ہے جو دنیا میں آجکل ہو رہا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے سیاست دان حق و باطل، اصلیت و مصنوعیت حقائق و مظہرات میں امتیاز کئے بغیر حرص اقتدار میں اپنی فکر کو اقتداری رقابت کے پیچ و خم میں اُلجھا بیٹھے ہیں اور اشرف المخلوقات محض اپنے گرد جالا بُنتی ہوئی مکڑی بن کر رہ گیا ہے جو کتاب اختلاف کو مٹانے، سچائی کے اقتدار اور باطل کے زھوق کے لئے نازل ہوئی۔ اُسی کے واسطے سے دانش خداوندی پر عقل انسان کو ترجیح دے کر ہر مسلمان چلتا پھرتا تنازعہ بن گیا ہے۔ جہاں عقل فانی دانشِ لافانی پر حاوی کی جا رہی ہو، کامل کو ناقص کی گرفت میں دیا جا رہا ہو، اصولوں کو جزئیات کے ناروا بوجھ تلے داب دیا گیا ہو، وہاں آئینی و دستوری

Marfat.com

معاملات کی لطافتوں اور دانش کل کے مظہرات کو اجاگر کرنا نگاہِ مرد مومن اور فکروفراست و عمل و عزمِ مسلمان کا متقاضی ہے۔ ضابطہ اسلام اور احکامِ الٰہی کو من وعن دبے چون وچرا نافذ نہ کرنا اور ان میں دیگر مکتبہ ہائے فکروعمل کی آمیزش کرنا ایسا ہی ہے جیسے دن کی روشنی میں بچے آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر" اندھی اندھے" کے کھیل میں مصروف ہوں۔ آئین اسلام کے عدم نفاذ کی وجہ سے دانش خداوندی سے فیضیاب کرنے کی بجائے لوگوں نے اپنی دانش فروخت کرنے کی دکانیں کھول رکھی ہیں۔ اجتہاد کی مخلصانہ کاوش بھی الحادی فکر کے نرغے میں آجانے کے خطرے سے ہمہ وقت دوچار رہتی ہے۔

شرعِ پیغمبرؐ کی شرح اس انداز سے کی جاتی ہے جیسے چاندنی رات میں چمگادڑیں تلاشِ رزق میں سرگرداں ہوں۔ اصل مسئلہ عقل کا زنگ اتارنے کا نہیں، نورِ عشق سے دلوں کے اندھیرے دور کرنے کا ہے جو آئین وقوانین اسلام کے من وعن نفاذ کے بغیر ہرگز ممکن نہیں۔ ہے کوئی مردِ خدا جو اپنے خدا کی قدرت پر بھروسہ کرکے یہ جرأت مندانہ اقدام بھی کرسکے۔ محبوس قلعۂ اسلام کے ہرگوشہ سے یہ آواز آرہی ہے کہ ہے کیا نہیں کوئی غزنوی کارگہِ حیات میں۔ بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات۔ کوئی ہے جو اثبات میں جواب دے سکے۔

Marfat.com

فیصلہ تیرا‘ تیرے ہاتھوں میں ہے

تمام ایسے افراد کی طرف سے جنہیں پاکستان عزیز ہے۔ تمام ایسے افرادسے جو ”عزیز پاکستان“ ہیں یا بننے کی فکر میں ہیں، گزارش ہے کہ اپنی زلیخائے سیاست کی خُو بدلیں۔ اسے سمجھائیں کہ دامن یوسف پھاڑنے سے باز رہے۔ تمام دروازے بند کر کے مہتمم تنہائیوں میں یوسفانِ وطن کی عفتِ دانش کو نہ بہکائے۔ ایسے مکر نہ دکھائے کہ فطرت کو ” اُن کا مکر عظیم مکر ہے“ کا اعلان کرنا پڑے۔ اس تحیّر کو نہ پھیلائے جس کے زیرِ اثر دیدارِ یوسف پر انگلیاں کٹ جائیں۔ حیرت ہے کہ عزیزانِ سیاست و حکومت روزانہ عملی مظاہرہ دیکھتے ہیں کہ دُبلی گائیں فربہ گاؤں پر جھپٹ رہی ہیں مگر تعبیر نہ جانتے ہیں، نہ جاننے کے خواہاں ہیں۔ جو بات حضرت سلیمان کے زمانہ میں چیونٹیوں کو معلوم ہو گئی تھی، آج کے انسان اس سے کیوں بے خبر ہیں۔ قارون کے اونٹ مسلمان ممالک میں بے نکیل پھر رہے ہیں۔ فرعون نے نیل

Marfat.com

پر پُل باندھ لئے ہیں۔ جدھر دیکھو خلقِ خدا ہلاک جادوئے سامری اور قتیل شیوۂ آزری ہے۔ مگر مسلمان فروعی مسائل میں اُلجھے، تمام خطرات سے بے خبر باہم دست و گریباں ہیں۔ افغانستان کی پاکستانی فضائی حدود میں مداخلت صرف قابلِ نفریں ہی نہیں، حمیّت سے کچھ تقاضے بھی کرتی ہے۔ جو شاید سُپر مصلحتوں کو ناپسند ہوں۔ یا تو ہمارے جسم و جان سے ہماری بداعمالیوں نے وہ روغن بھی چاٹ لیا ہے جو انسانی ضمیروں کو روشن رکھتا ہے یا یہ ہماری کسی کم فہم سیاست یا انتہائی مجبوری میں کئے گئے کسی عمل کا ردّعمل ہے۔ یہ کارروائی ظاہر ہے افغانستان کی نہیں، روس کی ہے۔ یہ امریکہ نوازی کی سزا ہو یا فقط انتباہ ہو، فکرِ سنگین کے سنگین نتائج کی پرچھائیں ہو یا کسی بدخواہ کی آسیب زدہ فکر کی آئینوی جھلک ہو۔ بین الاقوامی بطنِ سیاست میں نت اٹھتے ہوئے دردِ زہ نے پہلو بدلا ہو، مدتوں سے خوابیدہ ہماری عروسِ آزادی کے کسی دیرینہ رقیب نے اپنی قربتِ وجود جتانے کے لئے کوئی کنکر پھینکا ہو۔ یہ شرِّ خلق ہو یا فسادِ علق ہو۔ ہر محبِ وطن کے لئے ہی نہیں، ہر بے فکرے کے لئے بھی لمحۂ فکریہ ہے۔ فضائی حدود کی یہ خلاف ورزی آناً فاناً یا سہواً نہیں ہے۔ یہ عمداً ہے، صریحاً ہے اور اس لئے ہوئی ہے اور کئی دفعہ ہو چکی ہے کہ روس ہماری فکری سرحدوں میں کبھی کا داخل ہو چکا ہے۔ اور اس کی آسائش و رہائش و ستائش کے لئے ہم دن رات بڑے مہذب، طرح دار و بامروّت میزبان بنے ہر وہ سامان مہیا کر رہے ہیں جو روس کے فکری استقلال کے لئے ضروری ہے۔ طبقاتی نفرتیں۔ محاذ آرائیاں لسانی رقابتیں، قلبی طور پر بے سکون ذہنی طور پر غیر مطمئن و غیر محفوظ، بے شرر لوگ۔ غربت و امارت میں کسی بھی اعتدال سے بے نیاز بڑھتے ہوئے فاصلے۔

Marfat.com

وفاق پاکستان کی نسلی ولسانی بنیادی پر غیر معتدل تقسیم۔ کھُسر پھُسر کرتی ہوئی سیاست اور لشا نے باندھتی ہوئی حکومت۔ مذہبی تفرقات کی بے راہ روی۔ دین کے اصولوں سے ناشناسائی اور عمداً گریز۔ منافقانہ تاویلات مسجدوں میں موسوی عصائیں۔ عیسوی تسبیحیں اور مندروں کے بولتے ہوئے آویزاں بُت اور ان کی سرکاری پرورش۔ عقائد کی آفاقیت و انفرادیت سے مایوسی وقنوطیت۔ انسانی فطری اہلیتوں کی تذلیل۔ نااہلوں پران گنت نوازشات۔ معیار تحریم وتکریم اور اخلاقی اقدار میں معیاری تصادم۔ اہل کاروں کا منہ دکھائی کے لئے بھی رشوت طلب کرنا۔ انتظامیہ کے ڈسیلنڈ اداروں کا بے لگام ہوجانا۔ ہر پولیس ملازم کے ذہن میں زار روس کا مندآرا ہونا۔ دفاتری ذہنوں میں میکاولی مطالعہ گاہوں کا قائم ہوجانا۔ ہر فرد کے پیٹ میں مارکس کی انتڑیوں کا گڑگڑانے لگنا۔ اور زمام کار سیاست سنبھالے ہوئے افراد کا اس حقیقت سے بے خبر ہوجانا کہ لاالٰہ الا اللّٰہ کے متوالے اگر اللّٰہ سے مایوس ہوجائیں یا کوئی الٰہ انہیں قنوطیت کا شکار بنا دے تو انہیں کمیونسٹ ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ چاہے انتخابات اس خدشہ کی بنا پر کہ سیکولر روس نواز برسراقتدار نہ آجائیں، کتنے بھی عرصہ کے لئے ملتوی نہ رکھے جائیں۔ اگر دل یہ تسلیم کرتا رہے کہ کوئی الٰہ نہیں ہے ماسوا اس ایک الٰہ کے جسے اللّٰہ کہتے ہیں تو انسان مومن ہے اور اگر بات یہیں پر رُک جائے کہ کوئی بھی الٰہ نہیں ہے تو انسان کمیونسٹ ہوجاتا ہے۔ انسان پر اپنی فکری الٰہیت مسلّط کرنے کے لئے جب منافقانہ طور پر یہ یقین دلایا جائے کہ ہر انسان بذات خود الٰہ ہے تو کمیونزم استوار ہوجاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے مسلمان اور کمیونسٹ کی فکری راہیں جدا جدا ہوجاتی

Marfat.com

ہیں۔ کسی کا بھی یہ فکر برپا کرنا کہ اللہ کے سوا میں بھی تمہارا راہ نما ہوں،
مسلمانوں کو کمیونسٹ بنانے کی مذموم سازش ہے۔ وہ عمداً ہو رہی ہو یا
سہواً ۔۔۔۔ اللہ کی ذات سے، اس کے احکام و اصول وضوابط حیات و
معروف ونہی میں سے کسی ایک کی افادیت سے مایوس و منکر ہو جانا
کسی بھی مسلمان کو کمیونسٹ بنا دینے کے لئے کافی ہے، فکری طور پر بھی
اور عملی طور پر بھی۔ انسان اگر صرف اللہ ہی کے رازق ہونے سے مایوس
ہو جائے اور حکومت اگر وسائل ملک کی تقسیم کا اللہ کے احکامات کے
مطابق انتظام نہ کرے تو کمیونزم کے لئے راہیں ہموار ہو جاتی ہیں۔ انسان
اپنی ذات سے "کمیون" کر رہا ہو تو کمیونسٹ ہے۔ اور اپنے خالق سے
"کمیون" کر رہا ہو تو کمیونسٹ ہے۔ خلقت کا خالق سے مایوس ہو جانا،
اس کا سوشلسٹ اور منکر ہو جانا اس کو کمیونسٹ بنا دیتا ہے۔ کمیونسٹوں
کی کئی اقسام ہیں۔ بت پرست، ذات پات نواز، برہمن زدہ، سرمایہ دار یا پائیت
کی مخالفت سے پیدا شدہ شاہ نواز جمہوریت پرست، زمینی وسائل پر قابض
قوی افراد کا گروہ، عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دے کر اپنی حکومت قائم
کئے ہوئے عیّار و پرکار سرمایہ دار، یہ سب مختلف اقسام کے کمیونسٹ
ہیں۔ وہ معاشرہ جہاں انسان دوسرے انسانوں کے وسائل کی زیادتی کی
وجہ سے ان کا تابع ہو کر رہ جائے، کسی نہ کسی طرح کا کمیونسٹ معاشرہ ہے۔
کمیونزم کسی اقتصادی نظام کا نہیں، خالق و مخلوق کے رابطہ و رشتہ کے
ٹوٹ جانے کا دوسرا نام ہے۔ افکارِ عقل کا منبع اگر انسانی ذہن بن جائے،
جو بنیادی طور پر پیٹ کا تابع فرمان ہے اور اس کے اشاروں پر ہاتھ پاؤں
ہلاتا اور حواس خمسہ کو بیدار رکھتا ہے تو انسان کا ذہنی طور پر کمیونسٹ

Marfat.com

ہو جانا لازم ہے۔ بظاہر چاہے وہ کسی بھی پیغمبر کا اُمتی ہو۔ ادیان اور کمیونزم کی جنگ قلب و ذہن کی برتری کی جنگ ہے۔ انسانی عقل اگر تابعِ قلب ہے اور ذہنی قوای کو تسخیر کئے ہوئے ہے تو انسان مومن ہے۔ ہر انسان کے اندر ایک اور مکمل و برتر انسان ہے جسے عبد کہتے ہیں۔ وہ خوابیدہ رہے تو انسان کمیونسٹ ہے اور بیدار ہے تو مومن۔ وہ راز جو ختم اللہ علیٰ قلوبھم میں پنہاں ہے۔ وہ مہر جو دلوں پر لگ جاتی ہے۔ کون اُسے توڑتا ہے، کس طرح کھلتی ہے۔ انسان جان جائے تو دارا و جم اس کے گدا اور نہ جانے تو محتاجِ ملوک تو کیا حاجاتِ ذات کا بھی محتاجِ قطعی بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسے انسان کو "مارکسی انسان" کہتے ہیں۔ خالق سے بیگانگی اور حاجاتِ انسانی سے یکتائی انسانی خود نمائی کا منبع ہے۔ یہی وہ بیل ہے جو منڈھے چڑھے تو سوشلزم کے پھول لگاتی اور کمیونزم کے پھل دیتی ہے۔ اگر یہ سب صحیح ہے تو ہمارا آج کا معاشرہ روس نواز ہے۔ روس ہماری فکری سرحدوں کی خلاف ورزی ہی نہیں کر چکا، ان پر قابض بھی ہو چکا ہے۔ اس کی ذمہ دار کون سی سیاست ہے۔ اس کا فیصلہ لوگ خود کریں یا وہ بین الاقوامی دانش کرے، جس نے اپنے لئے تیل کی حفاظت کرتے کرتے ہماری چربی کا آخری ذرہ تک جلا کر رکھ دیا ہے۔ اور ہم بے فکر و بے حس ڈھانچے بن کر رہ گئے ہیں۔ دنیا میں دو ہی نظامِ حیات ہیں۔ خدا کے پیغمبرؐ آخرالزمان کا لایا ہوا اسلامی نظامِ خلافت، یا انسان ساختہ نظامِ حکومت۔ اللہ کی حاکمیت کا نظام یا بندوں کی حاکمیت کا نظام۔ انسانی حاکمیت کی کوئی بھی شکل ہو اس کی اصل کمیونزم ہی ہے۔ امریکہ مغربی یورپ یا اس کے حواری ممالک کا کمیونزم کو روکنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی خود اپنے آپ

Marfat.com

کو روک رہا ہو ایک ہاتھ سے دوسرے کو پکڑے، اور ایک ٹانگ سے دوسری ٹانگ کو ٹھکرا رہا ہو۔ یہ دائیں بازو اور بائیں بازو والے مختلف اجسام کے نہیں ایک ہی جسم کے دو بازو ہیں۔ ان کی آپس میں رسہ کشی زور آزمائی، ایک ہی اصل کے باہمی تنازعے ہیں جیسے سونگھنے کے لئے دو نتھنے، سننے کے لئے دو کان، دیکھنے کے لئے دو آنکھیں، کام کے لئے دو ہاتھ، چلنے کے لئے دو پاؤں ہیں۔ مگر پس پردہ نظام ایک ہی ہے۔ یہ اعضاء دائیں بائیں کہلاتے ہیں مگر ذہن ایک ہی ہے۔ اسی طرح انسانوں کے قائم کئے ہوئے نظام ہائے حکومت کی اصل ایک ہی ہے۔ کمیونزم کیپٹلزم کی دوسری شکل ہے، اسی کا متبادل فارمولا ہے۔ ایک انسان کی حاکمیت، انسانوں کی حاکمیت، انفرادی ملکیت، اشتراکی و اجتماعی ملکیت کے نظام ایک ہی بنیادی فکر کے مختلف مظہر ہیں۔ حکمرانوں اور ان کے مفکّروں کی ساحری انسانوں پر اصل راز نہیں کھلنے دیتی اور جس ہستیؐ نے اس راز سے پردہ اٹھایا، اُسے محمدؐ رسول اللہ کہتے ہیں۔ الحکم اللہؐ، الملک اللہؐ، الارض اللہؐ، اُسی کا رازق ہونا، عزت و ذلت دینے والا ہونا، خالق و ناظم کائنات و مالک یوم الدین ہونا، انسان کا صرف خلیفہ ہونا، طاقت کا سرچشمہ نہ ہونا، انسانی معاشرہ کا صرف عبد و "نستعین" ہونا، پیغمبر کا بھی خالق کی حاکمیت و عبدیت میں رہنا، سربراہ نظام حکومت کا بھی راضی بہ رضا رہنا، انسانوں کے خلق کردہ ضابطہ حیات سے قطعی مختلف ضابطہ حیات ہے۔ اس کے قیام کے لئے سیاست پاکستان نے آج تک کیا کیا۔ صرف یہی کہ کرسی نشینوں کے لباس بدلتے رہے۔ نہ بندوں کے حقوق دیئے، نہ اللہ کے حقوق پورے کئے۔ مختلف انسانی مکتبہ ہائے

Marfat.com

فکر کی راکھ سروں میں ڈالے تخلیق سے عاری افکار اپنی آئینی دساتیر میں سموئے رہے۔ اللہ کو طاقت کا سرچشمہ تسلیم کرنا تو کجا، بندوں کی طاقت کے سرچشمے بھی ہم نے موند دیئے۔ حتٰی کہ سرزمین مملکت خدا داد فکری طور پر بانجھ کر کے رکھ دی۔ جو معاشرہ یہ سب کچھ کر ڈالے اس کی سرحدیں دایاں محفوظ کرے گا تو بایاں غیر محفوظ کر دے گا۔ بایاں ضمانتِ حفاظت دے گا تو دایاں باعثِ شر ہو گا۔ پوری اسلامی دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے اور جب تک انسان اس ذہنی فکری مکروریا سے آگاہی حاصل نہیں کریں گے جس کی نشان دہی پیغمبر آخر الزماںؐ نے کی تھی، زمینی، فضائی، فکری، اعتقادی سرحدوں کی خلاف ورزی ہوتی رہے گی۔ مسلمان انسانی حاکمیت اور سرمایہ داروں کی اس جنگ زرگری میں غیر آزاد آزادی کے سوا کچھ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ تاسف یہ ہے کہ فطرت نے موجودہ انسانی مادی طاقت کے بنیادی وسائل مسلمان ملکوں کو اس بہتات سے عطا کر رکھے ہیں کہ تمام دنیا پر ان کی اجارہ داری قائم ہو سکتی ہے۔ مگر فکرِ محمدؐ سے بے وفائی نے غیروں کی مرہونیت کو ہمارا مقدر بنا کر رکھ دیا ہے۔ ہم سیاسی انتظامی طور پر اس قدر ناتواں سمجھے جارہے ہیں کہ لوگ سرحد پار بیٹھے ہمارے غیر سیاسی بلدیاتی انتخابات کو بھی متشکل بنا دینے میں مصروف ہیں۔ گویا چیلنج دیا جا رہا ہے کہ قلب و ذہن کی تطہیر تو کجا، ہم تمہاری گلیوں کی نالیوں کو بھی صاف نہیں ہونے دیں گے۔ تمہیں اس غیر سیاسی بلدیاتی انتخاب میں بھی ووٹ لینا ہے تو گھر کے دروازے پر جا کر آہستہ سے کہو، ووٹ کا طالب ہوں اور پیاسا ہوں، ٹھنڈے پانی کا گلاس مل سکے گا۔ کہاں ہم اور کہاں وہ غلامان محمد مصطفٰےؐ، جو خلیفہ ہو کر بھی کھجور کے سائے تلے آرام کیا کرتے تھے مگر یورپ کے کلیساؤں اور افریقہ کے صحراؤں

Marfat.com

ہیں بہ بانگِ دہل کہتے تھے، اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، ہم بھی نہیں، اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ مانو! یا آؤ! تیغ بھی آزمائیں اور سینے بھی۔

Marfat.com

سلسلۂ روز و شب نقش گرِ حادثات

ہمارے معاشرے اور ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ہمارے فکر و عمل کا فطری حاصل ہے اس لئے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سازش کرنے والے کے خلاف سازش نہ ہو۔ جبر و استبداد روا رکھنے والے ورغلائے نہ جائیں۔ پست ذہنی ہر قدرِ مثبت کو زیرِ زمین تشدد اور خناس کے سپرد نہ کر دے، ناروا پابندیاں غیر فہم زبان نہ بولنے لگیں۔ مکر و فریب کے دست و پا تعمیری صلاحیتوں کو شل نہ کر دیں، مارِ آستین پالے ہوں اور وہ خود پالنے والے کو نہ ڈسیں۔ دانشِ دلیل کو گستاخی قرار دینے والے بالآخر سر پیٹ کر نہ رہ جائیں۔ بزورِ نخوت اور بہ نوک شمشیر لوگوں کے اذہان میں ٹھونسا ہوا احساسِ کمتری تیشۂ فرہاد نہ سنبھال لے۔ احتیاطِ فرعون کے باوجود موسیٰ پرورش نہ پا جائے۔ ایوانِ شاہی سے اعلانِ آمدِ جلّ جلالہٗ بلند ہو اور کوئی مجدد الف ثانی اللہ اکبر نہ پکارے۔ قیامِ مملکتِ خداداد کے مخالف سیاستِ مملکت کے ناخدا بن بیٹھیں اور سالمیت ملک سلامت رہے۔ سکّوں کے فرش پر مصلّے دراز کر کے امامتِ صلوٰۃ ہونے لگے اور قلوب پر مہریں نہ لگیں۔ معتقدوں کو فی سبیل اللہ فساد پر لگا دیا جائے اور خانہ ہائے خدا متنازعہ نہ ہوں۔ خطیبانِ ملّت اپنے سینوں کے اندر سرکاری ٹیپ نصب کروالیں اور سرکارِ ظلِ الٰہی

Marfat.com

ہونے کی دعویدار نہ ہو۔ انسان سایۂ خدائے ذوالجلال ہونے کا دعویٰ کرنے لگے اور اپنے ہی سائے سے خائف نہ ہو۔ انسان انسانوں سے اقتدار کے طالب ہوں اور حادثاتِ سیاست نہ ہوں۔ طاقت کا سرچشمہ عوام بن جائیں اور فریبِ سیاست کے چشمے پھوٹ نہ نکلیں۔ سودی نظامِ معیشت رائج ہو اور جسدِ اقتدار، اشک ہائے افلاس سے وضو نہ کرنے لگے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ حصولِ اقتدار پر بغلیں بجانے والے بغل بچوں کی پُرکار خوشامدوں سے محفوظ رہیں۔ غلط کاریوں کے لئے دلیل سازوں کے متلاشی افراد کے نورتنوں کی ڈائریوں سے اقتدارِ شبِ وصال کے مکروہ احوال برآمد نہ ہوں۔ مسلسل منفی سیاست، منافقت، بے وفائی اور خوفِ خدا سے عاری شرپسندی کا بالآخر ڈوب مرنے کو جی نہ چاہنے لگے۔ ہو ہی نہیں سکتا کہ غدارانِ وطن اپنی تنہائیوں سے اپنی موت کی بھیک نہ مانگیں۔ اگر دلوں سے میں عشقِ خدا و رسولؐ کے منافقانہ دعوے ہوں، اسلام کو فرضی نیچرلزم کے ڈھانچے میں یوں ڈھالا جائے جیسے اس کا مفکّر خود ہی خدا ہو، "منکم"، کو غیر ضروری قرار دے کر ہر اولی الامر کی اطاعت فرض قرار دے دی جائے، اللہ اور رسولؐ کے متعین کردہ اصولوں سے انحراف کر کے تناعات و اختلاف رائے کے حل تجویز کئے جائیں، اعتقاد مسخ کر کے عقلی مفاہمت تلاش کی جائے، انسان کو آفاق میں گم ہو جانے پر مجبور کر دیا جائے، حاکم کی تصویر کے روبرو بھی دانشوری لَس لَس کرنے لگے، پیشانیٔ شاہ پر بل آتے ہی انبوہِ مشاورت لرز اُٹھے، قوم اپنے مفکر کی نفی کرنے لگے، وفاق کے وجود کو وحدتِ فکر کی بجائے حرص و آزِ اقتدار کے حوالے کر دیا جائے، نظریہ بین الاقوامی الحاد کے دربار میں لبطور نذر پیش کیا جانے لگے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سیراب کنویئں سرابوں کی خاصیت نہ اپنا لیں، دریا

Marfat.com

فرعون کو راستہ دینے اور موسیٰ کو ڈبونے کے عادی نہ ہو جائیں۔ گنبد خاموش اور صحرا ہوک نہ اٹھیں۔ انسانی فطری جبلتیں دم نہ مار جائیں اور رانگیختوں کے درندے اپنی غاروں میں دہاڑنے نہ لگ جائیں ---- ہم وطنو! انسان لا الٰہ سے الٰہ برآمد کرنے لگ جائیں تو کوئی صلاحیت بھی طیب بھی نہیں رہا کرتی۔ اور تشدد کو مغلوب کر دینے کے داعیان کے چھاتے تلے بھی متشدد حرکات لہک جایا کرتی ہیں کہ کوئی سُپر تدبیر غالب ہو تو لاؤ۔ لہٰذا سندھ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس امر کی دلیل ہے کہ کارِ انسانی کے نتائج بہرحال حصول فطرت کے مطابق ہی برآمد ہوتے ہیں کہ فطرت جھوٹوں سے بھی جھوٹ نہیں بولا کرتی۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے تشویشناک ہے، افسوس ناک! سیاسی اور آئینی سطح پر نظریہ پاکستان کی مسلسل نفی کی دین ضرور ہے۔ یہ قومی املاک سندھی نہیں ہندو بنیا جلا رہا ہے۔ تسبیح بدست ہے یا زنار پوش، ہے ہندو بنیا ہی۔ ہندو کے ذہنی مفروضوں کے ان چولہوں کی آگ سلگ اٹھی ہے جنہیں راجستھانی پنکھوں سے ہوا دی جاتی رہی ہے۔ قائدِ اعظمؒ کے واضح اعلانات کے باوجود ہندو مشرقی پاکستانی ہو یا سندھی اس کا بھگوان بہرطور بھارتی ہی رہتا ہے۔ یہ ڈھول پیروں کی اُڑائی ہوئی ہے جو ہم اپنی آنکھوں میں جھونک رہے ہیں ---- مہارانی جائزہ لے رہی ہے کہ اندرسبھا جمے گی تو کون کون ناچے گا۔ پنڈتوں کی پرکار سیاست مؤذنوں کو اشارے کر رہی ہے کہ مندروں کی گھنٹیاں بجاؤ، ان زندہ بتوں سے کیا ملے گا جن کے ایماء پر صفوں کے درمیان بھیک کا جمعہ بازار لگتا ہے۔ عید کے روز بھی عزتِ نفس کو الوداع کہہ کر انسانی توقیر کو یتیم پرور کفنوں میں لپیٹ دیا جاتا ہے۔ ہماری محرابوں میں سجی سونے کی بارہتیوں اور چاندی کی مہادیویوں کے سامنے جھک جاؤ، مالا مال ہو جاؤ گے۔ فضلِ ربی کی ہی تلاش ہے تو لکشمی نواسوں میں آبسو۔ اُن نواسوں کا ذکر نہ

کرو۔ جنہیں لبِ فرات بھی پیاسا رکھا گیا۔ ان ہنومانوں کی داستان سنو جو لنکا جلا آئے اور باوجود اغوا وحراست کے سیتا کو سازترین مشہور کر کے رام کے دوبارہ تخت پر براجمان ہونے کا سامان کر گئے۔ سندھ بھارتی فکری سازش کی گرفت میں لایا جا رہا ہے۔ جس کی طرف کسی کا دھیان نہیں۔ ہمارے وہ بھائی جو اس مغالطے میں ہیں کہ بحالیٔ حقوق کے لئے میدان میں آرہے ہیں، پکڑے جا رہے ہیں اور جو ملک کو غلام بنا دینے کی مکروہ سازش میں مصروف ہیں، نہفتہ ہیں۔ کیوں؟ دیدۂ شاہین کمزور ہے یا عقابوں کے نشیمن نابینا زاغوں کے تصرّف میں آگئے ہیں۔ سیاسی تحریکوں میں تشدد آمیز کارروائیوں پر اُتر آنے والے دشمنوں کے تربیت یافتہ لوگ ہوتے ہیں، وہ جیلوں میں ہوں یا یونیورسٹیوں میں۔ بجا کہ تشدد و شر انگیزی سرکار کی ضرورت بھی ہوتی تھی مگر وہ سرکار بھی غیر ملکی تھی، جعفر و صادق کی متلاشی تھی۔ آج بھی صرف غیر ملکی سیاست تشدد آزما ہے جسے شاید جعفر و صادق میسّر ہیں۔ سیاست پاکستان نے اتنی تحریکیں نبھائیں مگر یہ معمولی راز بھی نہ جان پائی کہ "آتش زنی بنام آتشیں اسلحہ" کے مقدمے آزاد ممالک میں محبِّ وطن نہیں لڑا کرتے۔ کسی صورت حال سے اظہارِ بیزاری کا سیاسی اظہار ہوا کرتا ہے اور اس کا ہونا فطری بھی ہے۔ انتخابات میں تاخیر ناگزیر تھی، ہوگی! مگر انسانوں کے بنیادی حقوق اور عدالتی اختیارات کی بحالی میں کون سی علالتِ طبع مانع تھی۔ وہ کیا مرض تھا جس کا یہ پرہیز بتایا گیا کہ ضروریاتِ زندگی گراں نہ ہوئیں تو بیوکریسی کو چیچک نکل آئے گی۔ ایندھن اگر اس قدر گراں نہ ہوا کہ صرّافوں کا دکانوں میں سجانے کو جی چاہنے لگے تو لوگ لکڑیوں کے میزائل بنالیں گے۔ رشوت لئے بغیر اگر کسی سرکاری ملازم نے اپنی گھڑی سے وقت بھی بتا دیا تو حکومتی زائچہ تنزّل کی خبر دینے لگے گا۔

Marfat.com

اگر یہ صورت حال پیدا نہ کر دی جاتی کہ رعایا کے صرف فرائض اور سرکار کے صرف حقوق رہ جائیں تو شاید کسی کو ان سازشوں کے لئے مواد نہ ملتا جن کی وجہ سے پورا ملک پریشان ہے۔ تاہم سیاسی احتجاج سے ماورا جو کچھ ہو رہا ہے، وہ کسی اور کے کارناموں کا آغاز ہے۔ ایک ہی صوبہ رہ گیا تھا جس میں کسی کے وہ ہم مذہب آباد ہیں جن کے تسلّط سے شہریوں کو معاشی اور ثقافتی طور پر اس لئے آزاد نہ کروایا جا سکا کہ سیاسی دوراندیشی کا قحط رہا۔ وہاں داؤ آسانی سے چل سکتا تھا۔۔۔۔ چلا لیا گیا۔ اور اب کھوکھرا پار کا زنّار پوش شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ پر بغلیں بجا رہا ہے کہ کہ بگل بجانا بین الاقوامی طور پر ناپسندیدہ ہے۔ اندیشہ ہے کہ یہ سازش اس غرض سے ہے کہ باور کروا دیا جائے کہ موجودہ حکومت اپنے موجودہ بلدیاتی انتخابات کروانے کی اہل نہیں۔ اگر یہ سازش کامیاب ہو گئی تو محرکانِ سازش کو یقین ہے کہ سیاسی نفرت ضیاعِ رعب و دبدبہ پر ختم ہو گی اور پھر یہ تشدد آمیزی جس کی زمام کار بین الاقوامی ماہر تربیت یافتہ پس پردہ ہاتھوں میں ہے اردسی اہل کاروں کو منتقل کر دی جائے گی۔ جلوس سندھ میں ہو گا اور غوغا سرحد میں۔ سیاست دان جو طویل پابندیوں کی وجہ سے اسلوب بیان سے عاری ہو چکے ہیں، ان کے غیر تربیت یافتہ بے تربیت کارندے ازراہِ خوشامد فرمائش لائیں گے کہ تان سین جی دیپک چھیڑیئے سیاست ٹھٹھر رہی ہے۔ یہ کہہ کر جو کی ڈلوائی جائے گی۔ "بیچو بادرے! درباری چھوڑا کوئی نصف شب کا راگ چھیڑ کہ اندھیرا اور بڑھے" ہم وطنو! خبردار کہ ہر ہندو گویا جو مدھر بین بجا رہا ہے، ماہر سپیرا ہے۔ اس کی پٹاری میں بڑی تیز زبانیں لہرانے والے سانپ ہیں۔ پنجابی کاشتکاروں کو ڈسنے والے، بیراجوں کی مراعاتی زمینوں پر رینگنے والے باجوجی صنعت کاروں کے گوداموں میں چھپے ہوئے۔۔۔۔ غیر سندھی منصفوں اور

Marfat.com

حاکموں کی طرف اشارہ کر کے بر انگیختہ جذبات پر جھنکارنے والے۔ صنفِ نازک کی بیوگی، یتیمی، حراست اور بے وطنی کی چادروں پر لہراتے ہوئے انتہائی زہریلے سانپ۔ راجہ داہر کے زمانہ کے بزرگ ناگ، سستی کی خالی چارپائی کے پائیوں سے لپٹے ہوئے کچ سنپولئے، کیچوے جو شاہ عبداللطیف بھٹائی کی تحریروں کو چٹ کر رہے ہیں، جونکیں جو شہباز قلندر کے مستوں کو چمٹ گئی ہیں ....

ان پٹاری برداروں کو جب بھی کوئی داؤ ناکام ہوتا یا مُہرا پٹتا نظر آیا، یہ لمحہ بھر میں انسان کو شل کر دینے والا ایسا مارِ زمین رنگ نکالیں گے جو نئی ترکیب سے یوں نرالے ڈنگ لگا سکے کہ والٹس آف امریکہ بھی واہ واہ پکار اٹھے۔ غیروں کی چالاکی، اپنوں کی بے فہم مخالفت، امریکی سیاست کی بالا خانی بے وفائی کے اظہر من الشمس ہونے تک یہ مشہور کرتی رہے گی کہ یہ مٹھی بھر لوگوں کی شرارت ہے "جو مٹھی میں نہیں آ رہے"۔ اور بگلا بھگت ایک ٹانگ پر کھڑا منتظر ہو گا کہ کھڑے پانی میں جہاں ارتعاش ہو گا، وہیں مچھلی ہو گی۔ اور صوبہ جس میں قائدِ اعظم کا دار الخلافہ ہے "بابِ قاسم ہے"، جہاں بابائے ملت کی پیدائش گاہ بھی ہے اور مدفن بھی، اکبر کے دینِ الٰہی کا ٹھٹھہ بن کر رہ جائے گا، جو دھا بائی کے فکری تسلّط میں آ جائے گا اور کسی شیخو چپا کو جنم دے گا جو نہ نورِ دین سے آگاہ ہو گا نہ اسلوبِ جہانگیری سے۔ اس صورتِ حال کا ذمہ دار کون کون طالبِ اقتدار ہو گا، کون سی سیاسی و عسکری رشتہ داری ہو گی، یہ اگر آج نہ سوچا گیا تو معاملہ جو افسوسناک تسلیم کیا جا چکا، تشویش ناک بھی قرار پا جائے گا۔

یہ صورتِ حال بھی خالی از علت و نتائج نہیں کہ سکھ یاتریوں کے تعلقات پنجاب باسیوں سے بڑھ رہے ہیں بلکہ بڑھائے جا رہے ہیں۔ یاد دلایا جا رہا ہے امرتسر کا سنگِ بنیاد میاں میرؒ نے رکھا تھا۔ بھاٹی دروازہ کا فقیر خاندان

اُس رنجیت سنگھ کا وزیرو مشیر رہا جس کی سمادھی اور عالمگیری مسجد کے سلئے آج بھی روزانہ آپس میں ملتے ہیں۔ ثقافت و تہذیب ، زبان کے اشتراکی حوالے دیئے جاتے ہیں اور یوں لُو دے چکی، لُٹی ہوئی عصمتوں کی نعشوں کو کفن مہیا کئے جا رہے ہیں۔ میں نے جلتا ہوا پنجاب دیکھا ہے - وہ بنیا بھی دیکھا ہے جو تیل ، ماچس دیکر سکھی کی کرپان اور کڑا چوما کرتا تھا کہ کرپان مسلمان پر استعمال کرو، کڑا تمہارے بازو میں یوں رہے گا کہ تم بھی اتارنا چاہو تو نہ اُتر سکے گا کہ تم سے بھی زیادہ یہ کڑا ہمارا ہے۔ اپنی تمام تر امن پسندی، انسان دوستی عفود رگزر کے باوجود میں ۱۹۴۷ کی اس پُر تشدد سیاست سے آنکھ بند نہیں کر سکتا جو سزا کے طور پر اعلانِ قیام پاکستان کے بعد وارد کر دی گئی۔ میں نہ ان زخموں کو فراموش کر سکتا ہوں نہ ان کا درماں مجھے آج تک ملا ہے۔ میرے اندر کے بامروت میاں میرؒ کو آج بھی دربار صاحب کا سنگ بنیاد رکھنے پر شاید اعتراض نہ ہو مگر میں کسی محلہ کی چھوٹی سی مسجد کا سنگ بنیاد کسی گوبند سنگھ سے رکھوانے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا .... یہ مذہبی تعصب کی بات نہیں ملّی حمیّت کا تقاضا ہے۔ مشرقی پنجاب مجھ سے چھینا ہوا پنجاب ہے۔ مقبوضہ کشمیر مال مسروقہ ہے۔ میرا جوناگڑھ ہندی سیاست کی طوائف نے پرکاری سے اپنے نام لکھوا لیا ہے۔ حیدر آباد دکن اور حیدر آباد سندھ کی تاریخی کڑیاں میری نگاہ میں ہیں۔ بنگلہ دیش میری مقتول ماں کی نصف نسل ہے .... میرا سارا وطن وادیٔ سندھ ہے۔ سیاسی معاہدہ دوستی و عدم جارحیت سیاسی ایوانوں کی داستانیں ہیں۔ کعبہ اور سومنات ، تاریخ نے کبھی گہرا میز مذاکرات میں مصروف نہیں دیکھے۔ میرے وطن کا ذرہ ذرہ اپنے خلاف سازشوں کا انتقام لے گا۔ سازش کرنے والوں سے بھی ، کروانے والوں

Marfat.com

سے بھی اور ان سے بھی جو اس کا باعث بنیں گے۔ میرے اللہ اور رسولؐ سے عداوت و رقابت اور مجھ سے دوستی محض بناوٹ ہے۔ میں اس ہنومان سے آگاہ ہوں جو اپنی دُم کو آگ لگا کر لنکا جلانے میں ماہر ہے اور ان بھیدیوں سے بھی بے خبر نہیں جو لنکا ڈھانے کے عادی ہیں۔ ریچھ دُم چھپائے جن بچوں کو پچھلی ٹانگوں میں دبائے بیٹھا ہے اس کے خونخوار بچوں کی ہلاکت خیزی کا مجھے مکمل اندازہ ہے۔ اور سفید ہاتھی کے اس پروپیگنڈہ سے بھی ناواقف نہیں کہ "میں مرا ہوا سوا لاکھ کا ہوتا ہوں۔ اس لئے مجھے ایک لاکھ میں خرید لو" میرے وطن نے اس کے کھانے والے دانت بھی دیکھے ہیں۔ یہ سفید ہاتھی میری سرزمین میں چنگھاڑ رہا ہے کہ جاؤ میں اُردو نہیں بولتا اور لشکر کو یہ بھی سمجھ نہیں آرہی کہ جو لشکر کو کہے میں لشکری زبان نہیں بولتا وہ قابلِ گرفت ہے۔ بیروزگاری اور عدمِ تحفظ کا ستایا ہوا وہ معصوم کارکن جو بوجہ بے آگاہی کسی بھڑک میں جذباتی ہو گیا اور سیل میں پہنچا دیا گیا۔ نہ معلوم نوایجاد نشتر وہاں کیوں نہیں ٹکتے جہاں ناسور ہوتا ہے۔ نشتر لگانے والوں کی اس خطاکاری کا ذمہ دار کون ہے۔ یہ کون اور کب جان پائے گا کہ سیاست کی بھی اناٹومی ہوتی ہے۔ حالانکہ قطعی واضح ہے کہ ملک کو عظیم نقصان پہنچا دینے کے ارادے بظاہر سندھی پگڑیوں میں دکھائے جا رہے ہیں مگر اصل منصوبے قیامِ پاکستان کے معروف مخالفوں کے تہہ خانوں میں محفوظ کر لئے گئے ہیں۔ اور وہ کہ تفریقِ دین جن کی سیاست ہے لاکھ آمد آمدِ سیلاب ہو ان کا تیمّم برخاست نہیں ہوتا۔ وہ اذانیں جو کبھی افریقہ کے تپتے صحراؤں اور یورپ کے کلیساؤں میں دی جاتی تھیں اب اذانِ استغاثہ قرار دی جا کر صرف لبنزدوں میں دینے کے پروگرام کی سیاست وضع کر لی گئی ہے۔

Marfat.com

جن کی آنکھوں میں جہانداروں کی شان نہ جچتی تھی، وہ جہانداروں کے نورِ چشم بن گئے ہیں۔ تاروں کی چھاؤں میں پڑھا جانے والا کلمہ صرف جنازوں کے جلوسوں کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ جناز گاہوں کی صفیں سیدھی کر لینے کی تلقین ہی کارِ امامت رہ گئی ہے۔ مجذوبِ فرنگی مفکرِ پاکستان کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے کہ آ میں تجھے بتاؤں مقامِ بے کبریا کیا ہے۔ تہران کو مشرق کا جنیوا بنا کر اقوامِ عالم کی تقدیر بدلنے کا خواب دیکھنے والے عراق سے تریاق آنے کے معروف راستے ہم مسدود کر چکے ہیں اور ''تیل تیرا، پانی میرا'' کے فیصلے کی طرف ہم تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ سندھ کے منبع اور دہانہ سے نہ تو بے آگاہ ہیں، نہ ہم ناواقف ہیں۔ ہمارے ارادے واضح ہیں۔ نگاہِ مردِ مومن اندھیری رات میں سیاہ چشموں کی عادی ہو چکی ہو تو سلسلۂ روز و شب تو نقش گرِ حادثات ہوتا ہی ہے۔

Marfat.com

علاج کچھ اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں

انسانی تاریخ ایسے دنیوی حکمرانوں کی دشنام طرازیوں سے اٹی پڑی ہے جو رعایا کو پُرسکون، مطمئن، محفوظ اور باوقار زندگی کی ضمانت مہیا کرنے سے صرف اس لئے عاری رہے کہ شب و روز انہیں اپنے ہی اقتدار کے چھن جانے کا کھٹکا لگا رہا۔ رُعبِ اقتدار کو عوام الناس کے اذہان پر مسلّط رکھنے کی ہر کوشش کا ماحصل نفرت و کدورت کے سوا کبھی اور کچھ نہ ہوا۔ اس لئے کہ فاصلے جتنے طویل ہو جاتے ہیں، اشکال اتنی ہی دھندلا جاتی ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے انسان کو اگر وادی میں کھڑا انسان چھوٹا دکھائی دیتا ہے۔ تو وہ یہ بھی نہ بھولے کہ سطحِ مرتفع نے اسے بھی بونا ہی دکھانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ خلوص و محبت صرف اخوت و مساوات کی دین ہیں۔ رابطے ترجیتیں مٹا کر نہیں رکھے جا سکتے۔ فاصلے بڑے اعتماد کُش ہوتے ہیں۔ انسانوں کا آداب بجا لانے پر مجبور

Marfat.com

کرنا، جبر و استبداد سے ان کی عزت نفس کو مسخ کرنا، انسانی آبادیوں کو جنگلوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جنگل جہاں شیر غاروں کی پستیوں میں اور گلہریاں درختوں کی بلندیوں پر بسیرے کرتی ہیں۔ پست و بالا اور تہہ و بالا کے یہ مناظر فطرت کے فقیروں کے لئے بڑے سبق آموز ہوتے ہیں۔ بادشاہوں کی نظر سے اوجھل رہیں تو فطرت کا گلا نہ کریں، اپنی بینائی کا ماتم ہی کافی ہوگا۔ حکمران حکم صادر کرتے اور ران تھاپتے ہوئے لنگوٹ کس کو نہیں کہتے۔ یہ کوئی صالح اندازِ حکمرانی نہیں کہ حکمران پہلوانوں کی طرح گرُز اٹھائے۔ ران تھاپتا اور للکارتا ہی رہے۔ اِس کو پچھاڑے تو اُس کو دبکا دے۔ اُدھر دھوبی پٹڑا مارے تو اِدھر کلا جنگ لگائے۔ ہر رائے سے کسرت کا عادی ہو جائے "خاموش رہو یا دفع ہو جاؤ"۔ اِس کا دستور العمل بن کر رہ جائے۔ بولے تو لوگوں کے دل بیٹھ جائیں، نہ بولے تو لوگ کان کھڑے رکھیں کہ نہ جانے کب کیا ارشاد ہو جائے۔ ہمہ وقت اس کا تحکّم پھنکارتا اور حلم ڈستا رہے۔ حکمت سے دست دیائی جاری رہے۔ فراست پناہ گیر اور دانش ہجرت آزما رہے۔ روز و شب ڈھول بجتے رہیں کہ مابدولت میلے میں اقتدار کی بیساکھی منا رہے ہیں۔ ابن الوقتی اطلاقِ قانون کے تیور بانجھ عورتوں کی طرح اتارتی چڑھاتی رہے۔ اختیار کے پھاڑے ہوئے دیدے سُرخ اور عارض زرد رہیں۔ دن اپنے آپ کو دیکھتے گزر جائے اور راتیں سازش کے خوف سے بیدار رہیں۔ وہ مریض بن کر رہ جائے جو خواب میں اپنی شکل دیکھ کر دائمی خوف زدہ ہو گیا ہو۔ ایسے حکمران کی مثل اُس اندھے کی سی ہوتی ہے جو اپنی عینک کیلئے آنکھ کی بھیک مانگ رہا ہو۔ ایسے حکمران اپنے اور عوام کے مابین بالآخر تمام روابط ختم کر بیٹھتے ہیں۔ ہیر کھیڑے لے جاتے ہیں اور رانجھے کے

Marfat.com

پاس صرف بھینسیں رہ جاتی ہیں جو بانسری کی تان سے نابلد فقط بین کی لَے پر منڈلاتی، جگالی میں مصروف رہتی ہیں۔ سانپ ہی سانپ نکل آتے ہیں جو را نجھے کا جوگی ہونے سے پیشتر بیڑا پار لگا دیتے ہیں۔ ایسے حکمران کی صرف قہاّری وجبروت باقی رہ جاتی ہے، غفاّری و قدّوسی سے عاری ہو جاتا ہے۔ عفو و درگذر سے اجتناب جان پُرسوز کی جان تک نکال دیتا ہے۔

نہ نگاہُ بلند اس کا مقدر رہتی ہے، نہ سخن دلنواز اس کے لبوں کا سرمایہ رہ جاتا ہے۔ آخر ایک دن اقتدار اتنے زور سے دہاڑتا ہے کہ اپنے ہی نتھنے پھاڑ لیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ نظامِ کائنات میں انسانوں پر انسانوں کی حاکمیت کے تحفظ کا کوئی سامان موجود نہیں۔ کم فہم انسان خمار اقتدار میں مصنوعی تسلّیاں تو ایجاد کر لیتا ہے مگر اس کا ہر عمل اپنے ہی گلے میں زہریلے سانپ لٹکا دینے کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ دنیا اس قسم کے حکمرانوں سے آگاہ بھی ہے، اس قسم کی حکمرانی کا بارہا تجربہ بھی کر چکی ہے اور مشاہدہ بھی۔ خود وطن عزیز نے ایسے ادوار میں کیا کھویا، کیا نہ پایا۔ بڑی دلدوز و اندوہناک داستان ہے۔ بیان کرنے سے فائدہ، کہ آئینے سامنے رونے کے لئے تو سجائے نہیں جاتے۔ چہرے پر جھریاں پھیلنے لگیں تو غازہ رخی سے بہتر یہ عمل ہے کہ آئینے پر کپڑا ڈال دیا جائے۔ کہ نائکہ کے بالاخانے اور آباد گھروں کے اطوار میں امتیاز روا رکھنا معاشرتی بندھنوں کی مضبوطی کے لئے اشد ضروری ہے۔ نہ معلوم لوگوں کو ایسی موت کیوں پسند ہے کہ کائنات طعن دے کہ قلندر وا لو جو بادشاہ سلامت تھے، مر گئے۔ خزانوں سے دریافت کرو مقبرہ تعمیر ہو گا یا نیا محل۔ ہائے! کتنے سکندر خالی ہاتھ اور ننگے پاؤں دفن ہو چکے ہیں۔ کتنے شہ سوار ہوں گے کہ ان کے گھوڑے اُن کی میتوں پر ہنہنائے۔ کتنے تخت طاؤس

خالی رہ گئے۔ کتنے ہیروں نے شاہی اقبال کو گہناتے دیکھا۔ کتنے تیغ زنوں کی روحیں عجائب گھروں میں اپنی تلواروں کی نمائش دیکھ کر اپنے خون آشام ادوارِ حکومت کا ماتم کرتی ہوں گی۔ مگر انسان کی آنکھ مقاماتِ عبرت کی طرف اٹھنے سے پہلے ہی نامعلوم کیوں اندھی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ مقالاتِ افلاطون پڑھ رہی ہوتی ہے۔ انسان کیوں بھول جاتا ہے کہ انسانی معاشرہ کے ارتقاء سے قطعِ نظر کر لیا جائے تو انسان اور درندے میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ سیاست کا یہ انداز لوگ کیوں اختیار کر لیتے ہیں کہ بھیڑیے کی شہ لگی رہے اور بھیڑیں مارے خوف کے سر جوڑ کر ممیاتی رہیں۔ نہ معلوم ہمارے حکماء، دانشوروں اور سیاسی مبلغین نے امورِ سیاست و حکمرانی میں صرف اپنی آرائش گاہوں میں ہی شمعیں روشن کرنے کا وطیرہ کیوں اختیار کر رکھا ہے۔ انسان ہوتے ہوئے بھی انسانی معاشرہ سے اتنی گھمبیر بے اعتنائی کیوں روا رکھے ہوئے ہیں۔ انسانوں کے مسائل و مصائب سے قطعِ نظر کر کے جس انداز سے یہ لوگ شب و روز یا اپنے اقتدار کے گیت گاتے ہیں یا محرومیٔ اقتدار کے بَین الاپتے ہیں۔ اس نے پورے معاشرہ کو تعمیری سیاسی فکر دینے کی بجائے ایسے فکری کہرام میں مبتلا کر رکھا جیسے نقارہ مرمت طلب ہو اور طوطے یوں شور مچا رہے ہوں کہ کان ہی پڑی چوٹ بھی سنائی نہ دے۔ اس کارِ بے انجام میں ہمارا معاشرہ اتنا ماہر ہو گیا ہے کہ دانشور تک سمجھاتے کم ہیں اور روٹھتے زیادہ ہیں۔ کوئی بسور کر صوبائی خودمختاری کا تقاضا کرتا ہے تو کوئی تازہ مرے باپ کی ناہنجار اولاد کی طرح "گھر بٹوارے" کے لئے آمادۂ فساد ہے کنفیڈریشن، کنفیڈریشن چلا کر نیتِ خفتہ اور خبثِ نہفتہ کا اظہار بزبانِ افرنگ کرتا ہے۔ ہر کرموں پھوٹا یہی اعلان کرتا ہے، بس

وطن ٹوٹ رہا ہے، یہ دیس بکھر کر رہے گا۔ ہائے! وہ اولاد جس کے پاس ماں کو تقسیم کرنے کے علاوہ اور کوئی سامان نہ رہا ہو۔ اُف! وہ تولید، جو زندہ ماں کا کفن خریدنے نکل کھڑی ہو اور متلاشی ہو کہ سستا اور دیرپا کہاں سے ملے گا۔ عالمی بردہ فروشوں سے یہ کہ کر رعایت مانگ رہی ہو کہ ماں جو مرنے والی ہے، ہمیں بہت عزیز ہے۔ ہم نے مقدور بھر اسے دبایا، لتاڑا۔ بس ایک دفعہ اس کی کوکھ پر لات مار بیٹھے تھے اور یہ بکھرتی ہی چلی گئی۔ ہم عُسرت زدہ ہیں کمائی کا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ ہماری ماں لے لو، ہمیں اچھا سا کفن دے دو۔ ہم اسے بے گور دیکھ سکتے ہیں، بے کفن نہیں دیکھ سکتے۔ یہ بڑی عالم فاضل ماں تھی۔ پانچ زبانیں بول لیتی ہے۔ اس کی کوکھ جب بھی ہری ہوئی اس نے علیحدہ نسل اور قومیت کو ہی جنم دیا۔ رب واحد کی قسم یہ امّتِ مُسلمہ کی وفاقی ماں تھی۔ اس کی نس نس میں اتنی ہمدردی تھی کہ ٹانگوں کی لمبائی دیکھ کر بازوؤں کو احساس محرومی آلیتا۔ بھائی بھائی ذرا ناراض ہوئے اس نے اپنا بازو ہی کاٹ کر دے دیا کہ جاؤ آباد رہو۔ ماں کی ایسی تقسیم تاریخ نے پہلے کہاں دیکھی ہو گی۔ جو بازو کٹنے سے رہ گیا، اس نے کٹے ہوئے بازو سے یہ کہہ کر صلح کر لی کہ تو میرا باقی رہنا تسلیم کر، میں تیرا کٹنا منظور کر لیتا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں یہ ایک بازو والی ماں ہے۔ یہ طعن ہمارے ان دانشوروں کو گوارا نہیں جن کا موقف یہ ہے کہ ایک بازو ہی تو کٹا ہے۔ باقی جسم کے چار حصّے تو اب بھی ہو سکتے ہیں۔ ان سرپھروں کو کوئی تو سمجھائے، ماں سے یہ سلوک ہو تو اولاد کا شعور و شعارِ حیات مفقود ہو جایا کرتا ہے۔ ایسا سلوک کرنے والا انسان ان مخمصوں میں اُلجھ جایا کرتا ہے کہ دین کون سا اختیار کروں، سیاست میں راہ نمائی کہاں سے حاصل کروں، معیشت کے اندھیروں میں شمع جلانے کے لئے خالی دیئے کون سے مکتبہ فکر سے ادھار لوں اور ان کے لئے تیل کس کس کا نکالا جائے۔ دل

Marfat.com

کو دماغ کے کون سے گوشے میں رکھیں۔ ایسے انسانوں کو اپنا خدا بھی انسانوں کا شاگرد محسوس ہونے لگتا ہے۔ ایسے دانشوروں کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ معاشرہ مہنگائی کی چکی میں گیلی راکھ کی طرح پس رہا ہے۔ نہیں سوچتے کہ انسان کا ارزاں ہوجانا اشیا کے گراں ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ انسانوں کا احساسِ عدم تحفظ و کم تری ان کی مادی ضروریات کو بڑھاتا اور اشیاء کی کمیابی و گرانی کا باعث بنتا ہے۔ انسان کا وقار اور عزتِ نفس اگر مادی وسائل کی دست نگر ہوجائے تو انسان اپنے بوسیدہ لباس سے بھی سستا ہوجاتا ہے اور غیروں کے جوتوں کی خاک اپنوں کے سر پہ جھڑنے لگتی ہے۔ معاشرہ کا ہر انسان معصوم پیدا ہوتا ہے۔ یہ قوانین کا استوار کیا ہوا ماحول ہے جو کتابِ تعزیرات اس کے گلے میں لٹکا دیتا ہے۔ اصل مجرم فرد یا معاشرہ نہیں، قانون ہے۔ سرکاری ملازم نہیں قانون و ضابطہ راشی ہے۔ یہ ضابطے ہیں جو راشی و مرتشی کو نت نئی راہیں مہیا کرتے ہیں۔ ناجائز منافع خور بعد میں بنا ہے، پہلے قانون نے خود ناجائز منافع خوری کی بنا ڈالی۔ عمداً وہ رخنے اور روزن رکھے جو بدنیتوں کے لئے دوربین کا کام دے سکیں۔ ہمارے قانون میں یہ تحریر ہے کہ چوری، ڈاکہ زنی یا رشتہ گیری کا ہیں دستگیر ہوں۔ جو مجھ پہ تدبر کرے گا پکڑا بھی جائے تو ہر ہے عزت باعزت بری ہوجائے گا۔ قانون کی شقوں پر معمولی تدبر بھی اغوا و زنا کے آسان طریقے سمجھا دے گا۔ یہ جو مار دھاڑ، قتل و غارت گری، تشدد پسندی و تخریب کاری ہمارے معاشرتی سینے پر تمغوں کی طرح لٹک رہی ہے، درآمد تو نہیں کی گئی۔ قوانین ہی کی دین ہے۔ ہمارا ضابطہ فوجداری جہاں نافذ کر دیا جائے ... استوار نہیں بھی ہوگی۔ تو فوج کو بار بار حفاظتی حراست کا عمل دوہرانا اور نرم و گرم ماسٹر قوم نما مارشل لاء نافذ کرنا پڑے گا۔ عیاشی و فحاشی طوائفیں اور ... نہیں

سکھا رہے ہے، قوانین رسوم و رواجات طوائفیں ڈھال رہے ہیں۔ ضابطۂ قوانین ہی تمام تر فکری اور شعوری نڈٹنکیوں کا راہ نما ہے۔ حیا داری کو قانون نے گستاخی سے مات دلوائی ہے۔ درس گاہوں کے ضوابط نے طالب علموں کی طلب علم غصب کر رکھی ہے۔ یہ لیبر لاز کا ہی احسان ہے کہ مزدور کام کم اور پسینہ زیادہ دکھاتا ہے۔ صنعت کاری اور جیب تراشی منوازی فن صرف قوانین کی طفیل بنے ہیں۔ کیا یہ بیرونی سازش ہے کہ جس صنعت پر سرکار کی مہر لگ جاتی ہے بیمار ہو جاتی ہے۔ سرکار کس متعدی بیماری میں مبتلا ہے کہ اس کا سرمایہ معاشرہ کا کینسر بن کر رہ گیا ہے۔ جس قانون کا مطالعہ کرو معلوم ہوتا ہے کسی عادی مجرم کی تصنیف ہے جو کوتوال کے ہاتھ لگ گئی ہے؟ یہ ضابطہ ہائے قوانین کی نہیں، جرائم کی درسی کتابیں ہیں۔ اتنی ذہنی پستی اور اخلاقی گراوٹ کیا والدین کی دعاؤں سے خود کر آئی ہے۔ کیا بہنیں جھولیاں پھیلائے ہوئے ہیں کہ بھائیوں کے نام لستہ الف میں درج ہو جائیں۔ افراد خانہ کا باہمی اعتماد کیوں کرچی کرچی ہو گیا ہے۔ معراج انسانیت کا علمبردار اسلامی معاشرہ اتنی پستیوں میں کیوں اُتر گیا ہے۔ فرقہ بندی اور گروہ سازی کا بازار کیوں گرم ہے۔ نت نیا الحاد کیوں جنم لیتا ہے اعتقاد ضد بن کر کیوں رہ گیا ہے۔ اکراہ نے ہر سُو کراہتیں کیوں بکھیر رکھی ہیں۔ جرائم کے لئے انگلیاں تھرکتی ہیں تو روکنے کے لئے دل کیوں نہیں دھڑکتے۔ پورا معاشرہ اصطبل کیوں بنتا جا رہا ہے۔ جس طرف نگاہ اٹھاؤ شرافت کی کلیرنس لگی ہے مگر کوئی مُفت بھی نہیں خریدتا۔ عبادت کی تجارت کیوں ہونے لگی ہے۔ خانقاہ در خانقاہ، مدرسہ در مدرسہ، مزار بہ مزار عقیدت کیوں فروخت ہو رہی ہے۔ یہ سازشیں غیروں نے ہی نہیں خود ہم نے اپنے خلاف کر رکھی ہیں۔ دستوری و آئینی معاملات

Marfat.com

کا علاج تو اسلامی تشکیل حکومت ہے مگر کچھ علاج اس کا بھی اے جبار! اگر ان ہے کہ نہیں۔ اگر ہے تو ہوا کیوں نہیں اور اگر نہیں تو جیسا نگی کا کوئی جواز ہو تو بتاؤ!

Marfat.com

کھیل بچّوں کا ہوا' دیدۂ بینا نہ ہوا

انسانی معاشرہ کا ارتقا صرف اس مقدس جذبہ پر منحصر ہے کہ فطرت نے ہر باپ کے ذہن میں یہ تمنا جذب کر رکھی ہے کہ اس کی اولاد اس سے بھی آگے بڑھ جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہر باپ زندگی بھر اپنے مقدور سے بڑھ کر کوشاں رہتا ہے۔ کوئی باپ اپنی کوتاہیاں اولاد کے نام منتقل نہیں کرتا۔ ہر باپ زندگی بھر دعاگو رہتا ہے کہ اس کی اولاد بہترین اوصاف کی حامل ہو۔ اولاد کی شکایت سن کر ہر والد کو محسوس ہوتا ہے جیسے اُسے لاوا اُگلتے ہوئے آتش فشاں کے دہانے میں پھینک دیا گیا ہو، کسی نے دہکتی ہوئی سلاخیں اس کی آنکھوں میں گھونپ دی ہوں۔ والدین کا مقام ہی یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کے رقیب نہیں ہوتے، خلوص دل سے دعاگو رہتے ہیں کہ ان کی اولاد انسانیت کی معراج کی زندہ مثال ہو، اس کی قابلیت، شرافت، نیک روی کی تمام تر انسانی آبادی معترف و ثناخواں ہو۔ ہر جننے والی اس امید کے ساتھ جنتی ہے کہ وہ اشرف المخلوقات جن رہی ہے۔ کسی ماں کے تصوّر کا بچہ کمتر نہیں ہوتا۔ آج اگر یہ جذبہ مفقود ہو جائے تو تمام تر انسانی ارتقا پر جمود چھا جائے۔ معاشرے کے بڑے بوڑھے جب نوجوانوں کو اپنی ہی اولاد تصور کرنے سے عاری ہو جاتے ہیں، دانشوروں کی شفقتِ پدری اغراض کی اندھیری غاروں میں سازشوں، سیاستوں،

Marfat.com

ابن الوقتوں کی خرکاری کی نذر ہو جاتی ہے تو وطن کی سرزمین فقط ایسا یتیم خانہ بن کر رہ جاتی ہے جسے کسی یخ بستہ ضمیر "رابن ہڈ" نے فکری گداگر پرورش کرنے کے لئے تعمیر کر رکھا ہو، کسی کی منفی فراست نے ایسا نسخہ ڈھونڈ نکالا ہو جس کے استعمال سے ہر کوکھ درندوں کی غار بن کر رہ جائے، ہر ذہن شر سے اور قلب شرارتوں سے اَٹ جائے۔ انتہائی بدقسمتی ہے کہ حکومت ہو یا سیاست، تدریس ہو یا تہذیب، تربیت ہو یا پرورش، نظمِ حیات کی ہر مَد میں زندگی کی ہر راہ پر، پدرانہ شفقت و احساسات کے لاشے تعفن بکھیر رہے ہیں۔ ہم نے اپنے ہاتھوں تمام باپ دفن کر دیئے ہیں۔ گھروں کے صدر دروازوں اور قبرستانوں کی تختیوں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ ہر انسان نے اپنی قبر کھود رکھی ہے جسے وہ اپنا گھر کہتا ہے۔ ہمارے معاشرہ کا بیڑہ بن گیا ہے کہ دور اندیشی کو کوتاہ بینی کے تسلط میں رکھ کر انجام سے بے خبر عمل ہی صالح ہوتا ہے۔ ابن الوقتی نے جوان ہو کر ابوالوقتی کا منصب سنبھال لیا ہے۔ ہر تقاضائے وقت حاجات ایام کے سجن میں مقید ہے۔ عقل تہِ دام پھڑپھڑا رہی ہے اور حاجات خود ساختہ و حالاتِ حواس باختہ اذان کناں ہیں کہ آؤ اپنا حال یوں تباہ کریں کہ مستقبل ہاتھ پھیلائے، آہ آہ کرتا ہم سے یوں بغل گیر ہو جیسے صحراؤں میں سراب بغل گیر ہوتے ہیں۔ کسی طالب علم کو قید با مشقت، کوڑوں اور جرمانہ کی سزا کی خبر سن کر میرے اندر کا فطری باپ یوں محسوس کرتا ہے جیسے میں اپنے زمانے کا کرامویل تھا اور زمانہ میری نعش نکال کر پھانسی پر لٹکا رہا ہے۔ جیسے میں وہ ڈارون ہوں جس کے دماغ میں سانپ رینگ رہے ہوں۔ وہ فرعون ہوں جس نے بچوں کے قتل کی رسوائی سے بچنے کے لئے ماڈرن درسگاہیں کھول رکھی ہوں۔ وہ ہلاکو ہوں جو اپنی آئندہ نسل کے حصار میں قتل کیا جا رہا ہو۔ وہ چنگیز ہوں جس کی اولاد سے اس کا ماتم کروایا جا رہا ہو۔ وہ آزر ہوں جو قتلِ خلیل کا مجرم ہو۔ وہ یعقوب ہوں جس نے

Marfat.com

اپنے ہاتھوں اپنے یوسف کو قتل کر کے اس کی آنکھیں اپنے نابینا دیدوں کی جگہ ثبت کروالی ہوں۔ وہ ماں ہوں جو از خود دربار فرعون میں حاضر آگئی ہو، کہ اسے خدائے زماں میں نے یہ بچہ جنا ہے۔ اس کی معصومیت تیری پُرکار تلوار کی منتظر ہے۔ وہ دسرتھ ہوں جو کیکئی کو پٹی پڑھا رہا ہو کہ رام چندر کا بن باس ہی ہمارے اطمینان و سکون کا ضامن ہے۔ وہ راون ہوں جو لَو اور کُش کے سر پر مکار پیار کا ہاتھ پھیر اُنہیں سرگوشیوں میں کہہ رہا ہو، ستیا میرے ساتھ بہ رضا و رغبت اغوا ہوئی تھی اور تم ان ہی ایام کی سرخیاں ہو۔ وہ آدم ہوں جو ہابیل و قابیل کو لڑ مرنے پر اُکسا رہا ہو۔ وہ اکبر ہوں جو سلیم چشتی کے دربار میں ملتجی ہو کہ میرا شیخو انار کلی کے حُسن کا بھکاری بنا رہے، اسے ولی عہد ہونے کا خیال و احساس تک نہ ہونے پائے۔ وہ دست بدعا شاہجہاں ہوں جس کی دلی تمنا ہو کہ اس کی اولاد برادر کُش ہو، باپ کی آنکھیں نکلوا دے اور کسی سیوا جی کے ہاتھوں مارا جائے۔ اپنی اس جان لیوا کیفیت پر پردہ ڈالنے کے لئے میں اعلان کر دیتا ہوں کہ اے میرے گمراہ معاشرے میں تیرا سیاست داں ہوں مجھے راہ نما تسلیم کر ورنہ میں تیری وہ نس بندی کرونگا کہ تیری فکر زنحہ اور تیرا عمل خصیم ہو کر رہ جائے گا۔ تیرے وہ ہونہار جن کے لئے بیچ پر کھڑا ہونا بھی انتہائے ندامت ہونا چاہیئے۔ قید با مشقت گزارنے، کوڑے سہنے اور جرمانے ادا کرنے ہی راہ نما قرار دے دیئے جائیں گے۔ تیرا معاشرہ اُس علی بابا کے چوروں کا جمگھٹا بن کر رہ جائے گا جسے سِم سِم کے الفاظ بھول گئے ہوں۔ تیری درسگاہوں میں داخلہ کے وقت خانۂ ولدیت کے اندراجات سے عدہ نظام دشمن تنظیموں کی مُہروں کو اوّلیت و فوقیت حاصل ہو جائے گی۔ جس بے ہنر کو درسگاہوں کے سربراہ اپنے تمام تر اختیارات کے باوجود داخلہ نہ دے سکیں گے۔ اُسے ناپختہ ذہن کی ایک ہی بھڑک یوں داخل کروالے گی کہ وہ برسوں داخل ہی رہے گا، کبھی ہسپتال میں کبھی جیل میں۔ یونیورسٹی فارغ

Marfat.com

بھی کر دے تو ہوسٹل فارغ نہیں کرے گا۔ دستور زمانہ تسلیم کرے گا کہ مادر وطن کی آزادی کے قرار و استحکام کا واحد طریقہ یہی ہے کہ ہر ہونہار کے پات چکنے رہیں اور آئندہ نسل بہر طور مادر پدر و استاد آزاد رہے۔ نام نہاد پختہ ذہن ناپختگی سے نہ صرف خائف رہیں بلکہ ہر عدم بلوغت کو نت نئے انداز مہیا کر کے اس وقت تک دم نہ لیں جب تک معاشرے کے ناسور رس رس کر خلعت کو متعفن نہ کر دیں، یہ ضمانت نہ مل جائے کہ آئندہ کوئی پڑھنے نہیں پائے گا۔ نابالغوں پر تعلیم حرام نہ ہو جائے اور بالغ تعلیم بالغاں کی ٹیلی ویژن کلاس میں داخلہ نہ لے لیں۔ انسان مرغیوں کی طرح اپنے بچوں کو ٹھونگنے کا انداز نہ اپنا لیں، معصوم کتابوں سے لڑ نہ جائیں اور لڑکپن اور جوانی کتاب کو تج نہ دے۔ کتاب کا مصرف بغیر کرایہ دیئے کسی بس کے ساتھ لٹک جانا یا چھت پر چڑھ کر تالیاں بجانا ہی نہ رہ جائے۔ پولیس تک اپنے دفاع کے لئے کاروں کے شیشوں پر آہنی جالیاں لگانے اور اپنے جسم پر لکڑی اور کپڑے کے زرہ بکتر لٹکانے پر مجبور نہ ہو جائے۔ روزانہ جیب خرچ نہ ملنے پر بھی آبدیدہ ہو جانے والے کمسن آنسو گیس کے بم پھٹنے پر بھی حملہ آور اور نبرد آزما ہونے سے باز نہ رہیں۔ جن سروں پر صبح و شام پیار بھرے ہاتھ پھرنا چاہئیں۔ وہ ٹانکوں سے اٹ نہ جائیں۔ ان ماتھوں پر جنہیں چوم لینے کیلئے بوسے بے قرار ہوں، خون آلود پٹیاں نہ بندھ جائیں۔ ہم جماعت اغوا، استاد اغوا، سکون و اطمینان اغوا، امتحان کے پرچے اغوا، ممتحن اغوا، فہم و ہوش اغوا، ناموس خاندان اغوا، عفتِ وطن اغوا کا دستور رائج نہ ہو جائے۔ داخلہ کالج میں اور سمسٹر کی تکمیل شاہی قلعہ میں نہ ہوتے لگے۔ الذوالفقار، مکتی باہنی، ڈنڈا فورس کی تشکیل کی راہیں استوار نہ ہو جائیں۔ اسلام کے واسطے سے الحاد فروغ نہ پا جائے۔ حُبِ رسول ؐ کے دعویدار اُمت کی دستار گردی نہ رکھ لیں۔ سیاست کی چڑیلیں معصوم اذہان کو آسائشوں اور ستائشوں کا لالچ دے کر اچھی طرح چبا نہ لے۔ سیاسی

Marfat.com

سرچشموں سے آبشاریں پھوٹتی رہیں اور طاغوتی سیلاب تھمنے نہ پائیں۔ اپنی ہی نسلوں کو معدوم کرنے والی سیاست لاکھ کالعدم ہو مگر ہر معصومیت سیاسی پُرکاری کی زد میں اپنے گلے پر تیز دھار نشتر جمائے رکھے۔ ہر امید کے لئے صلیب اور ہر تمنا کے لئے دار سجی رہے۔ یہ انداز فقط دشمنانِ وطن کو ہی زیب دیتے ہیں۔ ورنہ کون ایسا باپ ہوگا جو اپنی اولاد کا ناجائز اسلحہ بردار ہونا پسند کرے گا۔ جو اپنی اولاد کو لڑمرنے کی تلقین کرے گا، دنگہ فساد کی راہ پر ڈالے گا، کتاب چھین کر اس کے ہاتھ میں خنجر تھمادے گا، استادوں کی تذلیل پر آمادہ کرے گا۔ بغاوت کی تعلیم دے گا، ہم جماعتوں کو زدوکوب کرنے اور جان سے مار دینے پر ابھارے گا۔ ایسے افعال میں ملوّث کرے گا جو شرافتِ نفسی پر طعن ہوں۔ کون باپ یہ چاہے گا کہ اس کی امیدوں کا مرجع، اس کے بڑھاپے کا سہارا چاہے فیل ہی ہوتا جائے مگر بروزِ بازو اپنی معتبری کا بھرم ضائع نہ ہونے دے۔ کون والد یہ سننا چاہے گا کہ نورِ چشم نے فساد کیا اور پکڑا گیا۔ ایم۔اے فائنل میں تھا، بس کنڈیکٹر سے اُلجھ پڑا۔ سیلز مین سے دست و گریباں ہوا۔ بسیں بھر کرلے گیا اور للکارتا پھنکارتا یوں سڑکوں اور بازاروں سے گزرا کہ فضائیں "جگا" گانے لگیں۔ کمرے سے کبھی چرس، کبھی پینے کی ہیروئن، کبھی پلانے والی ہیروئن برآمد ہوئی۔ کون یہ برداشت کرے گا کہ برخوردار کراس فائرنگ میں مصروف تھا، پرس چھین کر لے گیا۔ کارچوری میں ملوّث پایا گیا۔ اداکارہ کے گھر میں گھس گیا۔ امتحان دینے سے گریزاں ہی نہیں، ان کے التوا کے لئے جلوس نکالتا، توڑ پھوڑ کرتا، آتش زنی اور لوٹ مار تک سے گریز نہیں کرتا۔ اگر مجبوراً کمرہ امتحان میں جانا ہی پڑے تو آتشیں اسلحہ میز پر رکھ کر جوابات کتاب سے نقل کرتا ہے۔ ناکام ہونے کا خطرہ ہو تو امتحان کا بائیکاٹ کرکے چلا آتا ہے۔ بطور ملزم عدالتوں کی حاضری اس کا معمول ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے استاد ہیں کہ دُبکے رہتے ہیں۔ جب چاہتا ہے، کسی بھی اُستاد کا گھیراؤ کرلیتا ہے

Marfat.com

بات بات پر چاقو نکالتا اور آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ کوئی طالب علم اس کی خوشنودی حاصل کئے بغیر کلاس روم تو کجا، ہوسٹل کے کمرہ میں بھی سکون سے نہیں رہ سکتا۔ اس کی مطالعہ گاہ میں قلم دوات، کاپی کتاب ہو کہ نہ ہو، نو بہ نو اسلحہ ضرور ہو گا۔ امن دشمن عناصر اور سازش پرست سیاست کے حسبِ منشا استعمال کی چیز بن کر رہ گیا ہے، چار سال کا کورس سات سال میں اور دو سال کا پانچ سال میں نہ مکمل کر پاتا ہے، نہ مکمل کرنے دیتا ہے۔ خون کا حساب مانگتا، تخریبی نعرے وضع کرتا ہے۔ سڑکوں پر بھنگڑا اتا، جلسوں میں اینٹیں چلاتا ہے۔ کوئی بھی نورِ چشم، گھر کا چراغ، والدین کا سرمایہ حیات اگر یہی اندازِ زندگی اپنالے تو بے بُدھ ماؤں کو تھامنے کے لئے کلیجے اور پکڑنے کے لئے اپنے ہی سر تلاش کرنا پڑتے ہیں۔ آمادہ بر فساد زیرِ تعلیم نوجوان معاشرے کے دوش پر معاشرے ہی کے مستقبل کا جنازہ ہوتا ہے۔ یہ کاروائیاں اکثریت نے اپنائی ہیں یا اقلیت ہی کارفرما ہے مگر اس سے انکار یا فرار ممکن نہیں کہ ایسا ہو ضرور رہا ہے۔ ایسا کرنے والے نوجوان بگڑ گئے ہیں یا بگاڑ دیئے گئے ہیں۔ ان خوبیوں کے لئے فلموں کا شکر گزار ہونا پڑے گا۔ ادبی تخلیقات کا، گھریلو ماحول کا۔ گلیوں کی خاک یا بازاروں کی فضاؤں کا، درس گاہوں کا یا سیاسی دفاتر کا، ہو سکتا ہے، بحث طلب ہو۔ مگر والدین کا سرمایہ حیات لٹا بھی اور برباد بھی ہوا، کسی ذی ہوش کو اس میں کلام نہیں ہو گا۔ اگر یہ سیاست والوں کا کیا دھرا ہے تو پھر سیاست شاید اسی کا نام ہے کہ حرص اقتدار شفقت پدری کو دار پر لٹکا دے۔ پاکستان دوستی شاید اسی کو کہتے ہیں کہ آئندہ نسل کے زمانہ تعلیم و تربیت کو بے راہ رو اور ناعاقبت اندیش بنا دیا جائے۔ علم و حکمت سے اس حد تک بے بہرہ رکھا جائے کہ مستقبل کو سنبھالنے کے لئے بیرون ملک سے پڑھے افراد درآمد کرنا پڑیں اور اپنی آئندہ نسل قطعی اور مجسم فری سٹائل بن کر رہ جائے۔ اسے ویلڈنگ وغیرہ

Marfat.com

سکھا کر برآمد کئے بغیر کوئی چارہ باقی نہ رہے۔ درسگاہوں میں لائبریریوں کی جگہ پولیس کی چاک و چوبند چوکیاں قائم ہوں اور ان کے اردگرد فوج نے خندقیں کھود رکھی ہوں کہ ازراہِ تفریح ہونہار نہ جانے کس پر حملہ آور ہوں اور زیرِ زمین سیاست پناہی اس تدبیر میں مصروف ہو کہ پاکستان کے قیام میں طالب علم بھرپور حصہ لے سکتے ہیں تو اسے تڑوانے کے لئے انہیں کیوں استعمال نہ کیا جائے۔ اولاد تو گھروں کے روحانی ستون ہوتی ہے۔ یہ ہی لرز جائیں، ٹیڑھے ہو جائیں تو والدین چھتوں کے نیچے کون سے سیاسی شہتیروں کی ٹیک دیں گے۔ نیک بیٹے نہ ہوں تو کسی باپ کی کمر مضبوط نہیں ہوتی۔ مائیں مصنوعی کلیجوں کے سہارے زندہ نہیں رکھی جاسکتیں۔ سیاست کو دعویٰ ہے کہ آئندہ نسل کی اصلاح کر رہی ہے جو سیاست مارشل لاء کا باعث بننے کی عادی ہو چکی ہو، وہ تو خود اصلاح طلب ہوتی ہے۔ تاہم ان اصلاحی کاوشوں کے باوجود حالات روز بروز بگڑتے ہی چلے گئے۔ اس حد تک کہ بہنوں کا مان ٹوٹ گیا، والدین کو لیتھانیوں اور عزیزوں رشتہ داروں کو پریشانیوں نے آلیا۔ مگر کسی کو یہ احساس بھی نہ ہوا کہ سکون کہاں کہاں لٹ گیا، اطمینان کون کون سے کوچہ میں خاک بسر ہوا۔ بالآخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا، وہی ہوا جس کا وقوع پذیر ہونا کبھی کا نوشتۂ دیوار تھا۔ نابینا سیاست نہ اُسے پڑھ سکی، نہ ٹٹول کر ہی مخفی معانی جان سکی۔ کسی بھی تنظیم کو بے نظمی کے لئے استعمال کرنا دانش کو ہڑبونگ کی دسترس میں دینا ہے۔ اولاد کو اپنی سیاسی سازشوں کا آلۂ کار بنانا کس طور مستحسن قرار دیا جا سکتا ہے کہ اولاد تو دست و بازو ہوتی ہے۔ اولاد کو لوگ اپنے پالتو غنڈوں کے انداز سے تو نہیں پالا کرتے، نہ اس کے لئے ان کے ماہانے مقرر کئے جاتے ہیں کہ بوقت ضرورت تم سے جلسے اکھڑوائیں گے، بسیں جلوائیں گے۔ حکومتوں کے تختے ان کے کندھوں پر لادے جائیں گے۔ انہیں لولی لنگڑی سیاست کی بیساکھیوں کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔

Marfat.com

یہ سیاسی سواریوں کے آگے پوش پوش کرتے انہیں ایوانِ اقتدار تک لے جائیں گے جہاں انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا جائے گا کہ تم ہمارے تخت اقتدار کے پائے بھی ہو اور ہماری پالکیوں کے چوپلئے بھی ..... میرے خدا ! نامعلوم یہ طرح کس نے ڈالی کہ زمانہ سپوتوں کی بجائے بھوتوں کی تلاش میں چل نکلا۔ مگر اس الزام میں عدل نہیں کہ یہ سب کچھ سیاست والوں کا کیا دھرا ہے۔ ان کا اس میں " بیسنی روٹی میں بین" بھر حصّہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ادارے سیاست دان نہیں، انتظامیہ چلا رہی ہے۔ قوانین سیاسی دفاتر سے تحریر ہو کر نہیں آئے تھے۔ ان کے مسودے سرکاری دانش گاہوں میں تیار ہوئے تھے۔ جو کچھ ہوا، نظام تعلیم بھی کچھ کم ذمہ دار نہیں۔ اگر انتظامیہ اور حکومت بھی محض دکھاوے کی والدین و سرپرست نہیں تو پھر نگہداشت و تربیت میں آج کی گنوائی جانے والی خامیاں کس کے نام لکھی جائیں۔ انتظامیہ اپنے سر پر بھی تو ہاتھ پھیر کر دیکھے، شاید چادر اُتر چکی ہو۔ اگر درسگاہوں میں ناجائز اسلحہ ہے تو تحفظ امنِ عامہ کے کون کون سے ذمہ دار کے پیٹ اور کمر کا ناپ انتظامی اداروں کے صدر دروازوں پر تحریر کرنا ضروری ہوگا اور یہ بھی پوچھنا ہوگا کہ ناجائز اسلحہ کے مقدمات کے جو ملزم بری ہو جاتے ہیں، ان پر ڈالا گیا اسلحہ انتظامیہ کو کن ذرائع سے حاصل ہوتا رہا ہے۔ اور پھر کیا استاد اس صورت حال سے بری الذمہ ہیں۔ آخر اساتذہ نے اپنی تنظیمیں کیوں بنا رکھی ہیں۔ آج تک والدین نے، وہ ماں ہو یا باپ، اپنے مقام کے تحفظ اپنی توقیر کی حفاظت اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے انسانوں کی تاریخ میں کبھی کسی انجمن کی تشکیل نہیں کی۔ کسی ماں نے، کسی باپ نے اپنی اولاد سے کبھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ کچھ باتیں تو ہم اپنی ذمہ داری کے طور پر بتائیں گے اور سکھائیں گے اور باقی کے لئے تمہیں ہماری ٹیوشن رکھنا ہوگی۔ فی گھنٹہ کے حساب سے فیس دینا ہوگی کہ آخر ہمارے ساتھ بھی تو پیٹ لگا ہوا ہے۔ پھر استاد اگر مثلِ

والدین ہونے کے بھی دعویدار ہیں تو ٹیوشن کے بہانے علم کی بلیک مارکیٹ کا طریقہ کیوں ایجاد ہو گیا۔ ناممکن ہے کہ یہ امر حکومت کے علم میں نہ ہو کہ امتحانی سوالات کے پرچے بنانا اور جوابی پرچے دیکھنا کتنا بڑا سود مند کاروبار تصور کیا جاتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ شعبۂ امتحانات کی کوئی مد "سیکرٹ" نہیں رہی، تمام راز قیمتاً فروخت ہوتے ہیں۔ امتحانی نتیجہ تیار کرنے والے گھُپ اندھیرے میں بھی کرنسی نوٹوں کا رنگ بتا دیتے ہیں۔ صرف تدریسی نوٹ ہی فروخت نہیں ہوتے، استاد بھی بکتے ہیں۔ تدریسی آماجگاہوں میں ایسی کارروائیاں ہوتی ہیں جیسے سٹہ بازار میں نماز جمعہ ادا ہو رہی ہو۔ درسی کتابوں میں زندہ مصنفوں اور مدرسوں کی تخلیقات کو شامل کر کے زمانے نے کتاب سے اس کی تحریم چھین لی ہے۔ کتاب اگر محترم نہ ہو تو استاد کا مکرّم رہنا ناممکن ہے۔ کسی استاد کی ذاتی کمزوریوں سے طالب علم کا آگاہ ہو جانا ایسے ہی ہے جیسے ماں باپ کے ازدواجی راز اولاد پر کھل جائیں۔ یوں ہو تو استاد کی حیثیت ایک "کیسٹ" سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اگر یہی عمل جاری رہا تو اخلاقی قدروں کے تارامسیح پیدا ہوتے رہیں گے۔ بسیں یوں ہی سنگسار ہوتی رہیں گی جیسے ان سے وہی سرزد ہو گیا ہو جس کی سزا عالمانِ دین سنگساری اور قرآن عظیم کوڑا زنی بتاتا ہے۔ ہر آنکھوں کا تارا، ہر نورِ چشم معاشرہ کو دن میں تارے دکھاتا رہے گا اور بالآخر پابندیوں کا سانس بھول جائے گا۔ ضرورت طلبہ کی تنظیموں پر پابندی کی شاید نہیں تھی، درس گاہوں کی بدنظمی کو پابند کرنا لازم تھا۔ دراصل گھوڑا اکھڑ ہے، معصوم و ناتجربہ کار سوار تو صرف گرا ہے۔ سوار کو صرف دابنا چاہیئے تھا، لگام تو گھوڑے کو درکار تھی۔ کیا یہ سہواً نہیں ہوا کہ اصطبل کا دروازہ بند کرنے کی بجائے جیل کا دروازہ کھول دیا گیا۔ جو آلۂ کار ہو وہ تنظیم نہیں ہوتی، بے روح تنصیب ہوتی ہے۔ ایک کے تسلّط سے نکال کر دوسرے کا آلۂ کار بنا دینا کوئی خدمتِ ملک و قوم نہیں ہوگی۔ پابندیاں اگر فقط سیاسی مقاصد

Marfat.com

کے لئے ہیں "خدا نہ کرے کہ ایسا ہو" اگرچہ سیاسی جماعتوں کو اُجرتِ تعاون نہیں دی جارہی تو یہ بھی خیال رہے کہ سازشیں زیرِ زمین بھی ہوتی ہیں اور زیرِ آب و تاب بھی۔ کمندیں جھونپڑیوں پہ پھینکنے کے لئے نہیں ہوتیں، ایوان ہی ان کی زد میں ہوتے ہیں۔ ایوان جو ہمیشہ لاوا بھری بنیادوں پر ایستادہ ہوتے ہیں۔ معاشرے صرف ایک ہی وجہ سے ترقی پاتے ہیں کہ نیک نیتوں کے گھروں کے چور دروازے نہیں ہوتے۔ اگر واقعی اصلاح مقصود ہے تو یہ بھی واضح رہے کہ استادی پیشہ نہیں ہوتی اور تعلیم دی جاتی ہے، فروخت نہیں کی جاتی۔ خریدنے ہوئے علم کا حامل بک ہی نہیں جایا کرتا، اپنی بولی آپ ہی لگایا کرتا ہے۔ ہر بڑا یہ احساس کرے کہ طلبہ عمداً ایک اذیت ناک ذہنی کش مکش، دو رخی اور رنوطیت کے معصوم شکار بنا دیئے گئے ہیں۔ انہیں حریصانِ اقتدار کی ذہنی حراست سے نکالنے کا یہ کوئی اچھا طریقہ نہیں کہ انہیں قید بامشقت کی ابتلاؤں کے سپرد کر دیا جائے۔ والدین جب انہیں پابند سلاسل دیکھیں گے، بہنیں جب ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھیں گی، مائیں جب انہیں قیدیوں کے لباس میں پائیں گی تو مقدر کو رونے کے لئے اتنے آنسو کیا حکومت مہیا کر سکے گی۔ ہو سکتا ہے حکومت خود بھی آبدیدہ ہو جائے۔ حکومتیں عوامل پر نہیں، محرکات پہ نظر رکھا کرتی ہیں۔ جواز کے پیچھے ڈنڈا لے کر نہیں بھاگا کرتیں، وجہ تلاش کیا کرتی ہیں۔ ایسا نہ کیا گیا تو ؎

کھیل بچوں کا ہوا، دیدۂ بینا نہ ہوا

Marfat.com

یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

نظریات قومیت، قوم و وطن، جمہوریت، اشتراکیت، مزدکیت، ملّائیت، پیشوائیت، خانقاہیت و فسطائیت کی منافقتوں کے پردے چاک کرنے والے، تحفظ شرفِ انسان کے علمبردار، علامہ اقبال رح کے نظریہ ملّت اسلامیہ کو ادبی خانقاہوں کے جاروب کشوں، تشہیری دانشوروں، نیچرلزم کے نخچیروں، ذہنی بوالعجبوں نظری جہاںنماؤں، اجارہ دار سوشلسٹوں، مخمور لادینوں، سیاسی چومکھوں اور دینی دورخوں نے کیا کیا زخم لگائے، نوع در نوع لیپ لگائی، رنگ برنگ پھاہے رکھے۔ کس کس انداز سے پٹیاں سجائیں، کن حیلوں بہانوں سے جسد پاکستان کے ایک حصّہ کو لاعلاج قرار دے کر کاٹ ڈالا۔ کن طور طریقوں سے اب باقی ماندہ لخت شدہ پاکستان کی مصنوعی لسانی و نسلی تقسیم کو ہوا دے کر صوبائی خودمختاری بلکہ کنفیڈریشن کی بھٹی کی آگ کو تیز کیا جا رہا ہے۔ ایک ایسی توجہ طلب، صبر آزما داستان طویل ہے کہ بیان کا بھی ارادہ کریں تو یہ اجارہ دار دیدے پھاڑ، پنجے جھاڑ سالمیتِ پاکستان پر یوں جھپٹ پڑتے ہیں جیسے پاکستان میں محبِ وطن شہری نہیں بستے، صرف اس کے کفن فروشوں نے دکانیں کھول رکھی ہیں۔ مادرِ وطن کی کوکھ کے کچھ ناسور، طاغوتی طاقتوں کے چند ہم زاد، کچھ بہروپیے، آزر نگارے، نمرود نقاشے،

Marfat.com

ملّت نازاد، نہایت پرکاری سے بسورتی ہوئی علاقائی محرومیوں اور وسائل کی غیر مساوی تقسیم کو بہانہ بنا کر نسلی رقابتوں اور لسانی تعصب کو اس غرض سے ہوا دیتے ہیں کہ پاکستان کے آفاقی نظریات کو وفاقی و صوبجاتی غیر اسلامی آئینی قطامہ کے کھو کھلے دہن میں پان کی گلوری کی مثل ٹھونس دیا جائے۔ اور نیل کے ساحل سے تا بخاکِ کاشغر ایک ہونے کے متمنی مسلمان کراچی تا لنڈی کوتل یوں پل پڑیں جیسے دورانِ شب اندھی بلّیاں قصّاب کے خون آلود تختے پر زبانیں چلا رہی ہوں۔ ایسی ہی منافقتوں کے باعث آج تک سرزمینِ پاکستان عملاً بے آئین رہی۔ اور ہر شہری نے ہاتھ باگ پر ہیں نہ پا ہیں رکاب میں کی کیفیت میں گرفتار سوچوں میں ڈوبا رہا کہ رختِ سیاست نہ جانے کب اور کہاں تھے۔ مارشل لاء کی چوکھٹ پر یا کسی جاگیر دار کی امر بیل کے سائے تلے۔ اگر حاکمیت اُسی کی ہوتی ہے جس کا حکم صادر ہو تو مادرِ وطن پر افرنگ کے قوانین اور اسلوبِ آئین کی عملداری کے پیشِ نظر کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارے یہاں آج بھی انگریز کی حاکمیت قائم ہے۔ سنتے ہیں فکرِ افرنگ کے پنجۂ خونیں میں تڑپتے ہوئے مسلمان صفدروں نے آزادیٔ اسلام کے لئے مطالبۂ پاکستان کیا تھا۔ کیا پاکستان اس لئے وجود میں آیا تھا کہ ہم آزادوں کے غلام ہونے کی بجائے غلاموں کے غلام بن کر رہ جائیں۔ ہماری تمام تر سیاسی فکری کاوشں نفاذِ آئینِ اسلام کے لئے تھی یا فقط یہ تقاضا تھا کہ روسو اور شیلے شلوار قمیص پہن لیں۔ روسی قراقلی ٹوپی پہن کر لارنس آف عریبیا عربی میں گفتگو کرے۔ لین پول اور سمتھ کی فکر کو تخلیق ابو حنیفہؒ قرار دے دیا جائے۔ اقبالؒ کے ذہن میں نطشے اور گوئٹے کے چراغ روشن کر دیئے جائیں۔ ایوانِ صدر کو میکاولی کی سرکاری فکری آرامگاہ قرار دے دیا جائے۔ قانون سازاداروں میں میکالے کے فکری فرزند ڈیرے جمالیں۔ سیاست پر

Marfat.com

صرف وکٹوریہ کراس کی برٹیڈ کی اجارہ داری ہو۔ ۱۸۵۷ کی غدّاری کے تمغے ہر نوائے قیصری پر رقصاں رہیں، ہر استبداد پران کی کھنک کو ہی قومی نغمہ تصوّر کر لیا جائے۔ ہر روز نئے چنگیز کا دربارِ عام لگے۔ ہر شب نئے ہلاکو کے دربار میں تحریکِ پاکستان کے شہداء کی پیشی ہو۔ اذہان کو جمود کی رسدگاہوں میں مقیّد کر کے زبانوں پر تالے ڈال، دست دیا مفلوج کر، ٹوٹے ہوئے قلم انگلیوں کے ساتھ باندھ دیے جائیں اور فرمائش ہوتی رہے کہ تاریخِ آزادیٔ مسلمانانِ برصغیر تحریر کرو۔ افرنگ کے خلعت واکرام یافتہ تفریقی مدرسوں اور مُدرّسوں کے اسمائے گراں نما کے ہجے سناؤ۔ اسلام کے لئے جمہوریت، سوشلزم، مذہبی ریاست جیسی اصطلاحات تلاش کرو۔ واشنگٹن کی طرف منہ کر کے حی علی الصلواۃ اور ماسکو رُخ ہو کر حی علی الفلاح پکارو۔ تصوّرِ لندن قائم کر کے نیّت باندھو کہ ہمارا ہر محمود قتلِ ایاز پر آمادہ اور ہر ایاز مرگِ محمود کا طالب رہے گا۔ تفریق و تقسیم، گروہ بندی، فرقہ سازی اور دینی و سیاسی پارٹی بازی کی راہیں تلاش کرو۔ اس کارِ فرعون کے لئے تاریخِ اسلام کو مجروح کرنے سے بھی گریز نہ کرو۔ اوّل و سابق مہاجر و انصار، حتیٰ کہ یہود و مومنین کے حوالے سے مسلمانوں کی سیاسی تفریق کو جائز قرار دو۔ جو فرقہ بندی دین میں ناجائز ہے، اُسے سیاست میں لازم قرار دے کر دین و سیاست کو جدا کر کے چنگیزیت برپا کرو۔ اپنے فرائض کے مزار پر بنیادی حقوق کی چادر چڑھاتے رہو۔ اقتدارِ اعلیٰ کے مستقل حریص اور ندیدے مخالف پیدا کرو۔ اس تفریق و تقسیم کو مفکر و معمارِ پاکستان کے حوالے سے ہی نہیں، خلفائے راشدینؓ کے واسطے سے درست ثابت کرو۔ حتیٰ کہ امام حسینؓ کو قائدِ حزبِ اختلاف قرار دیکر یزید کو بالواسطہ اسلامی ریاست کا آئینی سربراہ ٹھہرانے سے بھی گریز نہ کرو۔ عمر فاروقؓ اور اورنگ زیب کے آئینِ حکمرانی میں فرق و امتیاز پر اپنی حلوے میں لتھڑی ہوئی نمکین زبانیں پھیلا دو۔ اپنی حرصِ جہانگیری کو گم گشتہ کلیدِ میخانہ کی تلاش میں معروف

Marfat.com

رکھو۔ اور عوام کو "ہلال عید بر اوجِ فلک ہویدا شد"، کی دروغ خبری پڑھا سے رکھو۔ اگر کوئی بندوں کی حاکمیت کے تخلیق کردہ اداروں کے ما فی الضمیر کی نشان دہی کرے تو مغربی کرگسوں کی صحبت میں پلے ہوئے ، قلب و ذہن کے تضاد میں گرفتار مولوں کو ابا بیلانِ سیاست قرار دے کر دیارِ افرنگ میں مہارت مزید کے لئے یہ کہہ کر روانہ کرو کہ یہ بے چارہ آنکھ سے معذور ہے، اسے کان سے سنائی نہیں دیتا۔ اس کی رگوں میں خون منجمد ہوگیا، اس کی حرکت قلب غیر متوازی ہے۔ انہیں ماحولِ مادرِ وطن نے "صم" "بکم" کردیا ہے، انہیں حکمِ حاکم "عمی" کئے ہوئے ہے، بغرض علاج ارسال ہیں سیاسی پناہ دے کر عالم پناہ انہیں از سر نو "قلب ختم" کردیں تو شاید کسی مفید کام آجائیں۔ اور خود وہ نعرۂ بحالیٔ جمہوریت لگاؤ جس کی سُروں میں تمہارا اقتدار نغمہ زن ہو۔ صوبائی تفرقہ پر مبنی وفاقیت پر بھی صبر نہ کرو۔ کنفیڈریشن کا شوشہ چھوڑ کر "ہر چہ پدر نتواند پسر تمام کنند"، کا عمل اختیار کرو کہ حصول اقتدار کے لئے پاکستان مزید لخت لخت بھی ہو جائے تو سودا مہنگا نہیں۔ ایسے دریدہ ذہن سیاست دان کاش یہ جانتے کہ انسانی حریت اور معاشی بہبود کا اسلامی نظام آئینِ اسلام کے نفاذ کے بغیر ممکن نہیں اور آئین اسلام کا نفاذ سیاسی تفریق کو ختم کرکے فکری و عملی یک سوئی و یک جہتی کا ضامن ہے۔ مغربی شخصی آزادی کا تصوّر محض ڈھونگ ہے۔ آئین اسلام روبہ عمل ہو تو غیر تو کجا، ہر انسان کے اندر کا تعمیری ارتقائی، قلبی انسان اس کے باہر کے جسمانی و ذہنی انسان کی گرفت سے آزاد ہو جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو کوئی انسان آزاد کہلوانے کا مستحق نہیں ہوتا۔ کاش ان لوگوں کی نگاہ انسانی آزادی کے اسلامی معیار کا احاطہ کرسکتی۔ افسوس انہیں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا۔ کاش یہ جانتے کہ اسلام نے دیگر افراد سے ہی نہیں، انسان کے قلب کو اس کے ذہن سے آزاد کیا ہے، لا فنا کو فنا پر حادی کیا ہے۔ اسلام میں اذہان کی اجسام پر حکومت نہیں، قلوب کی قلوب

Marfat.com

سے ہم آہنگی کا آئینی نظام ہے۔ دو انسانوں کے ذہن کی پیدا کردہ عقل کبھی ایک نہیں ہوتی مگر انسانی قلوب میں کبھی اختلاف رائے نہیں ہوتا۔ اذہان کے مسخر کئے ہوئے انسان فرقوں اور پارٹیوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اور سلطانی قلوب میں انسانیت ہمیشہ متفق و متحد رہتی ہے۔ یہی فرق اُمت اور سیاسی پارٹی میں ہے۔ پولیٹیکل پارٹی کو سیاسی جماعت کہنا بھی ذہنی پُرکاری ہے۔ جماعت تو اجماعِ جمع کے ماحصل کا نام ہے۔ گروہوں، فرقوں اور پارٹیوں کی تفریق و تقسیم کو تو جماعت سازی نہیں کہا جا سکتا۔ اقتدار کے حصول کے لئے یہ طرزِ عمل اور پھر اس کے لئے مہم جوئی کون سی آیت قرآن پاک اور حدیثِ رسولِ مقبولؐ کی رو سے درست و صالح ہے۔ ایک مسلمان سے بڑھ کر انسانوں کی آزادی و تکریم کسے مقصود ہوگی۔ مگر یہ بھی تو جانو اور مانو کہ انسانوں کی حاکمیت میں انسانوں کی آزادی محض ایک پُر فریب ہم رنگ زمین جال ہے، سرابِ رنگ و بو ہے۔ انسانی ضمیر و شعور کی آزادی کے لئے بندوں کی حاکمیت کا یکسر ختم ہونا اور خالق انسان کی حاکمیت کا قائم ہونا ازبس لازم ہے۔ ورنہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری کا عمل جاری رہے گا۔ ماں کی اطاعت شرف اولاد ہے، اور خالق کائنات کی حاکمیت کو ضابطہ حیات کے بنیادی آئینی اصول کے طور پر قبول کر لینا ہی شرفِ آدمیت ہے۔ بندوں کی آقائی کا کیا یہ حل نہیں کہ اسے حاکمیت الٰہی کے تسلط میں یوں دے دیا جائے کہ بندوں کے مابین تمیز بندہ و آقا یکسر ختم ہو جائے۔ آئین اسلام نے اس تمیز کو لاثانی منفرد طریقہ سے ختم کیا ہے۔ جو فرائض اہل کارانِ حکومت کے ہیں، وہی ہر انسان کے ہیں اور جو حقوق ان اہل کاروں کو حاصل ہیں، وہی ہر انسان کو ہیں۔ یوں اسلامی ریاست حکم و اختیار کی بجائے عدل و احسان کی ریاست بن جاتی ہے، اور تمام تر تفریق و تمیز مٹ جاتی ہے۔ ہر سیاست دان اپنے ہی سر پہ ہاتھ رکھ کر

Marfat.com

قسم کھائے کہ کیا ہمارے ہاں کا نظامِ سیاست، دولت، زرخرید نعرہ بازی، ناجائز اسلحہ، تشدد، لوٹ مار، آتش زنی، دھاندلی، ووٹوں کی خرید و فروخت، سازش، خوشامد، غیر اخلاقی اور سماج دشمن حرکات، جھوٹ، مکر، فریب بددیانتی کا محتاج نہیں۔ یا مزید وہ بھی بیان کرنا ہوگا جو مختصر مدت میں کسی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ کچھ کہ تاریخ کا رواں رواں لہولہو ہو جائے کیا یہ درست نہیں۔ کہ یہ نظامِ سیاست عوام کے حق رائے دہی کا یوں غلط استعمال کرواتا ہے کہ قانون سازاداروں کے لئے مطلق اَن پڑھ اور نابلد افراد منتخب ہو جاتے ہیں۔ کیا اس نظامِ سیاست نے ناروا دینی فرقوں کی بِنا پر سیاسی جماعتیں تشکیل نہیں کروائیں۔ کیا اس نظام نے سیاسی پارٹیوں کی سربراہی قیام پاکستان کے مخالفین کے ہاتھ میں نہیں دے دی۔ کیا ہماری مقننہ عدالتی فیصلوں کو اپنی اغراض کے پیشِ نظر کالعدم کرنے کے لئے بددیانتی سے قوانین و آئین، حتیٰ کہ عدالتی اختیارات پر ہاتھ صاف نہیں کرتی رہی۔ کیا ہماری عدالتوں نے آئین کو معطل کرنے یا کالعدم کرنے میں ہاتھ بٹائے ہیں یا نہیں۔ کیا ہمارے منتخب نمائندے وطن کی سالمیت کے ساتھ، ہاتھوں سے بنانے اور پاؤں سے ڈھانے کا بچوں کا سا کھیل نہیں کھیلتے رہے۔ کیا ہمارے ہاں سیاست پیشہ بن کر نہیں رہ گئی۔ انکار ہو تو کیا نام گن کر بتانا ہوں گے۔ کیا ہمارے ہاں نظام سیاست کے حزب اختلاف کے راہ نما حزبِ اقتدار سے درپردہ سودا بازی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ کیا ہمارے ہر سیاسی رکن اسمبلی نے خصوصی مراعات حاصل نہیں کیں۔ کیا اپنی کم علمی اور نااہلیت کی وجہ سے ہمارے منتخب وزراء بیوروکریسی کے دست نگر اور کاسہ لیس نہیں رہے۔ عوامی بنیادی حقوق کا کوئی ایک علمبردار بتائے کہ آج تک دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری کی ترمیم تک کی تجویز کیوں پیش نہ ہوئی حالانکہ کم و بیش ہر کوئی اس کی زد میں۔ کیا ہمارے منتخب شدہ افراد ۱۲ اکتوبر کو ۱۲ اکتوبر

Marfat.com

مسیح کو مساج پڑھتے اور "آئس" کی بجائے "سَنو" طلب نہیں کرتے رہے۔ کیا اس نظام سیاست کے دیدہ وروں نے دہسکی نواز نہیں دیکھے یا وزراء تھانہ ٹبی میں نہیں پٹے۔ شریف گھروں کی بیٹیوں کا اغوا ہمارے صوبائی عمّال کے ذمہ نہیں لگا۔ طوائفیں جن کی بدکرداری سے الامان پکار اٹھی تھیں، کیا وہ اسی نظام کے منتخب شدہ نمائندے نہیں تھے۔ کیا ہمارے نظام سیاست نے سرخ سویرے کی نوید دینے والے، مادرِ ملت کو بیہودہ القاب دینے والے کبھی وزارتوں پر قابض اور کبھی مسلم لیگی راہ نما بنتے ہوئے نہیں دیکھے۔ جنرل رانیاں جب کتاب لکھیں گی تو نہ جانے کون کون آئینہ رُو اپنے آئینوں پر سیاہی ملیں گے۔ کیا اس نظام نے راتوں رات ری پبلکن پارٹی بنتے نہیں دیکھی، پاکستان کے بدترین مخالف کو مغربی پاکستان کا وزیراعلیٰ بنتے نہیں دیکھا۔ کنونشن لیگ کس سیاسی مکتبہ فکر کی دریافت تھی۔ آج کے مارشل لاء حکومت کے وزراء اور مجلسِ شوریٰ کے ارکان کیا ہماری سیاسی پارٹیوں کے رکن نہیں رہے۔ کیا سول چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی اصطلاح کسی غیر سیاسی فرد کی دریافت تھی۔ کیا ہمارے سیاست دانوں نے موجودہ مارشل لاء کی معاونت کرکے اسے مستحکم نہیں کیا۔ کیا یہ نظام منتخب آمریت سے آشنا نہیں۔ دلائی کیمپ کیا کسی غیر کی سلطنت کا کارنامہ تھا۔ خدا کے لئے بتاؤ، جو خدا کے دین میں فرقہ بندی سے باز نہیں رہے۔ ان سے سیاسی دکانداری سے باز رہنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ جو دانش ورانِ پیغمبرؐ اور خلفائے راشدین کی تکریم کو مجروح کریں، کیا ان کے سپرد عام انسان کی تکریم کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔ انگریز کے قائم کئے اور پروان چڑھائے دینی مدرسوں سے محبّانِ وطن فارغ التعلیم ہوئے، تسلیم کرلیا جائے۔ آئندہ نسلوں کی تربیت ان کے سپرد کردی جائے جن کے فتوؤں سے مفکّرِ پاکستان اور معمارِ پاکستان تک محفوظ نہ رہے۔ اگر یہ سب کچھ ہم پر گذر چکا ہے تو پھر ہمارا طریق انتخاب

Marfat.com

اور طور سیاست ترمیم طلب ہے۔ ہم نے طریقِ انتخاب اور طرزِ سیاست سے رسا کارانہ امیدواری اور عہدہ طلبی و مہم جوئی کو علیحدہ نہ کیا تو الیسوں ہی کی افزائش نسل ہوتی رہے گی۔ یہ تمام ترخرابیاں ہمارے آئین و قوانین و نظامِ سیاست کی خرابیاں ہیں۔ اتنی خرابیاں کہ ہم اپنی نظروں میں پسندیدہ نہیں رہے۔ آئین و قانون کا مقصد ہی ایک خاص نوع کی تربیت و پرورش ہوتا ہے۔ جیسا آئین ہوگا ویسی حکومت ہوگی۔ جیسا قانون ہوگا، ویسے ہی افراد ہو جائیں گے۔ وہی شخص جو قتلِ رسول ﷺ پر آمادہ تھا آئین و قوانین اسلام کے سلسلے میں آگیا تو عمرؓ و فاروقؓ کہلوایا۔ جو نہ آیا ابوالحکم کہلاتا تھا، ابوجہل قرار پایا۔ جس نے آئین اسلام کی خلاف ورزی کی تاریخ کا بوجھ بنا رہے گا۔ جس نے اس فعل پر احتجاج کیا وہ حسینؓ ابن علیؓ ہے کہ اللہ بھی فرماتے ہیں، اسے مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہے۔ یہ آئین و قانون ہے جو کبھی عثمان سیٹھ بناتا ہے کبھی عثمان غنیؓ۔ آئین ہی راشدین بناتا ہے اور آئین ہی چنگیز و ہلاکو۔ کیا ہمارا نظامِ سیاست نفاذ نظامِ مصطفےٰ کی تحریک کو بحالی جمہوریت اور پھر ایک فرد کے خلاف تحریک میں نہیں بدل چکا۔ کیا ہمارا نظام سیاست "کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ۔ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا"، کی محرک تمثیل نہیں ہے۔ کیا ہم وہ قیدی نہیں جو جیلر کے تبدیل ہو جانے پر خوشی خوشی جیل کی دیواریں خود اپنے ہاتھوں مزید بلند کر لیتے ہیں۔ کیا ہم آج بھی افرنگ کے ذہنی و فکری سیاسی غلام نہیں۔ کیا اسی غلامی کے زیر اثر ہم نے رستہ گیر عصمت و عفت کے لیٹرے اور ازلی ایسے تیسے لوگ اسمبلیوں کی کرسیوں پر نہیں سجائے رکھے۔ کیا ہماری سیاست نے بستہ در بغل ہونے کی بجائے طمنچہ بدست ہونے کا درس دے کر قوم و ملک پر احسان کیا ہے۔ کیا ہم اپنے علم دین کو اکابرین کی اہانت، امتِ مسلمہ کی تفریق و تقسیم کے لئے استعمال کر کے سیاسی مفادات حاصل نہیں کر رہے۔ کیا ہمارے آئین و قوانین ہمیں اخروی زندگی کے لئے تیار کر رہے ہیں،

Marfat.com

کیا ہم آئینی طور پر اس زندگی کے منکر ہو کر رہ گئے ہیں۔ کیا ہماری سیاست میں دین نہیں رہا۔ دنیا فروخت نہیں ہو رہی۔ کیا ہمارا شعور فقیہانِ مصلحت بیں کی گرفت میں نہیں اگر ان میں سے کوئی ایک بات بھی صحیح ہے تو ہم وطنو! ہماری فکر، ہماری دانش ہمارا عمل، ہماری سیاست، ہمارا آئین، ہمارے قوانین سب ترمیم طلب ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دینِ اسلام میں تشکیلِ حکومت، نظامِ حکومت، طریقِ انتخاب یا طرزِ عمل کا کوئی واضح طریق نہیں ہیں، وہ اگر فریب خوردہ دروغ گو نہیں تو کم فہم ضرور ہیں اور عمداً یا سہواً اسلام کو دینِ نامکمل، ناقابلِ عمل، غیر مؤثر و غیر آفاقی ثابت کرنے کے ناپسندیدہ نقصان دہ فعل میں مبتلا ہیں۔ یقیناً ہمارے احوال اب صرف بحث طلب نہیں، اصلاح طلب ہیں۔ کوئی ہے جو راہ نمائی قبول کرے، ہمیں امتیازِ ناقص و کامل دلائے۔ ہم پر اور اپنے آپ پر اللہ کی حاکمیت قائم کر کے ہمارے اور اپنے عبدہٗ ہونے کا اعلان کرے۔ کوئی تو ہوگا۔ اگر کوئی نہیں تو آؤ، اپنے آپ کو یہ سنائیں۔

رکھیو! غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

Marfat.com

جنابِ صدر!
آپ زیرِ امتحان ہیں

عروبِ دانش کے اس دور میں ملکی حالات، قومی مفادات اور اُن آلام و مصائب سے توقطعِ نظر ہونا ہی تھا جن کے تلے عوام ہونک رہے ہیں۔ بحالیِ آئین و انعقادِ انتخابات کے مسائلِ سادہ بھی زلف دراز بن کر نہ صرف صیّاد کے لئے دامِ دائم ثابت ہو رہے ہیں۔ بلکہ انجامِ گلستان سے بے خبر، سوکھی ہوئی شاخوں پر او نگھتے ہوئے دانشور بھی "کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک" ہُوکنے لگے ہیں۔ ۱۲ اگست ۱۹۸۳ء کے "ابھی تو میں نادان ہوں" کے اعلان کے بعد تحریک بحالی جمہوریت نے منزل ناآشنائی کے ناقابلِ تردید ثبوت مہیا کئے۔ مذاکرات کے دوران جس انداز سے "وہی خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں" کی کیفیتوں کا مظاہرہ کیا گیا، اس کے زیرِ نظر تاریخ آج کے اسلام پسندوں کا ماتم غیر محرّم لازم قرار دینے میں حق بجانب ہوگی۔ مذاکرات کا ماحصل قوم کو "مذاق رات" کے سوا کچھ بھی عطا نہ کر سکا اور اسی رات کی تاریکی میں مذاکراتی شیوخ نے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ کو پہرہ داروں کے پاؤں کی چاپ جان، پہلے تو ادھر ادھر دیکھا اور پھر سر جھکا کر داخلِ میخانہ ہوگئے کہ وقت آخر ہی آگیا ہے تو خاک وہیں کیوں نہ پہنچے جہاں کا خمیر تھا اور سیاسی نابیگی کے ثبوت میں منبر میخانہ سے یہ اعلان فرما دیا کہ کسی دستاویز میں اگر "محض" اسلام کو ریاستی

Marfat.com

مذہب قرار دے دیا جائے اور کسی متعینہ عرصہ میں بہ اندازۂ ذوقِ حکومت افرنگ مسلمان کُشی کے لئے جو قوانین رومن اینگلوسیکسن مکتبۂ فکر کے اصولوں کی بنا پر رائج کئے گئے تھے۔ انہیں اسلام کے مطابق کرنے کی غیر مؤثر شق کسی آئینی دستاویز میں زیبِ داستان یا فریبِ شوق کے لئے شامل کرلی جائے تو کارِ نفاذِ اسلام اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ ان حالات میں آئندہ صبح کاذب کے وقت مختصر وقت کے لئے شاید چاند تو بالفرض غرب طلوع ہوجائے، شفق پھوٹنے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اللہ کی حاکمیت کو عوامی قوّت کے سرچشموں سے سیراب کرنا اگر مقاصد دستورِ مملکت کا جزوِ لاینفک قرار دے دیا جائے، نام نہاد عالمان دین اگر عاملانِ سیاست بن کر اس عقلِ مختصر سے بھی عاری ہوجائیں کہ اسلام کو دینِ ریاست قرار دے کر، مغربی جمہوریت کو سیاست اور سوشلزم کو معیشتِ ریاست قرار دینا، دین اسلام کو نامکمل اور مکتبہ ہائے غیر سے امداد طلب ہونے کا اعلان کرنا ہے۔ دینِ اکمل پر طعن کرنا اور دستوری طور پر یہ تسلیم کرنا ہے کہ اسلام دین مکمل نہیں ہے۔ اور نظریاتِ سوشلزم و مغربی جمہوریت کے اولین مفکر اور پیغمبر اسلام مجموعی طور پر ہمارے فکری راہنما ہیں۔ یہ تسلیم کرنا ہے کہ اسلام کا اپنا کوئی منفرد اصولی سیاسی یا تشکیلِ حکومت کا کوئی نظام نہیں اور فی زمانہ رائج شدہ نظام ہائے حکومت سے سُود پر اُدھار لئے بغیر اسلام کی جھولی کو بھرا ہوا نہیں کہا جاسکتا۔ ان حالات میں اقتدار ذی شان اپنی بساطِ سیاست کو میدان جنگ کے طور طریقوں سے سجا رہا ہے اور سیاستِ پریشان و پشیمان یوں بھری بیٹھی ہے کہ گھڑی دو گھڑی میں خودکشی کا مصمم ارادہ ہو۔ یہی انداز رہے تو سابقہ انتخابات کے بعد کے مذاکرات اور موعودہ انتخاب سے پہلے

Marfat.com

حالیہ مذاکرات میں جمہوریت کے سوئم اور چالیسویں کا ہی فرق ہوگا۔ انتخابات سے متعلق فریقین کی متضاد تجاویز ونکتہ ہائے نظر کے ماحصل کی صورت مسجد کے دروازے پر "یہ شارع عام نہیں ہے۔ داخلہ کے لئے تحریری درخواست بمعہ حلف نامہ وثبوت طہارتِ قطعی نوّے دن پیشتر وزارت داخلہ کو بھجوایئے" کے نوٹس بورڈ ایستادہ کرنے کے مترادف ہوگی۔ یوں نیم مغربی طرز کی ایک بے اختیار پارلیمنٹ اس چونکا دینے والی صورت حال پیدا کرنے کی ذمہ دار بن جائے گی کہ رادھا کو نچوانے کے لئے نومن تیل اکٹھا ہوتے ہی مادھو بانسری اٹھا یہ کہہ چلتا بنے گا کہ یہ صرف بھینس کے سامنے بجانے کی چیز ہے۔ سیاست اگر ان ہی مصلحتوں کا نام ہے کہ نظامِ خلافت رسولؐ کا دعویٰ ہو اور بہ باطن مغربی جمہوریت کے چنگیز سے بھی تاریک تر اذہان کو شمعِ راہ قرار دیا جا رہا ہو۔ مغربی جمہوریت کی سرمایہ دارانہ منافقت پر سوشلزم کے الحاد کا غلاف چڑھا کر تکیہ اقتدار پر استراحت فرمائی جائے۔ صرف اونگھ آنے سے پہلے کلمہ طیبہ کے ورد کا اہتمام قائم رکھا جائے۔ تو باب اسلام پر یہ تختی بہرحال آویزاں کرنا ہوگی کہ " مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ "۔ سیاست اگر یہی ہے کہ دستور رائج ہو تو اس کے مصنف کے خلاف تحریک چلائی جائے۔ وہ نہ رہے تو اس کی تصنیف کی بحالی کے دعویدار بن جاؤ۔ جن کے ساتھ فکری نبرد آزمائی ہو، ان ہی سے گٹھ جوڑ کر لو۔ قاتل مقتول کی فاتحہ خوانی کے لئے اپنے گھر کے سامنے دریاں بچھا لیں اور مقتول کی تصنیف ذہنی تخلیق کو ہاتھوں میں لئے ماتم کناں ہوں۔ سیاست اگر یہی ہے کہ نفاذِ نظامِ مصطفیٰ کی منزل قریب آئے تو اسے ثانوی مسئلہ قرار دے دیا جائے اور وہ بھی یہ کہہ کر کہ ابھی ہمارا وہ گدھا نہیں مانا جس پر کتابیں لدی ہیں، ہم آئیں گے تو نظام مصطفیٰ لائیں گے۔ اور پھر یکایک عوام کے جذبات کے نقش کو جمہوریت کی جنازہ گاہ میں رکھ صفیں سیدھی کرنے کی ہدایت

Marfat.com

فرمائی جائے۔ میّت کی بخشش کے لئے دُعا مانگی جائے کہ اللہ تعالیٰ جمہوریت کو بحال فرما، ہمیں فی الحال معاون بننے کی توفیق عطا فرما۔ تو اس ہیرا پھیری میں عوام اور کارکنوں کے ساتھ جو ہوگا، وہ تو ہوگا ہی۔ عدالتی اختیارات کی وہ چھتری بھی لازماً ٹوٹ جائے گی جو تیز دھوپ، طوفانی بارش یا برف باری کے دوران انسانی اجسام کی حفاظت کے لئے استعمال کی جاسکتی ہو۔ اس کے بعد کوئی بحالیٔ جمہوریت کا دعویدار بنے، بحالیٔ فکرِ و اتحادِ عوام کا طلب گار ہو، منّت کرے یا دھمکی دے، مار کھاتا جائے یا تشدد پر آمادہ ہو، قائداعظمؒ اور حکیم الامتؒ کے مزاروں پر بغیر منہ چھپائے جانے کا اہل نہیں رہے گا، مقفّل دروازوں پر بے سود دستکیں دے گا اور ہتھیلیاں سہلاتا سر جھکائے "خود کردہ را علاجے نیست" بڑبڑاتا واپس چلا جائے گا۔ کسی آخری آرام گاہ کی تلاش میں، تھکا ہارا ابدی نیند سے تھکاوٹ مٹانے کا متمنی۔

لہذا اصلاح صورت احوال کے لئے کسی ایسے مرد سے مخاطب ہونا اپنا، قوم اور ملک کا وقت ضائع کرنا ہے۔ جس دور میں سے ہم گزر رہے ہیں اس میں صرف اس امر کا احساس ہی دلایا جاسکتا ہے کہ جناب صدر! یہ آپ کے اقتدار کا نہیں، امتحان کا دور ہے۔ آپ کے نفاذ اسلام کی خواہش اگر واقعی دیرینہ اور پختہ ہے تو ذرا احتیاط فرمائیے گا کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا، جبرائیل کا پہنچایا ہوا اور رسولؐ کا لایا ہوا اسلام ہی ہو۔ مفکرّ پاکستان کے اجتہاد نے تو یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ مغربی جمہوریت اور اشتراکیت دونوں ابلیسی نظام ہیں جو اس نے اس لئے برپا کئے ہیں کہ شرعِ پیغمبرؐ آشکارا نہ ہونے پائے۔ ان نظاموں کو نافذ کر کے مسلمانوں کو ذکر و فکر صبح گاہی میں مست رکھ کر مزاج خانقاہی میں پختہ رکھنا اس کے کارندوں کی دوررس پالیسی ہے۔ حکیم الامت نے شاید صحیح نتیجہ ہی اخذ کیا ہو کہ دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد بن کر رہ گیا ہے اور

Marfat.com

وہ بے چارہ دین کی بنیادی اساس سے اس حد تک نابلد ہو کر رہ گیا ہے کہ فقط سجدے کی اجازت مل جائے تو اسلام کو آزاد قرار دیتا ہے۔ اگر یوں ہی ہے تو پھر یہ صورت حال بڑی احتیاط طلب ہے۔ علامہ مرحوم نے عقلِ عیّار کے سو بھیس بدلنے، زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن آجانے اور لہو پینے اور تعلیم مساوات دینے والے پُرکاروں کی طرف توجہ بلا مقصد تو نہیں دلائی ہوگی۔ صدیوں بعد کسی مفکّر نے الارض اللّٰہ، الملک اللّٰہ اور الحکم اللّٰہ کی اسلامی بنیادوں پہ آئین مملکت تیار کرنے اور ریاست عدل کو وجود میں لانے اور بنائے خلافت کو پائیدار کرنے کے لئے اسلاف کے قلب وجگر ڈھونڈھ کر لانے کی تلقین کی تھی۔ یہ کہا تھا کہ زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں اور پیروی سنت کے پردے میں حیلے بہانے اُمّت مسلمہ کو فرقوں میں تقسیم کرنے کی سازش کو بے نقاب کیا تھا۔ جناب صدر! یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ آگاہ رہیں کہ آج کے میدان سیاست کے کون کون سے رستم وسہراب قیام پاکستان کے مخالف اور اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے ہجو گو رہے ہیں۔ کون کون سی سیاسی جماعتیں تصوّر پاکستان وقیام پاکستان کا مضحکہ اُڑاتی رہی ہیں۔ کس کس نے اقبالؒ کو کافر اور قائداعظمؒ کو مغرب زدہ اور انگریز کا ایجنٹ کہا تھا۔ ایسے افراد سے راہ ورسم نہ ملک کے لئے، نہ قوم کے لئے اور نہ آپ کے لئے سود مند ہو سکتی ہے۔ ان چہروں سے نقاب نہ اُٹھے تو سرحد پار پیغام جاتے بھی رہیں گے۔ اور وہاں سے سندیسے آتے بھی رہیں گے۔

نظریاتی سرحدوں پر پگ ڈنڈیاں اور اعتقادی اداروں میں روزن بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ اس تخریب کاری کا علاج سرحدی حفاظتی طریقوں سے نہیں کیا جاسکتا۔ آستین کے سانپ کبھی کسی نے ڈنڈے سے نہیں مارے۔

Marfat.com

جناب والا! آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ تاریخ کو دو ٹوک فیصلہ دیں کہ اسلام میں فرقہ بندی، گروہ سازی اور متصادم نظریات کی دینی یا لادینی جماعتوں کے قیام کی اجازت ہے یا نہیں۔ قرون اولیٰ کے مہاجر و انصار کی ہنگامی مجالس یا علیؓ اور عائشہؓ کے درمیان جنگ جمل کی مبیّنہ داستانیں آج کی سیاسی پُرکاریوں کے لئے دلیل کے طور پر قبول کرنا یا پیش کرنا سیاستِ اسلام کے عنصر کو تیغ یزید کے سپرد کر دینے کا مکروہ عمل ہے۔ تاریخ کو فیصلہ درکار ہے کہ لا تفرقوا کا حکم اسلامی آئین میں نافذ العمل رہنا چاہیئے یا نہیں۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے، آپ تاریخ کو یہ فیصلہ دیں کہ مغربی جمہوریت اور سوشلزم کے اصولوں کو اپنائے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام ہائے حکومت اسلامی کہلوانے کے حق دار ہیں یا نہیں۔ تاریخ آپ سے فیصلہ چاہتی ہے کہ اسلام کو مغربی جمہوریت اور سوشلزم کی بیساکھیاں درکار ہیں یا یہ اتمامِ نعمتِ الٰہی کی حد تک مکمل دین ہے۔ تاریخ یہ فرض آپ کے ذمہ لگا چکی ہے کہ آپ یہ فیصلہ دیں کہ "جو عہدہ طلب کرے اُسے عہدہ نہ دیا جائے" کے دور رس اور منفرد اصول کو آپ اپنے طریقِ انتخاب و تنظیم و انتظامیہ میں سمو دینے کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ جب تک آپ صرف باوردی تھے آپ صرف جغرافیہ کے سامنے جوابدہ تھے، اب تو تاریخ کو یہ دریافت کرنے کا حق حاصل ہے کہ حاکمیت کس کی ہو گی۔ آپ کی، آپ کے رفیقان اقتدار کی یا اللہ تعالیٰ کی۔ کس کی رضا کا تسلط ہو گا۔ حاکم وقت کی، حکومت کی یا اللہ تعالیٰ کی۔ زمانہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کیا دستور اسلام میں کسی بھی حاکم وقت کی اپنی مرضی ہو سکتی ہے۔ جو اپنی مرضی، اپنے ذاتی رجحانات و خواہشات کی نفی نہ کرے کیا وہ بھی اسلامی حکومت کی سربراہی کا اہل ہو سکتا ہے۔ جو اپنی مرضی کے

Marfat.com

تسلّط کا دعویدار ہو، اپنی مرضی کو قانونِ مملکت بنانے کا عادی ہو۔ جو اللہ کی مرضی کا قطعی تابع نہ ہو، رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ ہو، کیا زمامِ کار حکومت و خلافتِ رسولؐ اس کے سپرد کی جا سکتی ہے۔ وقت اہل رائے کی تعریف دریافت کر رہا ہے، جنسی بلوغت اور بالغ رائے دہی میں فرق و امتیاز جاننا چاہتا ہے۔ تقویٰ و دانش کے باہمی روابط سے آگاہ ہونا چاہتا ہے۔ راہ زن و راہ نما کی دستوری تعریف کا طالب ہے۔ عوام الناس کے آلام و مصائب چیخ چیخ کر ذخیرہ اندوزی، گراں فروشی، ناجائز منافع، ارتکازِ دولت، جاگیرداری، سرمایہ داری و سرمایہ کاری سے متعلق آپ سے اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے اصولوں کے متعلق فیصلہ سُننا چاہتے ہیں کہ آج بھی وہ قابلِ عمل ہیں یا نہیں۔ مزدور کا پسینہ بھی اور مزدور کا خون بھی عرض گزار ہے کہ اسلام میں صنعت کار کون ہوتا ہے، صنعت میں کام کرنے والا یا صنعت میں سرمایہ لگانے والا۔ ہر دو کا صنعت کے نفع نقصان میں برابر کا حصّہ ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ طبقہ ان اصولوں پر فقط درس سننے کا ہی نہیں، اپنے زخموں کی مرہم کا طالب ہے۔ فرمائیے! آج کی تاریخ میں ان کے لئے کیا جواب تحریر ہوگا۔ نیل کے کنارے بھوکے کتّوں کے متعلق نہ سہی گلیوں میں بھوکی انسانیت اور پیٹ پھولی درندگی کے علاج کی ذمہ داری انتقال اقتدار کے ساتھ ساتھ آپ کس کو سونپ کر جائیں گے۔ رشوت ستانی، لوٹ مار، تشدّد پسندی غنڈہ گردی، طبقاتی نفرت کا نہ سہی، اُن کا مداوا ہی بتائیے، جو آج کے طریق انصاف کے ہاتھوں لٹ گئے۔ کچھ سرپھرے آپ سے انتقالِ اقتدار کا تقاضا بعد میں اور اور زمانہ کی سیاست کے ہاتھوں جو زخم اسلام نے، اُن کے اعتقاد نے، ایمان و یقین نے کھائے ہیں، اُن

Marfat.com

کا مداوا پہلے طلب کرتے ہیں۔ جنابِ والا! تاریخ ان ہی سرپھروں نے تحریر کرنا ہے۔ مزید سرپھرے آپ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبۂ اوّل آئینی اور دستوری طور پر سُننا چاہتے ہیں۔ تاریخ کی کتابوں کے سرورق ایسے ہی سرپھروں کے ہاتھوں تیار ہوتے ہیں۔ جو یہ ذمہ داری نہ نبھائے، یہ معجزاتی دیوانے اُسے تاریخی ستم شعار قرار دے دیتے ہیں۔ انہیں آج تک ایسا کرنے سے کوئی روک ہی نہیں سکا کہ ان کے قلم اٹھاتے ہی ستم شعار اپنے ہی ستم کی زد میں آجاتا ہے۔ جناب والا! غیر اسلامی، سیاسی و غیر سیاسی، جماعتی و غیر جماعتی طریقِ انتخاب کی بحث و تمحیص کے فلسفے ان زخموں کا علاج نہیں۔ جو قوم اپنے ذہن و قلب پر کھائے بیٹھی ہے۔ وہ ناسور جو قوم کے اذہان و قلوب پر سیاسی اجارہ داری کی منافقت نے ابھارے ہیں، ناقابلِ برداشت ہیں اور تاریخ ان کا مرہم اور مداوا طلب کر رہی ہے۔ اسلامی قوانین کے نفاذ، شرعی انصاف، زکوٰۃ و عُشر، قیام صلوٰۃ اور مجالسِ مشاورت کے متعلق تاریخ اپنے فیصلے چادروں اور چار دیواریوں پر تحریر کر چکی۔ نامعلوم آپ نے یہ نوشتے مطالعہ فرمائے یا نہیں۔ یہ تحریریں الفاظ میں ہیں، ہندسوں میں نہیں۔ حق و باطل کی آمیزش ہو تو ان تحریروں کی سیاہی پھیل جاتی ہے اور پڑھی نہیں جا سکتی۔ جناب والا! آپ کو احساس ہوگا کہ نفاذِ شرح اور نفاذِ شرع میں ہی نہیں، ان کے نتائج میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہ بھی محسوس ہو گیا ہوگا کہ اجسام پر اور دلوں پر حکومت کے اطوار ایک سے نہیں ہوتے۔ کامیابیاں نہ عرصوں کی محتاج ہوتی ہیں نہ عرصے ان کا معیار ہوتے ہیں۔ دانش و خلوص صرف متوسط طبقہ کا سرمایہ ہوتا ہے اور یہی طبقہ قوموں کا اصل سرمایہ ہوتا ہے۔ دولت کے

Marfat.com

ہر سکہ پر ایک طرف سازش اور دوسری طرف خوشامد کے پر پیچ نقوش ہوتے ہیں۔ یہ سکے قائداعظمؒ کی جیب میں ہوں تو بھی کھوٹے اور جعلی ہوتے ہیں۔ آپ کی صدارت تاحال قیادت آشنا نہیں ہے۔ نظامِ مصطفیٰؐ کے تمام جرنیلوں نے اپنے چہرے پولنگ بوتھ کی صندوقچیوں میں چھپا لئے ہیں۔ ان کا تعارف صرف ان کا انتخابی نشان رہ گیا ہے۔ غیر جماعتی طریق انتخاب ان کی سرکوبی یا احتساب کا مؤثر طریقہ نہیں ہے۔ صندوقچیاں کھلیں گی تو ماسوائے ڈراؤنی حیرت کے اور کچھ نہیں ملے گا۔ اس قسم کی سیاسی زکواۃ سے دانش عوام خودکفیل نہیں ہوگی۔ یہ خودرو سیاسی فصل عشر ادا کرنے سے قطعی انکار کر دے گی۔ یوں تشکیل پانے والی پارلیمنٹ سیاسی دیوالیوں کے دارالشفقت کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگی۔ بصورت دیگر سیاسی جماعتیں جو فقط سیاسی فنانس کمپنیاں بن کر رہ گئی ہیں، آج کالعدم ہیں تو کل "عدم" ہوں گی۔ پیشہ ورانہ سیاست جو سیاسی تجارت کی عادی ہو چکی ہے، فکر برپا کرنے اور فکر فروخت کرنے میں امتیاز کی اہل بھی نہیں رہی، فکری خلا کو اتنا وسیع کر دے گی کہ وہ پاکستان جسے مومنوں کی فکری جنت بنانے کے لئے وجود میں لایا گیا تھا، احمقوں کی جنت کی نمود ونشوونما کے لئے وقف ہو کر رہ جائے گا اور آئندہ نسلیں مغربی جمہوریت کے امود اور اشتراکی سانپ کی لڑائی کے سوا کچھ اور دیکھ پائیں گی تو وہ صرف رقصِ ابلیس ہوگا۔ اس لئے جناب صدر! تاریخ آپ سے فیصلہ طلب کرتی ہے کہ آپ عرصۂ اقتدار کی طوالت کے خواہاں ہیں یا تاریخ میں زندہ رہنے کے۔ تاریکیوں پر سے پردہ اٹھایئے کہ صبح طلوع ہو سکے، ورنہ آخرِ شب کے چراغ از خود بجھ جایا کرتے ہیں۔ رات بھر کے جاگے ہوؤں کے لئے نسیم سحری بڑی خواب آور رہتی ہے۔ جناب والا! تاریخ آپ کو دکھا

Marfat.com

رہی ہے کہ لوگ اسلام کو یوں سنگسار کر رہے ہیں جیسے عیسٰی اپنے منافق حواریوں میں پھنس گئے ہوں۔ بظاہر اسلام دوستوں نے اسلام کے کندھوں پر صلیب لاد دی ہے۔ ان کے ذہنوں میں اسلام کے مقتل تیار ہو رہے ہیں۔ تاریخ گلشنِ اسلام میں پھول کھلتے دیکھنا چاہتی ہے۔ مساجد کا مقابر میں بدل جانا اسے گوارا نہیں۔ تاریخ مرگِ یزید کی طالب ہے اور مغربی جمہوریت و سوشلزم قتلِ حسین پر ادھار کھائے ہوئے ہیں۔ رقیبانِ اقتدار کوچۂ دلدار میں تمام تر پہروں کے باوجود سرنگوں کے ذریعہ در آنا چاہتے ہیں۔ جو برات لے کر آنے کے قابل نہ ہوں، اغوا کے طور طریقے ہی اپنایا کرتے ہیں۔ لیکن تاریخ سازشوں سے نہیں، رفاقتوں سے نمو حاصل کرتی ہے۔ قبل اس کے کہ سیاسی فکر کی منزلوں کے مسافر راہ زنوں کے دروازوں پر دستک دے بیٹھیں، تاریخ کو اپنے فیصلوں سے آگاہ فرمائیے۔ ورنہ وقت سارے کلینڈر الٹ دے گا۔

Marfat.com

سوچا راج دلارے، سوچا

اے دانش ورانِ گمان گرفتہ، اے مصنفینِ عدلِ جہانگیری، اے تولیدِ فضلِ اکبری، اے فیض یابانِ دینِ الٰہی یہ کیا ہوا؟ کہ ہزار بار کسی بھی حریصِ اقتدار مدعیٔ محبوبیت و ربوبیت کا نام لو۔ زبان لذّت بوسۂ نطق سے منکر اور کام و دہن بدمزگیٔ دارُو سے مرضِ معاشرہ کے نوحہ کناں رہتے ہیں۔ برعکس انداز سے کاروانِ مومنانِ فرنگ منزلِ اسلام کی طرف رواں ہوا کہ اسلام مسافر ہو گیا، عقیدوں سے عقد ٹوٹنے لگا، فقہ کا چہرہ فق ہوا۔ اُولی الامر عالمِ سکرات میں دانش و فلسفہ ''نعملون ونفعلون'' سے عاری ہو کر فقط امرِ اُولیٰ کے پابند ہو گئے۔ بہ کس بابر ''غیر عالِم'' نے عیش کی ٹھانی کہ ''عالِم'' دوبارہ نیست نوشتۂ دیوار رہا۔ شیخِ حرم گلیم بوذر و دلقِ اویس کیوں فروخت کرنے لگے۔ چادرِ زہرا کس کے ہاتھ لگ گئی کہ کوثر اُبلنے لگا.... اے آلِ دانش۔ اگر سارقِ ملکِ غیر قطعِ ید کا سزاوار ہو تو مرتکبِ سرقۂ حاکمیتِ مالک الملک کی جزا کیا ٹھہرے۔ اس کے خلاف دعویٰ حصولِ انصاف کے لئے کہاں جائیں۔ دنیا بھر کے حاکموں نے اللہ کی حاکمیت پر ڈاکہ ڈال رکھا ہے۔ سُنتے تھے، ایک ریاست اللہ کی حاکمیت برآمد کرانے کے لئے وجود میں آئی تھی، اللہ کے اس پولیس مین کا کیا ہوا۔ معطل تھا، بحال ہوا یا برخاست کر دیا گیا۔

Marfat.com

یہ کیا اصول دنیا نے قائم کیا کہ حکومت جبرًا نہ سکو تو گردن زدنی قرار پاؤ۔ نقب کامیاب ہو تو تخت نشینی حق سارق، بیعت فرضِ عوام اور "تسلیم" اصولِ سیاستِ خارجہ قرار پائے۔ اس اصول قانون سازی پر زبور و تورات و انجیل و قرآن کی کونسی آیات صادق آتی ہیں۔ دانشورو! عصمت لوٹنے والے پر حد نافذ ہوسکتی ہے تو راہ زنانِ سرچشمۂ طاقتِ عزّوجلّ نے کیا کچھ نہیں لوٹا؟ کہ ہمیشہ سے بری قرار چلے آتے ہیں۔ جہانگیر جامِ شراب و دیدۂ گلابی کے عوض سلطنت لٹا دینے کا مدعی اگر بادشاہِ وقت تھا تو اے! مدعیانِ تیز ترک گامزن، کیا یہ اسلام کی عملداری تھی؟ اللہ کی حاکمیت تسلیم کی جا رہی تھی؟ پشاور کے دُور افتادہ محروم اسپ و خر، پیادہ و آبلہ پا مظلوم کے لئے آگرہ کے شاہی محل میں زنجیرِ عدل آویزاں کرنے والے کے لئے صدر شکن پائندہ باد کا نعرہ لگاؤ یا انصافِ دربدر کی مدح سرائی کرو۔ اللہ کے حقوق پر عملِ غصب چھپائے نہ چھپے گا۔ تاریخ تو دریافت کرے گی کہ مُشرکہ و کافرہ جودھا بائی پر خلافِ شرع پیغمبرﷺ چادر ڈال کر زینتِ حرم بنانے، سورج کی پوجا کرنے اور تلک لگانے والا مطلق العنان بادشاہِ وقت لاکھ اکبر ہو اور اعظم بھی، عملدارِ اسلام کیوں کر ہوا۔ تاریخ روزِ محشر ٹوڈرمل سے بھی پوچھے گی، بیرم خاں سے بھی ابوالفضل سے بھی کہ اللہ تو صرف اکبر ہے۔ یہ اکبرِ اعظم کون ہے۔ اور بے نکاح کی کوکھ کی پیدائش کو برہمنی جنم اشٹمی ہزار بار شہنشاہِ ہندوستان قرار دے، تاریخ اس کو مملکت قلمرو آئینِ اسلام کیوں کر گردان لے ...... دانشورو! تاج محل کی خوبصورتی اُس کے نام کیوں کر لکھتے ہو جس کے ہاتھوں نے ایک پتھر بھی نہیں لگایا؟ کیا صرف اس لئے کہ اشرفیوں پر اس کا نام کندہ تھا۔ اصل معمار انصاف چاہیں گے تو عدل کی کون سی گھنٹی کھنکے گی۔ کیا اس کے زمانہ میں اسلام کا آئین نافذ تھا؟ اگر تھا تو وہ مطلق العنان بادشاہ کیونکر ہوا؟ نہیں! اگر مغربی جمہوریت اسلام کا جزو ہے

Marfat.com

توپھران بادشاہوں کے دورِ حکومت میں جمہوریت کس ڈولی میں سوار رہی؟ کیا اسلام اسے اس لئے اپنے دامن آئین میں چھپا لے کہ ممتاز محل سے محبت والہانہ کرتا تھا۔کیا اس محبوبۂ بلند بخت نے اُسے اللہ کا آئین نافذ کرنے اور طاقت کا سرچشمہ اُسی کو تسلیم کرنے کی کامیاب وصیّت کی تھی کہ جوشِ اسلام میں تاج محل تعمیر ہوا۔ باپ کی آنکھیں نکال بھائیوں کو لقمۂ اجل بنا کر بادشاہت کرنے والے نے اپنے متعلق کیوں فتویٰ طلب نہ کیا؟ کیا اس نے اپنی حاکمیت پر اطاعتِ الٰہی کی حد قائم کی، ابوبکر صدیق رضؓ کا خطبہ اوّل نافذ کیا...... سب کچھ جان کر دیکھ کر تاریخ خاموش کیوں ہے۔ کیا اظہار دانش کاوشِ مدح زور آور کا ہی نام ہے، تصویر کا صحیح رُخ پیش کرنا اس کے مناصب میں کہیں درج نہیں۔ گہرے راز نہ پوچھو، رموز مملکت دریافت نہ کرو۔ مگر صرف یہی بھی تو نہ لکھتے رہو کہ تعمیرِ روضۂ تاج محل اور مقبرہ جہانگیر رعایا کو مزدوری مہیا کرنے اور مظاہرہ فن کے مواقع مہیا کرنے کے لئے کی گئی۔ شاہوں کی غرض سے تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنا ارتقائے انسانیت کے لاشے کو کفن پہنانا ہے۔ تاریخ کب تک طمعِ انسان کے جلو میں پرورش پاتی رہے گی۔ لیکن وہ دانا جو دانۂ گندم سے بھی دریافت نہیں کرتے کہ اے وجۂ خود کفالت تو مجھ خود کفیل پر گراں کیوں ہوا۔ بارِ خزانہ کی وجہ سے یا خزانہ پر بار کی وجہ سے یا اس کی وجہ سے جس کے کندھوں پر وزیر خزانہ لدا ہے۔ اُن کی آٹے کی طرح پسی ہوئی عقل سے یہ توقع کیوں کر کریں کہ وہ انسانوں کے سستا ہونے کی نشان دہی بھی کریں گے۔ ان سے کیا دریافت کریں کہ ایران و عراق کو بہ احترامِ رمضان جنگ بند کرنے کی اپیل اگر لازم ہے تو وہاں اور جہاں جہاں جن اپنوں کے ساتھ جنگ لڑی جا رہی ہے، احترام رمضان کیا ان سے کسی حُسن سلوک کا تقاضا نہیں کرتا۔ گنہ گاروں کو سزا میں عقوبت کے واسطے حد چاہنے کے اصول کو کیا صرف اس لئے رد کر دیا جائے کہ غالب شراب نوش تھا۔ اُن سے کیا دریافت کریں کہ جو اتحادِ ملّت

Marfat.com

سے گریزاں و منکر ہیں وہ سرخرو کیوں ہیں - اور جو بٹ پٹار دھڑے مل بیٹھے ہیں،
زیرِ حشر کیوں ہیں - کیا پوچھیں کہ وطن دشمنوں کے اتحاد اور وطن دوستوں کے
فساد و انتشار میں کیا فرق ہوتا ہے - کیوں نہ سوچیں کہ کچھ لوگ حبِ وطن سے
عاری، تخریب پسند، تشدد آزما اور فسادی کیوں ہوئے اور انہیں راہ راست
پر لانے کے لئے اُن کے فکر کی ریخت درکار ہے یا ان کے جسم و جان کی - نام نہاد
محب وطن سیاست دان مزید تفرقے ڈال رہے ہیں، برائے تحفظ وطن تفریق دائم رکھنے
پر مُصر ہیں - جماعتوں میں ہی نہیں بٹے جماعتیں بٹ گئی ہیں - جسے دیکھو حبل اللہ
تھامنے سے منکر و گریزاں کسی نہ کسی ازم کا طوق گلے میں ڈالے لبِ بام کھڑا غیر وں
کو آوازے دے رہا ہے، آجاؤ، یہ گھر تمہارا ہے - مسلح آؤ یا اسلحہ کے ساتھ آؤ -
ہر چند کہ واعظ کالعدم ہے مگر بر سرِ منبر داڑھی رکھے، حُبِّ بے حد کے لئے مونچھ منڈوائے
اعلان کُناں ہے کہ میرے ہوتے ہوئے ملّت واحدہ کا تصوّر کبھی قائم نہیں ہوگا،
ملّت مدسوں میں بٹی رہے گی - میں تفرقات قائم رکھوں گا کہ میرے جلوہیں کئی
سالگہ ہل، پناہ لئے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" تلاوت کرتے مگر عمارت
مقام مصطفےٰ کی بنیادی خشت اکھاڑتے، ہر ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد میں دکانیں
سجائے، ہمارے سوا سب کافر ہیں کو موضوعِ سخن بنائے غلطان و عظ ہیں - کارکن
لاکھ ماتھا پیٹیں، بال نوچ لیں - ہم صرف اس لئے متحد نہیں ہو سکتے کہ تین گروہ ایک
صف میں کھڑے نہیں ہو سکتے - اس کے باوجود ہم پیر بھی ہیں، دین کی خیر بھی چاہتے
ہیں اور اللہ تعالیٰ کو القیوم بھی مانتے ہیں - دولت اگر نہ ہو تو اگرچہ ہم ایک آنے
کے انسان بھی نہیں اور توڑ پھوڑ، تخریب کاری، سازش گری، افتراق و تفریق
میں نام پائے ہوئے ہیں - ہر چند بے صدر ہیں - تاہم اگر صدارت حاصل ہو جانے
کا احتمال ہو تو ہم وہ ماہر مبلغِ اتحاد ہیں کہ دیرینہ نوازشوں کے صلے میں اپنے لئے

Marfat.com

نہ سرخیاں جموا سکتے اور جاگیرداروں کی لونڈی کی تنخواہ ہی نہیں اس کے دیگر وسائل بھی وسیع کروا سکتے ہیں۔ دیدۂ عبرت نگاہ سے نہ دیکھو تو ہم ہمیشہ سیاست کا صدر بازار رہے ہیں...... دانشورو! ہم تو بے بنیاد الزامات کا شکار ہیں۔ ہم نے جس بے داغ چادر کے نیچے انہیں چھپایا اسی پر انہوں نے قے کر دی۔ تم ہی ان سے دریافت کرو کہ مادرِ وطن کے نام نہاد سپوتو۔ کیا تمہیں اس مملکت بوجہ معصومیت، مارِ آستین نواز کی سرحدوں پر کمیونزم، سوشلزم، ہندوازم اور تشدد پسندوں ہی نہیں، تمہارے وجود کے دشمنوں کی یلغار نظر نہیں آتی۔ کیا تمہیں اس کا احساس نہیں کہ تم دو سُپر طاقتوں کی ٹکر کے درمیان آچکے ہو۔ ایک سپر پاور کو روکنے کے لئے دوسری سُپر پاور کو اپنی سرحدوں پر لانا کسی وقت بھی تمہاری مجبوری بن سکتی ہے۔ کسی بھی سُپر پاور کی بھنات امداد تمہیں سُپر پاور تو نہیں بنا سکتی۔ ایک سُپر پاور کے مقابلہ میں تمہارے تعلق سے، دوسری سُپر پاور جغرافیے کی مشکلات سے دوچار ہے۔ ہماری اسلامی کانفرنس گروہوں میں بٹ رہی ہے۔ جس سُپر پاور سے تم دستگیری کے ملتجی ہو، وہ تمہارے بدترین دشمنوں کی دوست بھی ہے اور سُپر پاور ہونے کے لئے ان کی مرہونِ احسان بھی۔ تمہارے باغیوں کو امداد دینے کا تین برادر اسلامی ملک یوں مظاہرہ کر چکے ہیں کہ تم بے دست و پا ہو کر بالآخر بلیک میل ہو گئے۔ تمہارے رابطۂ عوام کا یہ عالم ہے کہ دو سو کے مجمع کی رائے ہموار کرنے کے لئے تمہیں تین اقسام کے وزیر درکار ہوتے ہیں۔ وزیر جنہیں ابھی یہ بھی جاننا ہے کہ عوام کی رائے ہموار کرنے اور عوام کو ہموار کرنے میں کیا فرق ہوتا ہے۔ تمہارے ذرائع ابلاغ ان افراد کی تحویل میں ہیں جو نہ تم سے متفق ہیں، نہ مطمئن۔ ان کی تحریریں پڑھیں یا تقریریں سُنیں تو یوں معلوم ہوتا ہے، لارنس آف عریبیا بول رہا ہے، برزنیف تلاوت قرآن میں مصروف ہے، ریگن بایزید بسطامی پر مقالہ پڑھ رہا ہے، تفیچر فاطمہ بنت عبداللہ پر تحقیق کر

Marfat.com

رہی ہے۔ جو ان لائی اور ماؤزے تنگ، صلاح الدین ایوبی کی سوانح عمری پر مشترکہ دیباچہ لکھ رہے ہیں۔ بیگن سارقانِ جسدِ رسولؐ کی مذمت کر رہا ہے، اندرا گاندھی ہندو مسلم بھائی بھائی کا درس دے رہی ہیں۔ اور تم ہو کہ فرد فرد کی حد تک پُرزے پرزے اپنے دفاع کے لئے بھی پرزوں کے محتاج اور دنیائے اتفاق کے سب سے بڑے منافق ہو۔ جو تم بے رائیوں سے اختلاف رائے کی جرأت کرے، تم بحیرہ عرب سے درے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے اور یتیم خانوں سے سیاست دان حاصل کرنے کی کارِ لاحاصل میں لگے ہوئے ہو۔ جو لوگ جنازہ پڑھانے کی اجرت وصول کرتے ہوں، جلسوں میں شرکت کا وعدہ کرنے سے بیشتر زادِ راہ اور اُجرتِ گفتار کا تقاضا کرتے ہوں، قیام وطعام اور فلش سسٹم کے متعلق پیشگی یقین دہانیوں پر اصرار کرتے ہوں، قبروں کی تجارت کے عادی ہوں، اُن سے مداوائے سیاستِ متورم کی توقع گداگروں سے زکوٰۃ طلب کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ تم میں کچھ ایسے ہیں جنہیں واقعۂ جہاز پر کوئی تاسّف نہیں۔ کچھ ایسے ہیں جنہیں اس واقعہ کے سرزد ہو جانے کی وجوہات ومحرکات پر کوئی پشیمانی نہیں۔ کچھ جلے جا رہے ہیں کہ اس کا سیاسی فائدہ حکومتِ وقت کیوں اٹھا گئی اور کچھ کو اس امر کی خوشی ہے کہ کچھ نو اتحادی جماعتوں کو نقصان تو پہنچا۔ نہ تو اس واقعہ کے محرکات پر تمہاری نظر ہے، نہ اس کے نتائج اور ردِ عمل سے تم آگاہ ہو۔ اسرائیل نے عراق کا ایٹمی ری ایکٹر تہ و بالا کر ڈالا اور اس برہمی کا بھی اظہار نہ ہوا جو بے وقت جگا دینے پر ہوتی ہے، اس برہمی کا بھی نہیں جو آیا کے کھلونا چھین لینے پر بچے کے چہرے پر نمایاں ہوتی ہے۔ غالباً ہمارے سیاست دانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ری ایکٹر کہتے کس کو ہیں۔ شاید اُسی کو کہتے ہیں جس کے برباد ہونے پر کوئی ری ایکٹ "نہ کرے" کھلونا ٹوٹ جانے پر ماں بچے سے کہے، رونا نہیں اور لے دوں گی، اور بچہ ماں سے

Marfat.com

ہے۔ امی ابھی اور لے دو۔ لے دو گی نا! اور گھر پر سکون چھا جائے۔ ہم ہیں اقوام متحدہ کی متفقہ اور اسرائیل کی طرف سے مسترد شدہ، عراق اور امریکہ کی پیش کردہ قرارداد کی سرد مہری پر ری ایکٹ کرنے کی بھی صلاحیت نہیں۔ ہم تو " اور لے آئے بازار سے اگر ٹوٹ گیا۔ جام جم سے تو مرا جام سفال اچھا ہے" کا انداز غالبانہ بھی نہ اپنا سکے۔ یہ بھی دریافت نہ کر سکے کہ تم جس کے دوست ہوئے آسمان اُس کا دشمن کیوں ہوا۔ پوری دنیائے اسلام یوں مجبور و بے بس ہو گئی جیسے یہ کارِ الٰہی ہو۔ اتنے مکدر بھی نہ ہوئے کہ مقدر لکھا جان کر اُسے پکارتے جو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے ..... دانشورو! کیا فراستِ مومن کا معیار یہی ہے کہ برادر اسلامی ممالک آپس میں لڑیں۔ اسلامی ممالک میں باہمی جنگ اور خانہ جنگی بیک وقت روا رکھی جائے۔ تشدد، غارت گری، قتل، پھانسی، انتقام کیا اسلام کی سربلندی کے ذرائع ہیں یا اس کی رسوائی کا باعث ہیں۔ فتحِ مکہ مفقود ہو چکی یا ابوسفیان کا کوئی گھر نہ رہا۔ آخر کب تک صنم خانے کعبے کے لئے پاسبان مہیا کرتے رہیں گے۔ کب تک اُمتِ رسولؐ لات وعزیٰ کو پیٹرول سے ڈرائی کلین کرتی رہے گی۔ آہنی پردوں میں پرورش و تربیت یافتہ ریچھ کو یہ شکوہ ہے کہ اس کے جسم پر لگی برف گرم پانیوں میں پگھلانے اور اس کے دو ہاٹ باتھ کے راستہ میں مسلم دیرینہ حائل نہیں رہا تو بچۂ ناداں جو یقیناً وقتِ قیام سجدے میں گر جائے گا، ناحق اذان کیوں دے رہا ہے۔ مجاہدین کیوں کہیں آ جا رہے ہیں۔ ان کو جب نصرٌ من اللہ میسر نہیں تو وہ کیوں مدد کرے جس کے خانۂ پابندیں نصر اللہ پابند خانہ ہے۔ نہ اقوام متحدہ سوچتی ہے نہ ہم غور کرتے ہیں کہ ریچھ حالیہ و سابقہ مملکت ہائے اسلامیہ کے مابین سرحدیں مسدود کیوں نہیں کرتا ..... دانشورو! تم میں سے کسی نے بھی " ڈاکٹرین آف ہاٹ برتھ" نہیں پڑھا۔ کوئی بھی ریچھ کے کارِ خفیہ تنظیم سازی اور نیتِ نہفتہ سے آگاہ نہیں۔

Marfat.com

یہ کیونکر تسلیم کر لیا جائے کہ فی زمانہ سانپ آستینوں میں نہیں پلتے۔ بالخصوص جب کہ حالت یہ ہے کہ کائنات ابھی اسلام کو فرقوں میں تقسیم کرنے والے دانشوروں کے ماتم سے فارغ نہیں ہوئی تھی کہ اسلام کے قلعے میں ان فرقوں کے تیغ زبان سپاہی اپنے اپنے فرقے کو نوازشاتِ مزید کے لئے مزید گروہوں میں تقسیم کرنے لگے۔ تم ہی کہو۔ مزید زوردار ماتم نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ فکر کا بٹ جانا، اس کا متضاد ہو جانا، باہمی محبت و یگانگت کے لئے تریاق ناآشنا زہر قاتل ہے۔ اختلاف رائے کو ضد بنا لینا بالآخر تصادم پر منتج ہوتا آیا ہے۔ قدرت ہم پر رحم کھا کر بھی اپنی فطرت کا متبادل تلاش کرنے پر آمادہ تو نہیں ہوگی۔ ہم ذہنی اور فکری تنازعات پر یک رائے ہونے کے لئے "ردوہ الی اللہ والرسول" کا اصول کیوں نہیں اپنا لیتے۔ صرف ان ہی سے دوا کیوں لیتے ہیں جن کے سبب بیمار ہوئے۔ ہماری تمام سیاسی جماعتوں، مذہبی فرقوں بلکہ تمام تر مختلف الخیالوں کا آج بھی اللہ اور رسول ﷺ مشترکہ سرمایہ ہیں۔ اس ملک کے نیک و صالح، پابند صوم و صلوٰۃ بہتر شہری یا بارلیش بہترین شہری یا مدعیانِ ریاست اگر احترام رمضان کو قانون خوش آمدید کہتے ہیں تو اس ملک کی رحم ہونے کی حقدار، ناخصم، برہنہ سر طوائف تک میں بھی ابھی تک احترام محرم موجود ہی ہے تو اس کی فکر کے ذہن کا قلب ان دنوں سیاہ دوپٹہ اوڑھ لیتا ہے۔ ایسی قوم کے اصلاح یافتہ ہو جانے سے، یہ دیکھ کر بھی کہ الحاج بلیک کرتے ہیں، مایوس ہو جانا کفر ہے۔ اگرچہ آج تک اس قوم کے افراد اسلام کے سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی نظام اور فکر و عمل کی اقدار پر متفق نہیں ہوئے۔ تو قصور ان کا یا حالات کا نہیں۔ ہماری منافقت کا ہے۔ لوگ صفوں میں شامل ہونے کے لئے بے قرار ہیں، آراستہ کرنے والا کوئی نہیں۔ سامان وابستگی نہیں، اذنِ آراستگی نہیں۔ سامعین موجود ہیں، مبلغ "متوفی" ہو گئے ہیں۔ آج کے نام نہاد داعی صرف

Marfat.com

لقمہ کو لبیک کہتے ہیں اور اَجَل کہلواتے ہیں۔ از خود عالموں کے ہاتھوں علم کو اجل نے آلیا ہے۔ صرف عازمین گناہ نے طالبانِ پناہ کے لئے صفیں بچھا رکھی ہیں۔ لہذا عوام الناس، سورۃ الناس کی اعوذ سے بے حس ہو گئے ہیں۔ اور عملِ ذہن کو الخناس سے شروع کرتے ہیں۔ قرآن کے طالب علم کو تحریف شدہ زبور و تورات و انجیل کے حوالوں سے قرآن سکھاؤ گے تو یہی ہو گا کہ زلیخا ہر قافیہ نویس غلامِ رسول پر طنز کرتی رہے گی کہ بھکے ہوئے خوش عقیدہ عالم سے راسخ العقیدہ غیر عالم، لاکھ توری پر بَل ڈالو، بہتر ہے۔ خدا کو جاننے اور نہ پانے اور نہ جاننے مگر پا لینے میں فرق بیان کرنا چاہیں تو روس کے ایماء پر انقلاب اسلام لانے والوں کا امریکہ کے ایماء پر اسلام کی تدریج کرنے والوں سے دریافت کریں یا تمہاری صفتِ فصاحتِ مصنوعی سے مشورہ کریں کہ کون کون سے الفاظ صرف بیان ہوں۔ یا یہی کہہ کر خاموش ہو جائیں کہ لوگو! جذبۂ احترام رمضان کی ستائش مزید کرو کہ شاید بات احترام انسان تک جا پہنچے، احترام اسلام بھی نافذ ہو جائے اور فرقہ بندی قانوناً ممنوع قرار پائے۔ یا خاموش دعائیں مانگیں اور یقین دلائیں کہ فقط دعاگو رہیں گے۔ مشیر نہیں بنیں گے کہ اسلام کو مشورے دینے کا منصب کبھی کسی کو حاصل نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر حاصل ہو گیا تو کہیں کوئی یہ مشورہ نہ دے دے کہ ہم شہیدوں سے مذاق نہ کر۔ ہم مخلصانِ بے حس و بازو سیم پر انحصار نہ کر۔ ہمارے حصار تو غیروں کے ادھار سے تعمیر شدہ ہیں۔ شیر ہونا ہے تو شیر طاقتوں کے ہاں چلا جا کہ ممالکِ اسلامیہ پر ابھی یہ اجاگر نہیں ہوا کہ جرم منافقت کی سزا مرگِ مفاجات ہوتی ہے۔ حق کو باطل کا لباس پہنانے اور شرکت میانۂ حق و باطل قبول کر لینے کی بدعت نے ہمیں قلبی و ذہنی طور پر مفلوج کر دیا ہے اور ہماری دانست میں ہی نہیں آتا کہ ضابطہ ہائے فوجداری و دیوانی، قانونِ

Marfat.com

شہادت و تعزیرات مغربی ہوں تو صرف اچکن زیب تن کر لینے سے نہ اسلامی عدالت قائم ہو جاتی ہے، نہ انصاف لاالٰہ الااللہ تلاوت کرنے لگتا ہے، نہ وکیل سرکاری کا قلب جاری ہو جاتا ہے۔ ہم نہیں جاننا چاہتے کہ لفاذِ تعزیرا اسلام کے لئے اگر اینگلو سیکسن قانونِ شہادت اپنایا جائے تو سزا ملزم کو کم اور اسلام کو زیادہ ملتی ہے۔ ہماری بامسلماں اللہ اللہ اور بابرہمن رام رام کی عادت ہمیں لے ڈوبی ہے۔ ہم ابھی تک محمدؐ حسین رام کرشن ہیں۔ ہم یورپ کے کلیساؤں اور افریقہ کے صحراؤں میں اذان دینے والے اب وہاں صرف محنت مزدوری کرنے یا سیاسی پناہ ڈھونڈھنے جاتے ہیں۔ اب تو ہم مسجدوں میں کلیساؤں کی نمازیں ادا کرتے ہیں۔ اور ابھی تک یہ طے نہیں کر پائے کہ دوران نماز ہاتھ چھوڑنے چاہئیں، باندھنے چاہئیں، یا اٹھانے چاہئیں۔ اب تو ہماری نیم وا آنکھوں میں مخمور جہانداروں کی شان جمی رہتی ہے۔ ہم تلواروں کی چھاؤں میں کلمہ پڑھنے کی بجائے اغیار ساختہ تلواروں پر کلمہ پڑھ کر انہیں رو بہ اسلام کر لیتے اور بعد از حمد و صلوٰۃ انہیں اپنوں پر ہی اٹھا لیتے اور ان کے سائے ان ہی کے سہارے کمالِ دروغ گوئی سے آشنائی رکھتے ہیں۔ اس حد تک کہ ہماری تو ذوالفقار کے بھی انداز بدل گئے ہیں۔ نہ معلوم کس کی سان پر چڑھ کر متشدد و منتقم ہو گئی۔ نہ فاروق رہی، نہ ولی۔ دانشورو! راعی اور رعایا میں اختلاف پہلے گھروں کی چاردیواریاں اور پھر ملکوں کی سرحدیں تشکیل دیا کرتا ہے۔ نہ معلوم ہم کیوں نہیں جان پائے کہ نگہبانی اختلافات کو ناپید اور نگرانی انہیں ایزاد کرتی ہے۔ نہیں جان پائے کہ نگہبانوں سے محبت اور نگرانوں سے کدورت انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ نگہبانوں کو انسانی فطرت بھول پہناتی اور نگرانوں سے آنکھ بچاتی ہے۔ نگہبانی اپنوں اور نگرانی صرف غیروں کی ہوتی ہے۔ نگرانی سے اپنے غیر اور نگہبانی سے غیر بھی اپنے ہو جاتے ہیں۔ کسی کے پاگل پن کا علاج خود پاگل ہو

Marfat.com

جانا نہیں۔ زخمی سے ہمدردی کا یہ انداز کیا ہوا کہ اپنے جسم پر بھی ویسے زخم لگا لیے اور ساتھ کراہنے لگے۔ نہیں جان پائے کہ پیشہ ور مبلّغ معاشرے کا ناسور ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اعتقاد کو افیون لگا دیتے ہیں۔ اگر راہب نہ بنائیں تو غارت گر ضرور بنا دیتے ہیں۔ نہیں جان پائے کہ خمرِ علم سے بڑھ کر اور کوئی ضمرِ اثم ''کبیرہ'' کا حامل نہیں۔ ہم کب تک برہمنی سماج کی پیشانی پر گھِسے پِٹے تلک کو محراب کہتے رہیں گے اور فرقہ داریت کے پیشہ وروں کی ادارہ سازی عوام کو ''سو جا راج دلارے'' سناتی رہے گی۔ خالق و مخلوق کے درمیان پیرانِ کلیسا کب تک حائل رہیں گے۔ کب تک اپنی بے روزگاری پر شکوہ کناں دہقان خوشۂ گندم کو انتہائے قنوطیت میں جلانے کی سوچتا رہے گا۔ حرم کب تک مَرمَر کی سلوں سے اظہارِ بیزاری کرتا رہے گا۔ ہم یونہی رہے اور کسی برآمد شدہ انقلاب نے ہمیں آ لیا تو تازہ پولیس مینی کا کیا ہوگا۔ تازہ شاہراہوں پر گشتی پولیس کون نئی وردیاں پہنے گی اور کیسے پہچان ہو گی کہ وردی سیکنڈ ہینڈ ہے یا سپاہی نیا ہے۔ لوریاں دینے والے بڑے کائیاں ہیں۔ جانتے ہیں، دلارے سو جائیں تو راج قائم نہیں رہا کرتا۔

Marfat.com

جناب صدر!

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے

فقیر کو احساس ہے کہ مزاج سطوت، تاب سخن سے عاری ہوتا ہے، اقتدار کے تیور استحکام رعب کے لئے مصنوعی بل ڈال کر مرعوب رکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ بال بال بچاؤ کی کاوش بیہم چشم و دل مقتدر میں ناگوار بال ابھارتی رہتی ہے۔ انسانی اقتدار کو صبح و مسا سنگھار کے باوجود کبھی اپنا چہرہ مکمل نظر نہیں آتا۔ بادشاہ اس معذور انسان کو کہتے ہیں جس کا شعوری ہاتھ تاج پر ہوتا ہے اور لاشعوری نظر پایۂ تخت پر۔ فقیر چونکہ مرعوب نہیں ہوتے اس لئے نہ گستاخ ہوتے ہیں، نہ سزاوار معذرت۔ موت سے آشنائی نہ ہو تو زندگی سے شناسائی انسان کو ذوق خود آگاہی سے محروم کر دیتی اور اُسے بندوں پر حاکمیت کی لرزتی ہوئی حرص و آز کے سپرد کر دیتی ہے۔ بوریہ نشین اور مسند آرا میں احساس تحفظ کے بیش و کم ہونے کے سوا اور کوئی فرق نہیں۔ انسانوں کے خوف سے آرائش گاہِ ذہن و قلب کے تمام چراغ جو کوئی بھی اپنی ہی پھنکار سے

Marfat.com

بجھا دے' وہ بادشاہ بن جاتا ہے اور جس کی طمانیت فکر سے نت نئے چراغ روشن ہوتے رہیں، وہ فقیر راہ نشیں وخرقہ پوش ماحول کی فکر کو ضربِ کلیم اور عمل کو یدِ بیضا کے خواص سے نوازجاتا ہے۔ بادشاہوں کے مقبرے اور فقیروں کے مزارتک اپنے مظہرات میں قطعی مختلف ہوتے ہیں۔ تاہم چونکہ فقیروشاہ کو ایک سی مٹی تلے دب جانا ہے اس لئے تمام تر امتیازات و تکلفات کو ناگوار جان کر' آپ کی پابندیٔ عبادات مسلمان کے پیشِ نظر' جناب صدر! آپ کی توجہ اُن تقاضاہائے تاریخ مستقبل کی طرف مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں جو مادرِ وطن کی پیشانی پر نمایاں طور پر تحریر ہیں۔ لیکن ضیائے ایوان حکومت سے منوّر' مگر چُندھیائی آنکھوں والے سیاسی گھڑی ساز' محدب شیشوں والے خول سجائے آپ کو فقط وقت کے نقائص سناتے اور تلقین کُناں رہتے ہیں۔ کہ اے مادروطن کے فرزندِ اوّل' نگاہ نہ اٹھانا کہ مادرِ وطن پردہ کی اس قدر پابند ہے کہ اس کی پیشانی پر تیری بھی نگاہ پڑگئی تو عرق آلود ہو جائے گی۔ اس کے ستر کی حفاظت کا بہترین علاج و پرہیز یہی ہے کہ اس کی فکر کا ہر سوتا مستور رہے، اور نظریہ پاکستان کسی کو نظر نہ آنے پائے۔

بندوں کی حاکمیت اور بدکاروں کی "صاحب الرائی" کے خلاف اعلان جہاد ان کی سیاسی میخواری اور قماربازی کو آدھی آنکھ بھی نہیں بھایا۔ جامِ سیاست تپ اُٹھے، دستِ ساقی پھُنک گیا۔ گھٹا تو ابھی نہ آئی نہ برسی۔ مگر ان بے پیندوں کا میخانہ جام ہائے لرزاں سے ٹپکی ہوئی شراب میں ہی ڈوبنے لگا۔ فقیر غیب دان نہیں مگر لُو دیتے ہوئے مشوروں کی یلغار کی چپ راست، اصحابِ یمین ویسار کو جس انداز سے صف آرا کر رہی ہے' اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ تسخیرِ قوتِ ایمان کے لئے فکری سرنگیں کھودنے

Marfat.com

والے بہروپیئے گدائیں سنبھال چکے ہیں۔ یہ کامیاب ہو گئے تو جناب صدر! تاریخِ اسلام، ڈر ہے ان کی پُرکاری کی وجہ سے کسی نئے واقعۂ کربلا سے دوچار نہ ہو جائے۔ قولِ فقیر گراں تو ہے، مگر دستورِ فقیریں چھپ چھپا کر مشورے دینے کو سازش قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کھلے بندوں ان مشورۂ گناں نخیروں کا ذکر لازم بھی ہے، ضروری بھی اور مجبوری بھی۔ جنابِ والا! اس امر کا اعادہ آپ کے، ملک و قوم کے، تاریخ و جغرافیہ پاکستان کے مفاد ہی میں نہیں، اللہ تعالیٰ اور رسولِ مقبول ﷺ کی خوشنودی کے لئے ازبس مُہتم و مُنعم ہے کہ مغربی جمہوری نظام سیاست خالصتاً سیکولر اور سرمایہ دارانہ ہے جو دینِ اسلام کے تصورِ شرفِ انسان و تشکیلِ معاشرہ سے سراسر متصادم ہے۔ مفکرِ پاکستان کی تحقیق و اجتہاد کا ماحصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آگ سے ایک ابلیس بنایا مگر اس نظام نے خاک سے صد ہزار ابلیس ڈھال نکالے۔ مقامِ فرد و خاندان کی نفی کرتا ہوا، بندوں کی حاکمیت کا معاشرتی بندھن توڑتا ہوا، یہ نظام شرعِ پیغمبر ﷺ کے خلاف ایک سازشِ نہفتہ و غیر محسوس ہے۔ پُرکار بھی اور پُرفریب بھی۔ آپ کو بھی اگر قیصری درکار ہے تو یہ نظام بہت مفید ہے، ضرور اپنائے رکھیئے۔ ضیا کو شہنشاہی دینا ہے تو یہ نظام خوب ہے، خوب تر بھی بنایا جا سکتا ہے۔ مگر تاریخ اسلام کو ضیا دینا ہے، تو اس نظام کو دھونا اور مسلنا ہی کافی نہیں، چاک درچاک کرنا ہوگا۔ اس کے اعادہ کا مطالبہ حُبِّ وطن کی تحریک نہیں، ہوسِ اقتدار ہے ان افراد کی جو محرومیت، خود مختاری اور کنفیڈریشن کے میکاولی بنے بیٹھے ہیں۔ ان کی چال کامیاب ہو گئی تو ۱۹۷۰ء کی تاریخ پھر عود کر آئے گی۔ اگر محافظانِ وطن سمجھتے ہیں کہ سرزمین وطن کے طول و عرض میں مزید سکڑنے کی گنجائش ہے تو فکرِ کمیونزمِ نوساختہ سے

Marfat.com

ادھار مانگا ہوا نظامِ سیاستِ تضادات پھر برپا کر دیجئے۔ ہم فقیروں کو حریت اسلام نصیب نہ ہوگی تو شہادتِ اسلام کو اپنا مقدر بنا لیں گے۔ مگر سرسبزی مادرِ وطن کی راکھ سے تیار شدہ سیاہی سے حاکمانِ اوقاتِ وطن تاریخ میں اپنا نام نہ ہی تحریر کروائیں تو بہتر ہوگا۔ جناب والا! یہ جاننے کے لئے کہ مغربی جمہوری طریقِ انتخاب مغربی جمہوری مکتبہ فکر کی ایجاد ہے، دانشِ مغرب کے کنوئیں اس طرح جھانکنے کی بھی ضرورت نہیں کہ انسان باوردی اس میں گر پڑے اور پھر ان کی تاریکیوں میں آوازیں دیتا ڈوب جائے، کہ ہے کوئی ولی، جو مجیب ہو سکے۔ مغربی جمہوری نظام انتخاب، مغربی جمہوریت، بندوں کی حاکمیت، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی اجارہ داری، لادینیت کے، استحکام کے لئے ایجاد کیا گیا ہے۔ نظامِ اسلام کے نفاذ اور استقلال کے لئے نہیں۔ کون بے سرا ہے جو اس کے عوامل و محاصل سے آگاہ نہیں۔ کتنے سالوں سے اس کا دیوِ استبداد چیر پھاڑ کر رہا ہے۔ اس کے دانتوں کی تیزی و کارکردگی و کارفرمائی سے آگاہی کے لئے کیا ابھی مزید تجربہ کی ضرورت ہے۔ اس طریقِ انتخاب کا اسلام کے فکر و عملِ سیاست سے دور کا بھی لگاؤ یا واسطہ نہیں۔ اس نظام کو نافذ کرنا وحدتِ ملتِ اسلامیہ کو بارود کے صندوقوں میں بند کرنا ہے۔ کیا انتخابی ریشہ دوانیوں، رقابتوں، مخاصمتوں، مخالفتوں، گروہ بندیوں اور تخریب و تفریق و تقسیم سے مادرِ وطن کے سینے سے لپٹے ہوئے نیم جان و خستہ تن شہری اچھی طرح آگاہ نہیں ہیں۔ جناب والا! اسلام کا اپنا ایک منفرد طریق انتخاب ہے۔ اسلام کی ریاست و شہریت کا اپنا ہی تصوّر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ نظام آئینِ اسلام میں سب سے افضل مقام کا وہی حقدار ہے جو سب سے زیادہ نیک و متقی ہے۔ کیا

Marfat.com

خوفِ خدا کے بغیر بھی حصولِ مقامِ اتقا ممکن ہے۔ مقام سربراہیٔ مملکتِ حاکمیت الٰہی دراصل کمالِ اتقا کا دوسرا نام ہے۔ جو لوگ بندوں کی حاکمیتِ مطلق کے نظام میں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود رہنے کا شرف رکھتے ہوں، انہیں اگر اپنے شرف پر اعتماد حاصل نہ ہو سکے تو پراگندگیٔ ماحول کا کارفرما ہونا محراب پیشانی سے بھی زیادہ واضح ہے۔ ماموریٔ سربراہ و عمال و مشیرانِ حکومت اگر امور در پیش مملکت ہیں تو مغربی جمہوریت کے نظام اکثریت و اقلیت، جماعت سازی، تمنا و حرص اقتدار، عہدہ طلبی مہم جوئی، منافرت و منافقت، استحصال فکر و رائے اور اسلام کے نظامِ مشاورت، غیر عہدہ طلبی، عدم مہم جوئی اور اتفاقِ فکر و رائے کے اہتمام و انصرام میں بڑا فرق ہے۔ مشورہ تو کیا ہی یک رائے ہونے کے لئے جاتا ہے۔ جو تفریق پیدا کر دے، وہ فقط رائے دہی ہے۔ رائے دہندگی کے عمل میں افہام و تفہیم اور یک رائے اور یک جہت ہونے کے عمل کو شامل نہ کیا جائے تو وہ مشورہ نہیں کہلا سکتا۔ مشاورت برائے انتخاب اور انتخاب برائے مشاورت کے عمل میں بڑا فرق ہے۔ خاندان کا کوئی فرد اپنی مرضی سے شادی کر لے تو سلیکشن یا نامزدگی ہوئی۔ اکثریت کی رائے سے اقلیت کی مرضی کے خلاف شادی کر کے خاندان کو تفریق کا شکار کر دے، تو الیکشن کی شادی ہوئی جو غم و غصّہ و نفرت و حقارت و تفریق کے ماتمی سُر شادیانوں میں لازماً سمو دے گی۔ باہم مشورہ سے یک رائے ہو کر بہترین رشتہ بغیر دولہا دولہن کی رشتہ طلبی و مہم جوئی کے تجویز و تکمیل ہوا تو خوشیاں، راحتیں، باہمی محبت، توقیر دامن پھیلائے استقبال کے لئے بہرحال شاداں و فرحاں کھڑی ہوں گی۔ مشاورت انسانوں کے

Marfat.com

احساس کم تری کو ختم کر کے انہیں اپنی نظر میں مؤقر بنا دینے اور انہیں خود اعتمادی عطا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، جس کی وساطت سے اختلاف، نفرتیں، کدورتیں اگر ہوں بھی تو ختم ہو جاتی ہیں۔ مشورہ اتنا خود اعتماد ہوتا ہے کہ سرِ مجلس کیا جاتا ہے۔ جناب صدر! جسے چھپ چھپا کر خفیہ طریقے سے کیا جائے وہ سازش ہوتی ہے، مشورہ نہیں ہوتا۔ رازدارانہ رائے دہی کتنی سازشوں، کتنی منافقتوں، کتنی بدعنوانیوں کو جنم دے جاتی ہے۔ کاش مغربی جمہوریت کی سپولی کے رحم پر کسی کی نظر ہوتی۔ عہدہ طلبی یا امیدواری کسی بھی صورت میں ہو تو بات رائے دہی تک ہی محدود رہے گی۔ مشاورت کے دروازے از خود بند ہو جائیں گے اور انسان کی ایمانداری اس کے مکر و فریب اور پرکاری، حرص و آز کے مضبوط پنجوں کی گرفت میں دم توڑ جائے گی۔ مغرب کی سیاست کا یہود کے خونیں پنجہ کی گرفت میں چلا جانا اسی نظامِ انتخاب کی وجہ سے ہے۔ مشاورت و عہدہ طلبی کو بیک وقت رو بہ کار لانا نیولے اور سانپ کی لڑائی کروانے اور پھر تماشا دیکھنے کا عمل ہے، اسے کارِ مومن کیونکر گردان لیں۔ برسرِ مجلس مشاورت کے ذریعہ یک رائے ہونا اور پھر عمل بیعت میں داخل ہو جانا وحدتِ امّت مسلمہ کی ضمانت ہیں۔ مشاورت اگر عملِ بیعت برپا نہیں کرتی تو وہ مشاورت ہی نہیں۔ اسلامی یا غیر اسلامی کی بحث میں اُلجھنا بے معنی ہوگا۔ امورِ مملکت میں تمام مسلمانوں کے مشورہ کا روز و شب مسلسل و متواتر بلا واسطہ شامل رہنا آئین اسلام کا خاصہ ہے۔ یہ عمل جاری نہ رہے تو خلافت کا ملوکیت میں بدل جانا، حاکم و محکوم کے امتیازات کا قائم ہو جانا، سازشوں، شرارتوں، بغاوت اور احساسات محرومیت کا در آنا لازمی امر ہے۔ قرآن پاک جامع اصولوں کی کتاب ہے۔ جزئیات اور

Marfat.com

طریقے ایسی کتابوں میں درج ہوں تو ان کی آفاقیت وجامعیت ناقابل عمل ہو جائے۔ مندرجہ بالا بنیادی اصولوں کے مطابق انتخابات کے ضوابط تیار کرنے کے لئے اگر خلوص نیت میسّر ہو تو کوئی ذہنِ ارسطو درکار نہیں۔ بس ذرا قرآن کو بدلنے کی بجائے خود کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ جناب صدر! نکاح تو اغوا شدہ اور اغوا کنندہ کا بھی ہو ہی جاتا ہوگا مگر نہ سہاگ کے گانے ہوتے ہیں، نہ کوئی باگ پکڑتا ہے، نہ سلامی مانگتا ہے اور نہ کوئی سہرا باندھتا ہے گھر والے دیواروں سے سر ٹکراتے، زہر کھاتے، قتل تک کرتے یا ہوتے ضرور دیکھے گئے ہیں۔ مغربی جمہوری طریق انتخاب کے متقاضی درست ہی کہتے ہوں گے مگر مومن صرف احکامِ الٰہی کا پابند ہوتا ہے۔ مدعیٔ دانش ہونا فقر کی نفی بھی ہے۔ اللہ اس کبر و نخوت سے محفوظ رکھے۔ لیکن بغیر کسی لیتے پر ہاتھ رکھے عرض ہے کہ اگر مغربی جمہوری طریقِ انتخاب کا مزید تجربہ کیا گیا تو وطن عزیز کو فکری بغاوت کے سپرد کرنا ہوگا۔ آپ ایک فکری جنگ کا اعلان کر چکے ہیں۔ یہ جنگ امدادی فکری اسلحہ سے نہیں جیتی جائے گی اور شکست اُن اسلامی نظریات کی ہو جائے گی، جن کی علمبرداری کے آپ بہ اصرار دعویٰ دار ہیں۔ یقین فرمایئے، مشاورت، تقویٰ، بیعت، عدم عہدہ طلبی و عہم جوئی، امورِ مملکت میں شہریوں کے متواتر مشورہ اور شرکت کے بنیادی اصولوں کی بنا پر ایسا انتخابی ضابطہ اور لائحہ عمل تیار کرنا کہ کسی فرد کا ایک روپیہ تک بھی خرچ نہ ہو اور آئینی ادارے قائم و مستحکم ہو جائیں، نہ ناممکن عمل ہے نہ مشکل۔ مگر منزل اسلام کی طرف سفر کرائے کی سواریوں کے ذریعہ جاری نہیں رکھا جا سکتا۔ آپ مسندِ اُولی پر متمکن ہیں۔ فریب مغرب کھائے ہوئے فریبی اُولی الامر فکری تنازعے کھڑے کر کے عملِ صالح کو مؤخر کرنے کے لئے خوشامد بھی کریں گے

Marfat.com

اور سازش بھی۔ازخود امر آسان فرمایئے ۔مفکرِ پاکستان کا یہ انتباہ بھی زیرِنظر رہے ؎

چھُپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

Marfat.com

سرمۂ مفت "نذر" ہوں

تمہیں قسم تمہارے لبِ خنداں وتبسم گریاں کی، بظاہر صلح جوئی و بباطن تنازعہ خوئی کی، نگاہِ طویل اندیش و نیتِ پست وکوتاہ کی، اقوال یسار و اعمال یمین کی، حُبِ کعبہ اور عشقِ کرین وچ کی، ذکر طہر جنت و وجود کدورجہنم کی، تمہارے وعظِ حُور اور حبِ سبزہ خطاں کی، عقیدۂ اسلام اور مکرِ یہود کی، بواسطۂ خلافتِ راشدہ حُبِ جمہوریتِ غرب کی، ذکرِ غنائے عثمانؓ اور طمعِ جمع مال کی، مسلکِ بوذرِ غفاری اور عمل سیاستِ جاگیر کی، غلامیٔ بلالِ حاضر اور قوتِ خرید شُما کی، اقوال استقامت واقبالِ مغضوب کی، دعویٔ ربوبیت الٰہی اور گدائی حاکمِ کُل کی، تقاریرِ بدمست اور اعمال خودکُش کی، زیرتعمیر مسجد اور کلیدِ صندوقچیٔ چندہ کی۔ تمہیں قسم علمِ دین کی کلیرنس سیل کی، تمہیں قسم تمہاری تقدیرِ خود نوشت کی.... کھاؤ قسم! رحمٰن ورحیم کی، کہ تم شکوہ کناں عدم ایفائے وعدۂ اقتدار عارض، مجسم اعتراض بنے، آج جس عارضۂ عارضی میں مبتلا ہو وہ بوجہ پرہیزگاری لاحق ہوا۔ احتیاطاً لگ گیا یا کوئی اچھوت تھا کہ شبِ وصل بیرونِ دروازۂ صدر تم نے چھو لیا۔ آج جو بنامِ ابراہیم، کارِ آزر میں یوں غلطاں ہو کہ دربارِ نمرود میں داستانِ مظلومیٔ بتاں بیان کرنے کی مہارت میں تمہارا مقابلہ خانۂ یزید میں ماتمِ حسین کرنے والے زود پشیمان بھی نہ کر پائیں۔ نوحہ کناں ہو کہ بغرضِ تو، بحالیٔ ما، اشد ضروری ہے۔ ورنہ ہمیں گھن اور تمہیں گرہن لگ جائے گا.... چلّاتے ہو، کہ وہ وعدۂ دلنواز

Marfat.com

جو ہم "اسیرانِ محفوظ" سے یوں کیا تھا اگر فضا مری نہ ہوتی تو ہم خوشی سے مر گئے ہوتے، وعدۂ سبز کیوں ثابت ہوا۔ صنم کدۂ سیاست کے شکستہ سومنا تو۔ کھاؤ قسم کہ تم خود عہد شکن نہیں ہو۔ میدان سیاست کے اگر مگرو، تمہارے رویۂ ماضی کے پیشِ نظر انسان فانی تو کیا، زیر فنا کوئی قوت بھی تم سے وعدہ صادق نہیں کرے گی۔ ہر لمحہ، لقمۂ اقتدار ہاتھ میں لئے تمہیں پچکارتا رہے گا۔ دُمِ پُرخم "جوالۂ بیابانِ ایران" از خود ہلتی رہے گی۔ مگر تمہیں اپنی رال چاٹنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا، کہ جو سیاست مادرِ فکر سے منقطع ہو جائے وہ صرف سیاست کے گلیسکو بے بی ہی پرورش کر سکتی ہے، تربیتِ فکرِ تعمیر اور پرورشِ عمل قوی اس کا منتہائے نظر کبھی نہیں ہوتا۔ جس فرد کی سیاسی فکر منفکرِ مملکت کے نظریات سے متصادم ہو جائے، تعمیرِ معاشرہ اس کے عمل کی عنایت نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہاں جو کوئی فکرِ اقبال کی نفی کرے گا، منفی ہو جانا اس کا مقدّر ہو گا۔ پاکستان کے جدِ فکر نے جس مغربی جمہوریت کی نفی کی، تم اسی کے طالب ہو گئے، لہذا منہا ہو گئے.... وعدہ وفا نہیں ہوا، شاید وعدہ ایفا نہیں ہو گا کہ تم عہد شکن، آج بھی مغربی جمہوریت کی وکالت سے نہیں چُوکتے۔ آئینے اگرچہ دھندلا چکے۔ مگر کوچہ ہائے تنگ و تاریک وزیرِ مُغلاں میں نہفتۂ دیگ سیاستِ خفتہ کو یہ تو جتا ہی دیں گے کہ مہربان اس قوم کے ساتھ کیے گئے عہد نامہ کی عبارت وہ تو نہیں تھی جو تم آج بیان کر رہی ہو۔ تم تو آنکھ دبا کر چھُپ نکلنے کی عادی ہو۔ جا ہی رہی ہو تو یہ منڈھی ہوئی سندِ مسلمانی بھی ساتھ ہی لیتی جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم بچ نکلو اور یہ پکڑی رہ جائے کہ وہ دن اب بھی معکوس تصوّر ہیں جب مملکتِ خداداد وجود میں نہ آئی تھی اور یہ تصوّر ذہنِ منافقت میں بھی جنم نہ لے پایا تھا کہ مملکتِ خداداد اس کو کہتے ہیں جسے خدا اپنی ملکیت سے علیٰحدہ کر کے حاکمیتِ عوام کے لئے سیاسی جواریوں کے حوالے کر دے۔ مملکت خداداد کو شیطانیٔ جمہور کے لئے خداداد گردان لینا ہی فلسفۂ ظلِّ الٰہی کا جمہوری روپ ہے۔ بس ذرا سلطان مطلق العنان

Marfat.com

بہ اندازِ دوشیزۂ دور درین دوپٹہ اوڑھ لیتا ہے اور ناز و نخرہ و ادا سے حکم دینے لگتا ہے۔ کارِ سیاست اور ورائٹی شو کے انداز ایک سے ہوجاتے ہیں۔ قوم سایۂ خدائے ذوالجلال کا استقبال کرتی رہتی ہے۔ اور دوشیزۂ دور درین "برصغیر میں اسلحہ کی دوڑ" کی چنیں و چناں کے لئے دوپٹہ چُنتی رہتی ہے۔ کیا سیاست وطن نے اللہ سے کیا ہوا آئینِ اسلام کے نفاذ کا وعدہ پورا کیا۔ کیا اوّل و آخر شہری عبدیت الٰہی کے از روئے آئینِ وطن پابند اور رفقط حاکمیتِ رب العالمین کے دستور کے علمبردار ہوئے۔ عوام کے سرچشموں سے قوت چرانے والو! کیا حقِ قانون سازی صرف حقِ خالقِ کائنات تسلیم کیا گیا۔ تم نے کبھی سوچا کہ مقاصد و رضائے خالق سے بے بہرہ پروردۂ افرنگ تخلیق اگر اپنے لئے خود ہی قانون بنانے لگی تو کیا ہوگا۔ جس خالقِ کائنات نے آئین و قوانین قرآن نازل کئے، اس کی وسعتِ نظر میں تمہارا زمانہ نہیں تھا۔ کیا کوئی راہ زن عصمتِ زناں، تارک و مُنکرِ حاکمیتِ احکامِ الٰہی، حکمرانِ وقت رجم ہوا۔ کتنے امرار کے لئے "جلدوہ" کا حکم صادر ہوا۔ کتنے جہانگیر تو تمہارے تصنیف کردہ آئین و قوانین نے پیدا کئے۔ کتنے مان سنگھ بہنوں کی ڈولیاں اٹھائے بیرونِ درِ دربارِ اکبری اذن باریابی کے منتظر رہے۔ شریکانِ حکومت کی کتنی زیب النساؤں کے اذہان میں دیگیں اُبلتی رہیں۔ کیا تمہارے آئین نے اس کا کوئی سدِباب کیا۔ کیا تم اس لئے نفیریاں تھامے خاموش کھڑے رہے کہ مالک الملک شکوہ نہ کرے کہ کیوں ہمارے اولی الامر کو دق کرتے ہو۔ کس نے اے عہد شکن مصنّفینِ آئین و قوانینِ مملکتِ خداداد! یہ خطبہ صادر فرمایا کہ میری اطاعت میرے مطیع اللہ رہنے تک ہی عوام پر فرض ہے۔ اے پُراز شکوہ غاصبانِ سیاستِ مشکوک تم نے آج تک کسی پُرشکوہ سے اس خطبے کے آئینی اجراء کا مطالبہ کیوں نہیں کیا، کیوں شکوہ نہیں کیا کہ دستورِ حکومتِ الٰہیہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ اے بے زبان آئینِ خود نوشتہ کے غرض مندو!

Marfat.com

تادمِ ہذا کتنے سربراہانِ حکومت بر سرِ مجلس بوقتِ حکمِ جہاد مثلِ عمرؓ بدوؤں کے سامنے جوابدہ ہوئے۔ کب طالبانِ عہدہ کو سرفراز کرنے سے انکار ہوا۔ کیا طالبانِ وزارت بسلسلۂ امیدواری سیم وسنگین کے سہارے انتخاب نہ لڑتے رہے۔ کیا کبھی مقامِ تکریم کا اسلامی معیار نافذ ہوا؟ یا ہم صرف یہ دریافت کرتے رہے کہ جس تنخ نے لینن کی تربیت کی وہ کونسی مسجد کے حجرہ میں دفن ہے؟ کتنے کش ماریں تو اسلام روبہ مارکس ہو جائے گا؟ وہ قیصر آج کہاں ہے جو قوانین اسلام اور رومن لاء میں مفاہمت کرواسکے؟ اس رچرڈ کا پتا چلاؤ جو ہمیں تربیت جہاد دے سکے؟ اس مارٹن لوتھر کا جو خلفائے راشدین کی خطائیں گنواسکے؟ اور پیغمبرِ اسلامؐ کو غیر معصوم قرار دے سکے؟ اس بے دید فیضی کا جو دیدہ ور تصنیف کر سکے؟ اُن بُتوں کا جو توحید کا مُنہ چڑا سکیں؟ پراٹھے کھاتے ہوئے رانا سانگاؤں کا؟ یا قوتی بناتِ التمش کا؟ تلک زدہ اکبروں کا؟ مخمور جہانگیروں کا؟ نابینا شاہ جہانوں کا؟ بَل دار بلبنوں کا؟ بُت پرست غزنویوں کا؟ کرشن غوریوں کا؟ اُن ابنائے قاسم کا جو دربار داہر میں کراہتی ہوئی اسلام زادیوں کا ٹھٹھ بنا سکیں۔ کیا ہماری سیاست مفکرِ اسلام کو دانت نہیں دکھاتی رہی۔ کیا ہم مُعتقد نہیں رہے کہ لاکھ فکرِ انسان نمی آید ہوا ہم انبوہ دو صد خراں کو سلامی دیتے رہیں گے۔ کیا ہم سرابِ رنگ و بو کو گلستان تسلیم نہیں کرتے رہے۔ قفس کو آشیاں گردانتے پر مُصر نہیں رہے۔ کیا ہم نے محض بر بنائے اوزان وزیر مقرر کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی کہ جمہوریہ اسلامی میں بندے تولے جاتے ہیں۔ کیا ہم ان گنت عہدہ داروں کے تعیّن پر اعتراض کے جواب میں یہ دلیل نہیں لاتے رہے کہ اسلام میں بندوں کو گنا نہیں کرتے۔ کیا ہم نے کبھی یہ تسلیم کیا کہ سیاست کو اگر اصول تسلیم رضائے الٰہی سے، دینِ اسلام سے علیحدہ کر دیا جائے تو شرفِ جلال بادشاہی ہو یا جمہوری تماشا ہو فرق صاف

ظاہر ہوتا ہے اور ماسوا چنگیزیت کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ کیا ہم جان پائے کہ جہاں ماسوا اللہ کے کسی اور کی حاکمیت بھی تسلیم ہو، وہاں اسلام کی، لا الٰہ الا اللہ کی عملداری نہیں ہوتی، صرف ہلاکو چنگھاڑ رہا ہوتا ہے۔ کبھی ہم نے غور کیا کہ جس دین میں پیغمبر بھی "عبدہٗ" ہو اس کے پیروکاروں کا سیاسی مسلک کیا ہونا چاہیئے۔ کیا ہم نے سیاسی طور پر کبھی یہ تسلیم کیا کہ سرداری صرف اس ذات بے ہمتا کو زیبا ہے، باقی سب بتانِ آزر ہیں۔ کیا ہم ابلیس کی "اذانِ الحذر آئین پیغمبرؐ سے سو بار الحذر" پر لبیک نہیں کہتے رہے۔ کیا ہمارا سیاسی قیام، رکوع و سجود اسی اذان کا پرتو کار نہیں رہا۔ کیا ہمارے سیاسی راہنماؤں نے ذہناً، فکراً، عملاً ہمارے مفکرؒ کی پُر اصرار اور پُر اسرار تردید نہیں کی۔ کیا ہم شرعی عدالتوں میں کھڑے ہو کر علی الاعلان اس کی فکر کی تردید و نفی نہیں کرتے رہے۔ ابن الوقت تو کُجا ہم تو ہنگامِ وقت کے پوتے بن گئے۔ کیا ہم نے اس فکر کی تردید نہیں کی جو ہماری یہود و نصاریٰ و ہنود سے آزادی کا باعث بنی۔ ہارون سے ہی نہ کٹے، فرعون سے بھی جا ملے۔ کیا ہم نے ملّت کو جماعتوں، گروہوں اور فرقوں میں تقسیم نہ کیا اور اس کا جواز صحابہ کرام پر بہتان تراش کر نہ ڈھونڈھا۔ کیا ہم غیر صائب کثرتِ رائے کی کسرتِ عمل پر صاد نہ کہتے رہے۔ کیا ہمارے اذہان کا نزلہ ہمارے قلوب پر نہیں گرتا رہا۔ کیا ہمارے جمعِ مال پر کائنات "وفیل" نہیں پکارتی رہی۔ ہم تحریکِ نظامِ مصطفےٰؐ برپا کرنے والوں نے کس روز خلافتِ رسولؐ کا مطالبہ کیا۔ کیا ہم نے بیک وقت نفاذِ نظامِ مصطفےٰؐ اور بحالیٔ مغربی پارلیمانی جمہوریت کا نعرہ لگا کر انتہائی سیاسی منافقت اللہ اور اس کے رسولؐ سے نہیں کی۔ کس روز ہم نے یہ یاد دلایا کہ اسلام کے قیامِ خلافت اور انتخابِ خلیفہ کے متعیّن اصول ہیں۔ کیا ہم خود ہی نہیں الاپتے رہے کہ اسلام میں کوئی مقررہ طریق انتخاب نہیں۔ کبھی جواب لائے؟ کہ آئین میں، دین میں، طریق انتخاب نہیں ہوتا، اصولِ انتخاب متعیّن ہوتے ہیں جیسے مغربی جمہوریت کے اصول انتخاب

Marfat.com

ایک ہی ہیں، طریقِ انتخاب جگہ بہ جگہ مختلف ہے ، وقتاً فوقتاً مختلف رہا ہے۔ کس روز ہم نے مطالبہ کیا یا اہتمام کیا کہ ایسا نظام نافذ ہو کہ خلیفۂ وقت اور عام شہری کے حقوقِ عبدیت میں کوئی فرق نہ رہے۔ ہم تو اسلام کا آئین نافذ کئے بغیر اسلام کے قوانین نافذ کرنے کے ناقص طریقِ کار کی تعریف میں رطب اللساں رہے۔ گاؤں کا نمبردار خلافِ شرع ہر عمل کرنے کے بعد مسجد میں نماز پڑھنے اور چندہ دینے آگیا اور جاہل مُلّا خوشی سے پھول گیا۔ مبارک دینے لگا کہ کارسازئ خداوند تعالیٰ پر کھو، سجدہ شکر بجالاؤ کہ شانِ مسجد دوبالا ہو گئی ہے۔ کیا ہم نے گزشتہ چونتیس برسوں میں یہ چاہا کہ انسانوں کے بنیادی حقوق جو از روئے اسلام حالت جنگ میں بھی سلب نہیں ہوتے، مصلوب نہ ہوں۔ ہم میں سے تو ہر ایک نے ضابطہ فوجداری سے ۱۴۴ دفعہ مار کھائی اور جب بھی ہمیں موقع ملا ہم نے اسی کے ہاتھ پاؤں مضبوط کئے، فقط ہوکرسی کو مسلح کیا۔ ہمارا سیاسی تنفّس اشک آور گیس پھیلاتا اور ہمارے سیاسی نتھنے بارہ بور کی ڈبل بیرل بنے رہے۔ سیاست چند خانوادوں کی باندی اور مظلومیت ورثۂ عوام بنی رہی۔ کب اور کس دن ہم نے انسان کو اس کی صفات کے واسطے سے جانا۔ کس روز ہمارے کسی عمرؓ نے ہمارے کسی بلالؓ کو سیّدنا کہا۔ مرید سادہ تو رو رو کے تائب ہوتے رہے، کسی پیر کو یہ توفیق کیوں نہ ہوئی کہ اپنے بجلی کے چراغ مریدوں کے مٹی کے دیوں سے تبدیل کر لیتا۔ بے علم اپنی بے علمی کی لاج تو رکھتے رہے، عالموں نے دین و ایمان کی منڈیاں کیوں قائم رکھیں۔ اسلام تو کُجا، ہمارے ہاں تو سوشلزم بھی جب بھی پٹا خی، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی جیب سے ہی پٹا خی۔ عطر آلود چمکیلے مُوئے دراز کے سائے میں اکھاڑے پھولتے رہے۔ گولیوں کے لئے سینہ جب بھی کُھلا، کسی علم دین کا ہی کُھلا۔ کون جواب دے گا کہ تاریخ اسلامیہ سے خالد بن ولید اور طارق بن زیاد کیوں چھن گئے۔ جانتے ہو تم سے غلطی کیا ہوئی۔ ہم نے راگ بدلا تھا، تم نے ساز بدل دیئے اور زمانے نے سازندے بدل ڈالے

Marfat.com

چنانچہ جمہور تو بحال ہو جائیں گے۔ تمہاری مغربی پارلیمانی مسیحائی شاید بغیر وعدۂ واپسی مقام بلند پر اٹھالی گئی، اگر کبھی بحال بھی ہوئی تو آثار ظاہر ہیں۔ اسے تم بحال کرو یا کوئی اور وہ نہیں ہوگی، جسے تم حسبِ عادت بے حال کر سکو۔ اگر ایمانداری سے اسی جمہوریت ہی کی بحالی درکار ہے تو کیا عہد کرو گے کہ اگر تم اہل نہ پائے گئے تو یہ ناگوارِ خاطر نہیں ہوگی۔ واقعاتِ گزشتہ تو قسم کھاتے ہیں کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ شاید پھر حُبِ اسلام کا نعرہ لگاؤ گے۔ لیکن یہ صد ادب یاد رہے کہ جو کوئی ناعاقبت اندیش تاریخ میں کبھی بھی اپنے نفاذِ اقتدار کے لئے نفاذ اسلام کا نعرہ لگائے گا، خود مقتدرِ مطلق ہونے یا رہنے کے لئے اقتدارِ اسلام کی بات کرے گا، رسم فاتحہ کی اس لئے تعیین کرے گا کہ اس کے گھر پلاؤ زردہ پہنچے، تبلیغ و تعلیمِ دین کی بات اس لئے کرے گا کہ خطیب قاضی، مشیر یا رکنِ مجلسِ شوریٰ مجوزہ متعیّن ہونے کی چٹکیاں لیتی ہوئی خواہش اُسے دربارِ "تاب سخن نہ دارد" کا متمنّی نہیں تو طبلہ بردوش تو بنا ہی دے، مایوس ہی رہے گا اور فرزندانِ تثلیث میراثِ خلیل پر یوں قابض ہو جائیں گے جیسے مخصوص حالات میں زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن آجایا کرتے ہیں۔ قرآن و سنت نہ سہی، خدا لگتی کہو، تمہارے کون سے آئین نے فکرِ اقبال کو مصدّق قرار دیا۔ کون سے ضمن میں تم نے اس کے الحذر کو سمویا۔ کونسے آرٹیکل نے اس کے مغربی جمہوریت سے گریز کو فکرِ درست قرار دیا۔ کس آئین نے مضمون کو مال و دولت کا امین قرار دیا، گدائے راہ نشین کو اسلوبِ سلطانی سے آشنا کرنے کا سامان مہیا کیا۔ کہاں دل کی آزادی کو شہنشاہی اور شکم کو سامان موت گردانا گیا۔ ہماری امامت سلاطین کی پرستار کیوں رہی۔ دل کے آئینے میں تصویرِ دوست کیوں نہ اُتر سکی۔ ہم حاضر و موجود سے بیزار کیوں نہ ہوئے۔ تم احساسِ زیاں دے کر دلوں کو گرما کیوں نہ سکے اور خود فقر کی سان پر چڑھا کر تلوار کیوں نہ ہوئے۔ کیا صرف اس لئے نہیں کہ ہماری سیاست عہد شکن ہے

Marfat.com

اور کسی عہد شکن کو کیا حق ہے کہ وہ کسی سے ایفائے عہد کا طالب ہو۔ لہذا سیاست چھوڑ، ادیب بنو کہ جو وعدہ وفا نہ کرے وہی محبوب رہے اور ہر نئی وعدہ شکنی پر تمہارے ساتھ محبت مزید ہوتی رہے۔ تم بوسہ کی پوچھتے رہو اور وہ تمہیں غنچۂ ناشگفتہ دکھاتا رہے۔ تم بزمِ یار کے غیر سے تہی ہونے کا مطالبہ کرتے رہو اور ہر ستم ظریف تمہیں سر بزم اُٹھا کر تمہیں ہی دکھاتا رہے کہ یوں! اُسے پیار پر غصہ اور تمہیں غصے پر پیار آتا رہے۔ وہ رات کو رقیب سے خواب میں ملتا رہے اور اس کے دکھتے پاؤں دباتے تمہارے ہاتھ پاؤں پھولتے رہیں۔ تم محرومِ اقتدار سیاست دانوں کی گروہ بندی کے مقابلے کے لئے بے ریوڑ چرواہوں کے اتحاد کے لئے کوشاں رہو اور چراگاہوں کو نت نئے ایل۔ ڈی۔ اے پلاٹوں میں تقسیم کرتے رہیں کہ اپنے ہی وطن کی سرزمین کا نیلام عام بڑا محفوظ مشغلہ ہے۔ جب میرے وطن کا کوئی پلاٹ بکتا ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ اس کے خریدار کو وطن سے زیادہ کہیں پلاٹ سے محبت نہ ہو جائے " میرا وطن! میرا پلاٹ "، ماہرینِ نفسیات بتائیں، میں کس کو پہلے بچاؤں گا۔ کہتے ہیں انسان جب زمین کا مالک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو کائنات اُسے زندہ کفن پوشوں کی فہرست میں شامل کرنے کا حکم صادر کر دیتی ہے۔ تمہاری اپنی ہی عہد شکنی تمہیں لے ڈوبی۔ مجھے یہ نوشتۂ دیوار دیکھ کر خوف بھی آتا ہے اور ترس بھی کہ تمہاری سیاست کی مسیحائی کو دوبارہ زندہ ہونے کا اعجاز میسّر نہیں۔ معلوم ہوتا ہے اعلانِ " ماقتلوہُ وماصلبوہُ " ہوتا رہے گا اور تم قصرِ سیاست میں شہتیروں کے ساتھ بندھے " تجری " بھی رہو گے اور تمہارے واسطے سے تجارتِ اقتدار بھی ہوتی رہے گی۔ ہر تحریکِ بحالیٔ جمہوریت کو بے حال کر دینے کے ماہر سیاست دانوں کو ان کی اپنی ہی سیاست و سیادت نے کچلا ہے۔ جن راہوں کو ہموار کر دینے کے یہ متمنی تھے، وہ بوجہ خرابیٔ نیت گُم ہی نہیں ہوئیں، چھن بھی گئی ہیں۔ اب سفرِ بے منزل سے کیا ہوگا۔ اتحادِ تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ کے

Marfat.com

افتراقیوں کے دعوت نامے ہرگز غلط پتوں پر تقسیم نہیں ہوئے۔ اب اتحادِ نوکرد یا اشتراک محدود، ڈھاک کے پات چار نہیں ہوں گے۔ جُبہ و دستار جھگڑیں گے تو ٹوپی اور کلغی بھی پھُدکے گی۔ فطرت کبھی قبول نہیں کرے گی کہ نظامِ مصطفٰےؐ کا مغربی جمہوریت سے بقدر تمہاری عقل و قد و کُلاہ وطُرّہ بھی واسطہ ہے۔ خود کو بدلو ورنہ "دنے پر پروانہ سوزد" کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہو سکتا ہے جس ملک کے وجود کی اہمیت کو نابہی خواہوں نے بھی ناچار تسلیم ہے " اسلام کا نظامِ سیاست وحکومت باوجود ہزار نااہلی اور صد ہزار ریشہ دوانیوں کے" اس کا مقدر بھی بن چکا ہو۔ تمہیں تمہارے لبِ خزاں اور تبسم گریاں کی قسم! وعدہ کرو کہ نظامِ اسلام میں اگر تم نااہل قرار پائے گئے تو سینہ کوبی نہیں کروگے۔ ہو سکتا ہے افلاک سے نالوں کا جواب آنے لگے خلوت کی گھڑی گزر جائے اور تمہاری سیاست کی آغوشِ سحاب بجلی کے کوندوں سے چھٹکارا حاصل کرلے۔ ہو سکتا ہے دانشِ مُردہ نے بحضورِ خالق یہ تسلیم کرلیا ہو کہ نظامِ مصطفٰےؐ اس سرزمین کا ثانوی مسئلہ نہیں ہے اور بحالیٔ مغربی جمہوریت کو اوّلیت دینے کا تقاضا ۱۹۷۷ء کی نسائی سیاست کا سہوِ عورت تھی۔ اور ۱۱ مارچ ۱۹۷۷ء کو قومی اتحاد کے خفیہ اجلاس کے ماسوا ایک کے تمام اندازے غلط تھے اور اگر اسے صحیح تسلیم کرلیا جاتا تو اس وقت کی مقتدر سیاست آج دنیا بھر میں کارکنوں کے لئے ہی نہیں، بہی خواہوں کے لئے بھی ترس گئی ہوتی۔ ہم اگر نظامِ مصطفٰےؐ سے واقعی اخلاص کا مظاہرہ کرتے، تحریکِ نظامِ مصطفٰےؐ کے مقاصد سے ذاتی اغراض کے لئے اغماض نہ کرتے تو آج کسی جبر و اکراہ کے استعمال کے بغیر ہی سیاستِ مصطفٰےؐ کا ایک بھی مخالف نہ رہتا، اور یہ فتویٰ صادر کرنے کی ضرورت نہ رہتی کہ اس ملک میں نظریۂ پاکستان کی حامی اور مخالف جماعتیں موجود ہیں جن کے درمیان زور آزمائی کے لئے سیاسی پابندیوں کا بوجھ تھوڑا سا اوپر اٹھا لینا چاہئے کہ ہر خرِ سیاست کی کمر دوہری ہو چکی ہے۔ آؤ! اسلامی خلوص کا مظاہرہ کریں اور تسلیم

Marfat.com

کریں۔ کہ سیاستِ اسلام میں اسلامی معاشرہ کو جماعتوں، فرقوں، گروہوں میں تقسیم کرنا غلط ہے۔ نظام اسلام میں صنعتی مزدور سرمایہ کار کے ساتھ نفع ونقصان میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ زمین صرف اللہ کی ہے۔ جو اُسے کاشت نہیں کرتا اُسے اس کو اپنی تحویل میں رکھنے کا کوئی حق نہیں۔ مال وزر پر ہمیں صرف اپنی جائز ضرورتوں کی حد تک حق تصرّف ہے۔ اسراف اور تعیش کارِ شیطان ہیں۔ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہ کریں، ان کے مال کی حفاظت حکومت پر فرض نہیں۔ حاکم کا ذاتی معیارِ زندگی ایک اوسط درجہ کی آمدن والے شہری سے بلند نہیں ہونا چاہیئے۔ ماسوائے اللہ کے اور کوئی سرچشمۂ طاقت نہیں ... نہ عوام، نہ بیوروکریسی، نہ کوئی اور ادارہ۔ ہر شہری اپنے خویش واقارب اور ہمسایوں کے لئے اور حکومت عامۃ الناس کے افلاس، بھوک اور اشتہا کے لئے جوابدہ ہے، معاشرہ کے سامنے بھی اور اللہ کے روبرو بھی۔ جہاں اصولِ "العفو"، نافذ نہیں، وہاں نظامِ اسلام نہیں۔ تسلیم کریں کہ افراطِ زر، مہنگائی اور کساد بازاری دور کرنے کا اسلام کا اپنا نظام ہے۔ اس کا اپنا نظامِ تجارت ہے جو منفرد بھی ہے اور ناقابلِ شکست بھی۔ یقین کریں اور یقین لائیں کہ جس نے محمد مصطفےٰؐ سے مکر کیا وہ ذلیل وخوار ہوا اور عرض کریں کہ ہم صرف نظامِ مصطفےٰؐ کے خواہاں ہیں، تبدیلیٔ اقتدار کے نہیں۔ نظامِ سیاستِ اسلام کا تقاضا کریں۔ اور عرض کریں کہ سرکار! سے

سرمۂ مفت "نذر" ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

جنابِ صدر! صادر کیا ہو گا؟

امرھم شوریٰ بینھم یا اُمراُھم "شوریٰ بینھم"

بندۂ خدا نواز! یہ تقصیرِ فقیر ہی سہی کہ عمر بھر انسانوں کی حاکمیت میں ہی جیا۔ افرنگی امپیریلزم بھی دیکھی اور مملکتِ خداداد میں بندوں کی سامراجیت بھی۔ کبھی وکٹوریہ کراس پر لٹک گیا تو کبھی انکل سام کی چھڑی نے پیٹ ڈالا۔ دشت کی سیاحی میں تو نہیں کٹی مگر خود ساختہ خداؤں کی حاکمیت کی سیاہی ہر وقت نقشِ پیشانی رہی۔ کوئی تلوار اٹھائے آوارد ہوا تو کوئی کتاب۔ جو نوکِ قلم نے مقدر کیا' تلوار نے کھرچ ڈالا اگر کبھی تلوار نے قلم تراشا تو اپنی ہی میان پر نقش اٹھائے۔ ماسوا اس معصوم دولت کے کہ ہر لمحہ ماں کی گود اور باپ کی چھاتی کے لمس کا احساس رہا، ہم فقیروں کے پاس نہ کوئی سرمایہ حیات ہے نہ آثاثہ زندگی نہ توشہ آخرت۔ لٹے بھی اور لٹائے بھی گئے۔ بھٹک کر راہ زنوں کے ہاتھ لگے اور راہ نما گردانے گئے۔ ذہن میں جب بھی گیت ابھرے، دل نے نوحے چھیڑ دیئے۔ دردِ دل سنایا بھی اور تحریر بھی کیا۔ مگر فقط فگار انگلیاں اور خونچکاں خامہ ماحصل و متاعِ حیات ہیں۔ حیران ہیں کہ دل کو روئیں یا جگر کو پیٹیں۔ نہ قصیدہ گو ہیں نہ ہجو نگار۔ بس شوقِ گل بوسی میں کانٹوں پر زبان رکھنے کے سزاوار ہیں۔ دہائی دیتے ہیں تو مرصع تقریر اور

Marfat.com

اور مرصع تحریر کی دہائی ملتی ہے۔ جب بھی کوئی غنچہ کھلتا ہے، ان کی تفسیر گم کئے ہوئے دل کو پاتی تو ہے مگر خون کیا ہوا ہی دیکھتی ہے۔ میخانۂ حیات میں صراحیاں بھرنا اور جام دھونا ہم فقیروں کے متوسط طبقہ کا مقدر سا ہو کر رہ گیا ہے۔ دورِ جام کبھی ہم تک آیا بھی تو اس خوف سے جھٹک دیا کہ ساقی نے شراب میں کچھ ملا نہ دیا ہو۔ ہم افرنگی تعلیم اور آریائی تہذیب کی گرفت میں سسکتے ہوئے انسان ہیں ہم میں سے کسی کو نہ زعمِ دانش ہے، نہ فخرِ پارسائی۔ نہ بند قبا پر پاکئ دامان کی حکائتیں تحریر کرتے ہیں، نہ گلیم بوذر و دلقِ اویس کے سرقہ کی ابتدائی یا انتہائی رپورٹ میں کہیں ہمارا نام درج ہے۔ انسان ساختہ تاریخ ہمارے دل میں نہیں اُترتی اور جغرافیہ کی قطع و برید کے ذمہ دار افراد سے ہاتھ ملانے کو اس لئے جی نہیں چاہتا کہ زخم شمار کرنے والوں کو انگلیاں گننے کی فرصت نہیں ہوتی اور انگلیوں پر گننا ان کی عادت نہیں ہوتی۔ تسبیح روز و شب کے دانے شمار کرنے پر طبیعت مصر ور تھی۔ وہ بھی بس اتنے باقی رہ گئے ہیں کہ بن گنے بھی نبھائے جا سکتے ہیں۔ ہم فقیروں نے تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ چلنے کا زمانہ بھی دیکھا۔ جن کو بجلیاں خبر دیتی تھیں، بے خبر بھی پلٹے۔ راہ زنوں پر راہ نماؤں کا گمان بھی کیا۔ انسانوں کو مولا نا گردانے کے سزاوار بھی ہیں۔ الٰہیات میں اُلجھے ہوئے تاویلات میں پھنسے ہوئے، راکھ کے ڈھیر، اپنے ہی سائے کے عقب میں بھاگتے ہوئے، انسانی ناخداؤں سے اللہ ڈھالتے ہوئے، راہ حیات پہ سُرخ بتیوں کے روکے ہوئے، دانش افرنگ کے پروردہ، زمانہ حاضر کے زنار پوش توحید پرست دانشوروں نے ہمیں وہ گداگر بنا دیا ہے جو ساتھی گداگروں کی جھولیوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں اور اس ہاتھ سے بے خبر ہوں جس نے ان کی جھولیاں بھر رکھی ہیں۔ جو اُن سے بچا اسے اُن لوگوں نے آلیا جو انسانوں کو لوٹتے ہیں اور ہر مالِ غنیمت کو فضلِ ربّی قرار دے

Marfat.com

کر، کذب وافترا، مکر و فریب کی معاشرتی سیاسی تجوری میں مقفل کرکے یوں ذکرِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے ہیں جیسے کوئی کعبہ رو، شراب سے وضو کر کے کلیدِ میخانہ مصلے کے نیچے چھپا سبحان ربّی الاعلیٰ پکار رہا ہو۔ اور یوں معاشرہ کا متوسط طبقہ جسے معاشرہ کا باعزت باوقار انسان ہونا چاہیئے تھا، اُس دانشور کا مقدّر اپنا بیٹھا ہے جس کی دانش نے اسے متنازعہ بنا دیا ہو۔ اللہ سے اور کائنات کی تعمیری قوتوں سے پناہ مانگتا ہوا یہ متوسط طبقہ اس ملک کا انتخابی ووٹر ہے۔ رائے دہندگان کی فہرست میں نام درج ہے مگر کارگہِ ابلیس کا وہ نامزد مزدور ہے جس کا کام متعیّن ہے اور اجرت زیرِ غور ہے۔ وہ مجبور و بے بس دانش فروش بن کر رہ گیا ہے کہ انگیخت و جبلّت تک میں امتیاز اس کیلئے ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ دنیائے انفاس میں تریاق کا یہ متلاشی ہر ایک سے پوچھ رہا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں؟ اور ہر دشمنِ ایمان و ایقان کی دکان سے آواز آتی ہے "ادھر آؤ نا! بہارِ میکدہ نظارہ کرو۔ جاہ و وفا رِلات و منات پر نظر ڈالو۔ پیارو! دریا رہبرِ دریا ہے۔ حرم میں جُز حجرِ اسود و لاشریک لہٗ رکھا ہی کیا ہے۔ یہاں آؤ۔ تم ووٹر ہی نہیں طاقت کا سرچشمہ بلکہ سرچشمے کی قوت بھی ہو۔ ہر چند کہ رائے دہندہ ہو مگر میری جان، اہل الرائے نہیں ہو لہذا لازم ہے کہ تمہارا کوئی نمائندہ ہو جو تمہارے آئندہ کو نمایاں و محفوظ کرنے کے لئے تمہاری قانون ساز حاکمیتِ اعلیٰ کا تعین کر سکے۔ ایسی حاکمیت اعلیٰ جو نمائندوں کے ذہنی اختلاط کی محتاط ہو کوئی مُخلف تمہارا سربراہ کہلائے جو سلیمانی ٹوپی پہنے سامری سرخاب سجائے سرگرم سفرِ سیاست ہو اور تم چیونٹیوں کی طرح سسکتے رہو کہ ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔ وہ سنگ دل جسے تم تراش کر اُس بت کی شکل دو جو تمہارے ہی جُثہ سے ٹوٹے ہوئے فالتو پتھروں سے تمہیں سنگسار کرے اور تمہارا خدا بن بیٹھے۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھا لے۔ مُرلی

Marfat.com

لبوں سے لگائے تمہارے صنم خانہ، تصوّر میں آسن جمائے کھڑا ہو کہ آؤ مجھے سجدہ کرو۔ اور صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرو کہ رند کے رند رہو اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جائے۔ دنیا بھی آباد رہے اور خدا بھی ناشاد نہ ہو۔ ہم پر عہدہ داری روا تم پر عہدہ طلبی حرام۔ خلیفۃ اللہ، خلیفۃ الرسول، خلیفۃ المسلمین، امیرالمومنین اور امیر مملکت کی اصطلاحیں لغوی معانی تک جانے بغیر استعمال ہوتی رہیں۔ اور ہر نوبت یہ رسید لائے کہ جنہیں تم مولا جانو وہ اوقاف کے ملازم ہو کر رہ جائیں۔ سلطانئ جمہوریوں قائم ہو کہ غزنوی مسند آرا رہے اور سبھی ایاز ہاتھ باندھے ایک ہی صف میں کھڑے ہوں۔ ارکعوا۔ اسجدو کے احکامات جاری ہوتے رہیں۔ قدرتِ انسان ملکِ یوم الدین اور للہ ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض کی تفسیر سُنتی، صدقات و خیرات و زکوٰۃ کی تلقین کرتی، ٹیکس وصول کرتی رہے۔ منافع صد فی صد اور زکوٰۃ اڑھائی فی صد کا نظام جاری رہے۔ سرکار کا ہر ملازم عملاً لکھ ہزاری، بظاہر بیس بائیس درجہ کا ہی رہے مگر اس کا پارہ کبھی ایک سو دس درجہ سے کم نہ ہو۔ جو میرا نوکر ہے، کھائے ادھار، کرے لوٹ مار۔ جو میرا بندہ ہے، دِکھے چنگا مگر پھرے ننگا، کے اصول عملاً دائم رہیں۔ حاکمیت خدا کی حکومت بندوں کی۔ حکم اللہ کا، قانون انسانوں کا۔ زمین اللہ کی مگر مِلک جاگیرداروں کی، لیس للانسان الا ما سعیٰ، مگر تمام تعریفیں ان انسانوں کے لئے جو انہیں پالنے والے نہ ہوں، ان پر پلنے والے ہوں۔ ہر سیدھی راہ پر والضالین اور ہر خطرناک موڑ پر صراط مستقیم تحریر، اطاعت انسان کی، عبادت خدا کی۔ مدد انسان سے، اعانت خدا سے۔ ہر النعمت علیہ بے سکون ہر مغضوب علیہ مطمئن۔ جس سے رائے چھین لو، اُسے رائے دہندہ کہو اور جو رائے طلب ہو نمائندہ کہلوائے۔ نہ طلب کا کوئی رابطہ نہ عطا کا کوئی وجود۔ بس تم ووٹر ہم ممبر، عوام ممبر ساز اور ممبر حیلہ شاہ ساز۔ رہے نام اللہ کا۔ مگر نظام مغرب بے

Marfat.com

جمہوریت کا جس میں سرمایہ داروں کی جنگ زرگری کے لئے پالے ہوئے قربانی کے بکرے کو سیاسی کارکن اور روزِ جنگ خفیہ رائے دہی کے لئے استحصال شدہ رد باہوں کو رائے دہندگان کے حسین ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ وہ نظام جس میں بندوں کے ذریعہ بندوں پر بندوں کی حاکمیت قائم کرنے کا رائے دہندہ صلیب پر لٹکائے جانے سے پیشتر جو وصیت تحریر کرتا ہے اُسے بیلٹ پیپر کہتے ہیں اور جس تاریخ کے حق میں تحریر کرتا ہے اسے رکن اعضائے مجالس آئین و قانون کا اعزاز عطا ہوتا ہے۔ اُسی مغربی جمہوریت کا نظام نافذ رہنے دو کہ زمانہ ترقی کر بھی گیا ہے اور ترقی پسند بھی ہے۔ رجعت پسند نہ بنو۔ یہ جعون تو دل شکستگی کا نظام ہے امرھم شوریٰ بینھم سے اُمراھم شوریٰ بینھم کا نظام کہیں بہتر ہے۔ ان مہیب آوازوں میں گھرے ہوئے افراد پر جناب صدر آپ جو بھی صادر فرمانا چاہتے ہیں، فرمایئے۔ جو بھی عنایت ہو قہرِ درویش برجان درویش تھا، ہے اور رہے گا۔ مگر منکہ ایک ووٹر ایک رائے دہندہ جس کا نام فہرست رائے دہندگان میں درج ہو چکا، اُس بکرے کی ماں کی طرح جو مارچ ۱۹۷۷ء میں الیکشن کے مذبح میں گئی اور واپس نہ آئی، نہ معلوم زیرِ احتساب ہے یا حساب چکا چکی، سوچ رہا ہے کہ پھر یوم انتخاب قریب ہے۔ اگر مغربی جمہوری طرز ہی طرح دار رہی تو کوئی دن جاتا ہے، رقیبانِ امانِ جان کاغذاتِ نامزدگی داخل کریں گے، قاتلانِ اخلاق و معاشرت و معیشت مجھ قربانی کے بکرے کو سبز باغ بھی دکھائیں گے اور سرخ نوٹ بھی، اور میری ہی طرح ممیائیں گے بھی، کہ من تر کی نمی دانم کی دلیل کہہ بھی نہ لائی جا سکے اور کہیں گے، ووٹ تمہارا حق ہے... تمہارے پاس ہماری مقدس امانت ہے جو تم نے مارشل لا کے چھتر تلے سات سال سے چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔ ہمارے بکرے، ہم ہی تمہارے شیر ہیں، باقی ہیر پھیر ہے۔ تازہ خبر آئی ہے، تو ہمارا بھائی ہے۔ یہ سبھی انتخابی النشان ہمارے چہروں کے مختلف

Marfat.com

یوں ہیں۔ ہر امیدوار کہے گا، میں ہی گھوڑا ہوں، میں ہی شیر۔ میں ہی کتاب ہوں، میں ہی تلوار۔ جدھر دیکھو گے صرف میں ہی میں ہوں۔ اس لئے کہ آج کل میں جدھر دیکھتا ہوں فقط تو ہی تو ہے۔ میں امیدوار نشان یافتہ ہوں۔ گھوڑے، شیر، کتاب تلوار، قلم، دوات، تانگے، موٹر پہ نشان لگاؤ گے، منتخب انسان ہو جائے گا۔ کتنا بڑا اعجاز ہے۔ یہ اور اعزاز بھی کہ نشان گھوڑے پہ لگے اور منتخب انسان ہو جائے۔ اس لئے اے میرے بکرے، آ ایک گھاٹ پہ کوکا کولا پئیں۔ اقبالؒ تو محض فلسفی تھا، شاعرِ مشکل گو تھا۔ کہ لکھتا رہا کہ آئینِ پیغمبر ہی مشکل کشا ہے، ہر نوع غلامی کے لئے موت کا پیغام ہے۔ کہ نہ کوئی فغفور و خاقان، نے فقیر رہ نشیں۔ حالانکہ بات سیدھی سی تھی کہ نہ تو اہل الرائے ہے، نہ میں عہدہ برا ہوں۔ تو رائے دہندہ ہے، میں عہدہ طلب ہوں۔ تیرا میرا طلب و دہ کا رشتہ ہے۔ تو میرا مال ہے۔ مال مویشی والا۔ اور میں سیاسی سامریوں کا بقر ہوں۔ میری عبادت ہوتی رہے گی۔ موسیٰ اور خدا میں مذاکرات ہوتے رہیں گے۔ قوم میرے ہاتھ میں ہوگی، اور ہارون کی ریش موسیٰ کی مٹھی میں۔ میں تیرا خادم ہوا، تیرا چارہ گر۔ پیٹ بھر کر چارہ کھا اور پی۔ پہلے گنگنا، ہنگامہ سا بپا کیوں ہے تھوڑی سی جو پی لی ہے۔ ڈاکہ تو نہیں ڈالا، چوری تو نہیں کی ہے۔ اور پھر لڑکھڑا کر میرے حق میں زور سے زندہ باد پکار۔ کہ آج کے بعد تو مر جائے گا، میں ہی زندہ رہوں گا۔ تیرے ساتھ یہ سبھی لوگ نعرہ زن ہوں گے۔ سو روپے یومیہ اور کھانے پینے پر لایا ہوں۔ یہ سب ناجائز اسلحہ سے مسلح ہیں۔ لہٰذا اے میرے دل نشین ووٹر میرے ساتھ چند قدم چل۔ علاقہ از خود صاف ہو جائے گا۔ بس ذرا اتنی احتیاط رہے کہ پرچی واپس لا کر مجھے دینا۔ اس لئے نہیں کہ تم پر اعتبار نہیں، اس لئے کہ مجھے یقین ہے کہ نظام مغربی جمہوریت میں امیدوار اور ایمان کبھی یک جا نہیں رہ سکتے۔ ادھر عہدہ طلبی وارد ہوئی، ادھر

Marfat.com

ایمان زھو قا ہوا۔ یہ پیشگی لے، باقی اس ہاتھ پرچی دینا، اُس ہاتھ لے لینا۔ میرا سب مال میرے بھائیوں ہی کے لیئے ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے، فقط قوم کی خدمت کا امیدوار ہوں۔ قوم ہوگی تو میں ہوں گا اور قوم نہیں ہوگی تو میں تو گزارا کر ہی لوں گا، تم رائے دہندگان کا کیا ہوگا۔ گزشتہ الیکشن میں پندرہ لاکھ اُٹھ گئے تھے، اللہ نے پندرہ کروڑ کر دیئے۔ حالانکہ حزب مخالف میں تھا مگر حکومت تو میری مخالف نہیں تھی، اگر حزب اقتدار میں ہوتا تو کیا کیا وارے نیارے نہ ہوتے۔ بس کچھ اہل خانہ و خاندان حزب اقتدار میں تھے، اس لئے میرا حزب اختلاف میں رہنا ضروری تھا ورنہ اختلاف کس کو تھا۔ قومی ترقی کے لئے کم از کم پندرہ کارخانے لگانا ہماری خاندانی منصوبہ بندی ہے۔ پلاٹ و لاٹ تو خیر افسران خود ہی دے دیتے ہیں، اللہ کا کرم ہے تاہم کچی آبادیوں کی بات کرتے رہنا بھی ضروری ہے۔ غریبوں کی تو ازل سے یہی عادت رہی ہے، ان کی غریبی کا ذکر کر دو، یہ سمجھتے ہیں، غریبی دور ہوگئی اور مگرمچھوں سے بغل گیر ہو کر رونا شروع کر دیتے ہیں اور اتنا روتے ہیں کہ کچی آبادیاں تربتر ہو جاتی ہیں .... اور سُن اگر تو نے ووٹ نہ دیا تو جان رکھ کہ سمندر میں رہ کر مگرمچھوں سے بیر تاریخ میں کسی کو بھی راس نہیں آیا۔ چوری کروا سکتا ہوں، ڈاکہ ڈلوا سکتا ہوں، چھرا مروا سکتا ہوں۔ جھوٹے مقدمے میں ملوّث کروا سکتا ہوں۔ چار دیواری تڑوا سکتا ہوں، چادر اُتروا سکتا ہوں۔ سیاست دان نیکی و بدی کے جھمیلوں میں نہیں اُلجھا کرتے۔ سن! نکل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے مستی میں، فقیہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا۔ گالی دینے کو جی چاہے مگر گالی نہ دینا شرافت نہیں، منافقت ہے۔ تین سو برقع سلوا لئے ہیں، رنگ برنگ کے، کاربین، پستول، سٹین گنوں کی بھی اب کوئی کمی نہیں۔ شعلہ بیان مقررین کا بندوبست بھی ہو چکا۔ دو ہزار میں

Marfat.com

اچھا بکرا مل جاتا ہے اور پانچ چھ سو میں اچھا مقرر دستیاب ہے۔ جھنڈے، بیز کتبے تو خیر معمولی کی بات ہے۔ الیکشن بھی ایک بزنس ہے۔ سیاست میرا شوق نہیں پیشہ ہے۔ جانو! ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جُوا ہے۔ لہوپی کر درس مساوات سیاست کی ابجد ہے۔ اسمبلی ہال کو مفکرِ پاکستان نے سرمایہ داروں کا تکیہ یونہی قرار نہیں دیا تھا۔ اسلام والے تو دس دنیا اور ستر آخرت کی بات کرتے ہیں، جمہوریت کا موجد تو ایک کے ہزار کا داعی ہے۔ اسی لئے تو چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔ امرھم شوریٰ بینھم اساس آئینِ اسلام تھا۔ خود جمہوری ہیروئن کے عادی اسلام پسندوں نے اسے اُمراُھم شوریٰ بینھم میں ڈھال کر اسلامی جمہوریت کا نام دے دیا۔ لو! سوچتے رہو۔ اسلام ترک ہوا کہ مغربی جمہوریت متروک ہوئی۔ جمہوریت کا کیا بگڑا۔ سگریٹ کی ڈبیا پر "خبردار! تمباکو نوشی صحت کے مُضر ہے" تحریر کروا دینے سے تمباکو نوشوں کا مزاج تو نہیں بدل جاتا۔ طریق انتخاب مغربی جمہوری ہو، تو جمہوریت کو کسی خطرہ کا اندیشہ نہیں۔ لوگ انتخاب کا مطالبہ یوں ہی کرتے رہیں گے جیسے نشہ ٹوٹ رہا ہو۔ لاکھ اسلام کا واویلا ہو مگر اے راحت جان دشمنِ ایمان مغربی جمہوریت! کون تجھے بھلا سکا، کون تجھے بُھلا سکے۔ ادھر انتخابات کی آمد آمد ہوئی، ادھر اسلام کے لئے رفت رفت کا نقارّہ بجا۔ امیدوار اور رائے دہندہ ہر دو جھوٹے وعدوں، منافقت، بے یقینی، شکوک وشبہات، سودا بازی، جوڑ توڑ، نفرت، کدورت، تفریق وتقسیم کے صید ہوئے۔ متحارب امیدوار کون سی مخاصمانہ و رقیبانہ حرکت روا نہیں رکھتے۔ دونو رقیب، ایک دوسرے کے لئے روسیاہ۔ پورا معاشرہ ان کی حمایت ومخالفت کے شوق میں تلاطم و تصادم کے بھنور میں گھوم جاتا ہے۔ متفکر انسان کی فکر اس کے اپنے ہی جسم کا ناسور ہوتی ہے۔ پھر منتخب ہو جانے کے بعد اپنے ہی پارٹی لیڈر سے سودا بازی

Marfat.com

قیام وانہدام کے لئے جوڑتوڑ، سیاسی رشوت کے صدر دروازے چوپٹ کھول دیتا ہے۔ اٹھائے جانے والے ہاتھ ہاتھوں ہاتھ بکتے ہیں۔ ڈاکو پستول دکھا کر ہنڈزاپ کرواتے تو دیکھے ہی ہوں گے، روپیہ دے کر ہنڈزاپ کروائے ہوئے اصل دیکھنے کی چیز ہوتے ہیں۔ اس معاشرہ کے ہر فرد کے قلب وضمیر پر اس نظام انتخاب نے کیا کیا داغ دیئے ہ کسے معلوم نہیں۔ اوّلاً تو اس کا سدباب کیا ہی نہیں گیا۔ اگر کوئی مرہم تحریر ہوا تو قطع نظر رہا کہ زخم کے بھرنے تک ناخن بھی تو بڑھ گئے ہوں گے اور معاشرہ زخموں سے گرے ہوئے نمک کو پلکوں سے چننے کا عادی ہوگیا ہوگا۔ بندوں کی حرص حاکمیت، مغربی جمہوریت کی جنم داتا ہے۔ جسے حاکمیت کی لت پڑجائے، اُس کی عبدیت کا بُود ے اٹھنا لازم ہے۔ جناب صدر! آپ ترکیب شوریٰ کرسی کے خالق ہیں۔ متوسط اذہان خائف ہیں کہ حق و باطل کی یہ آمیزش دوئی پسند نہ بن جائے۔ مندرجہ بالا جملہ بدعتوں کا علاج قیام صلوٰۃ، نظام مشاورت، انفاق رزق اور تسلیم حاکمیت الٰہی ہے۔ قل اعوذ برب الناس۔ ملک الناس۔ الٰہ الناس۔ میرا رب۔ میرا ملک۔ میرا الٰہ اگر اللہ ہے۔ تو سربراہ مملکت صرف خلیفہ ہیں، حاکم نہیں۔ اہل کار، کارندۂ خدا، منتظم آئین پیغمبرؐ۔ اگر یہ کلید صحیح ہے تو پھر مغربی جمہوری نظام محض ایک وسوسہ ہے۔ جمہوری طریق انتخاب، الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس۔ مغربی جمہوری طریق انتخاب ایسا ہی ہے جیسے وسوسوں سے شکار کرنے والے جنوں اور انسانوں کی مشترکہ حکومت انسانوں پر نافذ کردی جائے۔

جناب صدر! اگر آپ نے بھی عہدہ طلبی، مہم جوئی، تفرقات ومنافرت کا مغربی جمہوری طریق انتخاب ہی نافذ کرنا ہے تو یہ حکم صادر فرما دیجئے کہ اسلام کے نظام مشاورت کے حامی سزائے موت کے سزاوار ہوں گے تاکہ کچھ لوگ خودکشی

کے بجائے قانون کے ہاتھوں مرسکیں۔ معاشرتی قتل وغارت کی بجائے اُس کرب سے نجات حاصل کرسکیں جس میں وہ بنامِ ترقی بطرز غلامی گرفتار ہیں، متوسط طبقہ کا دانشور اس نظام کے ہاتھوں جیتے جی مرچکا۔ اگر آپ اسے زندہ خیال فرماتے ہیں تو یہ سہو ہے۔ اس مرگ انبوہ کا دعویٰ کس پہ ہونا چاہیئے، سزاوار کون ہے۔ عوام، نظام مارشل لاء یا مغربی جمہوریت۔ اگر آپ نے مغربی جمہوری نظامِ انتخاب ہی نافذ رکھنا ہے۔ تو اعلاناتِ ملتان ولپشاور واپس لے لیجئے اور ہم فقیرانِ پُرتقصیر کی قبر پہ فاتحہ پڑھنے بھی آیئے گا کہ ہماری میتّیں بھاگ کھڑی ہوں گی۔ پر دل تو کول تو یہی تھا کہ جان کی امان مانگوں مگر مغربی جمہوری نظام کے طفیل جان تو ہے ہی نہیں۔ اور سانس کو کسی امان کی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

پرانی سیاست گری خوار ہے اگر؟

قومی اسمبلی کے انتخابات میں عوام کی شرکت، حکومت کی خلافِ دستور زمانہ، گمانِ حاضر روایات سابق غیر جانبداری، پیشہ ور اجارہ دار بزرگ سیاست دان طبقہ کا سائنٹفک انخلا، سیاسی جماعتوں کے وفا نا آشنا اراکینِ مجلسِ شوریٰ کی زیر و زبر و پُشت و پیش رفت، وزرائے مملکت کی وزرائی صوبہ ذاتی سیاست کی کوچہ رقیب اور کوٹے دوست میں ہمہ گیر رسوائی، امرائِ نو اور امیرانِ کہن کا بے اثر اشتہاری اخراج، سیکولرزم، سوشلزم، عدم تعاون اور بائیکاٹ کی مرگِ انبوہ کے باوجود صدرِ نو منتخب کی قائدانہ اور سالاری صلاحیتوں کی ذمہ داریوں میں جو محسوس و غیر محسوس اضافہ ہوا ہے اس کے پیشِ نظر جائے پناہ ماسوا ریفرنڈم کے ذریعہ حاصل کئے گئے استداب کی پابندی و پاسداری کے اور کہیں شاید ہی مل سکے۔ مغربی جمہوری طریق انتخاب کی پُرامن کوتاہی ہائے کوتاہ ساز کے ارتکاب کے باوجود دانائے سُبل، مولائے کُل ختم الرسل ؐ کی عفوِ بندہ نواز کے دروازے کھلے ہیں۔ کہ ان کا کھلنا ہی دانشِ الٰہی اور رحمت للعالمینی کا تقاضا اور اسلوبِ فطرت ہے۔ تاکہ مصلحتوں کی ابن الوقتی کی جراحی بھی ہوتی رہے اور نیتوں کی اصلاح کا ادراک بھی ہوتا رہے۔ قوموں کی

Marfat.com

زندگی میں طرزِ کہن پہ اڑنا اور تعمیرِ نو سے ڈرنا کٹھن منزل ہوتی ہے۔ بڑی کٹھن منزل، جو آپ عزمِ صدرِ مملکت کو درپیش ہے۔ ہرچند کہ پرانی سیاست گری خوار ہے اور آثار واضح ہیں کہ جہانِ نو پیدا ہو رہا ہے اور عالمِ پیر مر رہا ہے جسے فرنگی نواز مقامروں نے قمار خانہ بنا رکھا ہے۔ لیکن ہر تدریجی مادی انقلاب کے لئے ایک پر عزم چوکس نگران قوت کا ہونا لازم ہے۔ وہ انقلاب جو انسان اپنی صوابدید کے مطابق استحصالِ انسانیت کے ذریعے برپا کرتے ہیں، دراصل انسان کشی سے متصل ہوتے ہیں۔ ہر انقلابی انسانی اذہان کا شکاری ہوتا ہے اور ہر ارتقائی آواز ضمیر و قلب کو بانگِ درا بناتی ہے۔ انقلاب و ارتقا میں مثبت و منفی عوامل و محرکات کی کارفرمائیوں کا فرق ہوتا ہے۔ گویا انقلاب ایک حادثہ ہوتا ہے اور ارتقا پیش رفت۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ انقلاب و ارتقا میں وہی فرق ہے جو لنتّر دو رحمانیت میں ہے، سزا دینے اور سمجھانے میں ہے۔ اذہان تحریک آزما ہوں تو انقلاب مرتعش ہوتا ہے اور ضمیر و قلب راہ نما ہوں تو ارتقا متحرک ہوتا ہے۔ گویا انقلاب تقصیر ہے اور ارتقا تدبیر۔ یہ مفروضہ قطعی غیر حسابی اور عدم اقلیدسی ہے کہ ارتقائی عمل کے لئے انقلابی عمل سے طویل کاوش و عرصہ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اس قسم کے مفروضے ارتقا کے رقیبوں کی فکری سازش کے قائم کردہ ہیں۔ امرِ واقع یہ ہے کہ ارتقائی عمل فقط لمحات اور انقلابی عمل ایسے طویل عرصوں کا محتاج ہوتا ہے جو ردِ عمل کی زد میں ہوں۔ بس اک نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا۔ نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے۔ ذہنوں کی تربیت کے لئے اتنی طویل تبلیغ کی ضرورت ہوتی ہے کہ تکمیل سے بیشتر ذرائع ابلاغ کے سکرین کا وزیر ہو جانے کے خطرہ سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتا جبکہ قلبی کیفیت کے بدل جانے کے لئے ایک لمحہ ہی تو درکار ہوتا ہے۔ انقلاب ہمیشہ

Marfat.com

تضادات کی پیداوار ہوتے ہیں۔ وہ تاریخی واقعات نے پیدا کئے ہوں یا فکری تصادم نے۔ فکری عمل ارتقا کا اجراء و انتہا نبوّت کا مرہونِ احسان ہے اور انقلابات نے ہمیشہ مفکرین کو ماتم کناں اور فکر کو سر پیٹتے ہوئے دیکھا ہے۔ مادی فکر کو الہامی فکر سے گلوگیر کرنے والے انقلابات تاریخ انسانیت کا نوحہ ماتم ہیں۔ اور نبوت کا سلیقۂ ارتقا قانونِ فطرت کی سورۂ فاتحہ ہے۔ مادی عقل و دانش کے لائے ہوئے انقلاب انسانوں کی اس ذہنی آمریت کی تحریک ہوتے ہیں جو اذہان نفسِ امارہ سے حاصل کرتے ہیں۔ وہ نفسِ امارہ جس کا محرک حاجات و ضروریات کا افلاس ہی ہوتا ہے۔ جبکہ ارتقا فکری یک جہتی، یک فکری و یک سوئی کا متواتر و مسلسل عمل ہے۔ ہر محدود کو لامحدود اور ہر فانی کو لافانی کی تربیت و پرورش کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی فانی کی فکر لافانی نہیں ہوتی اور لافانی فکر کے سرچشمے ہی فکرِ انسانیت کے لئے آبِ حیات مہیا کرتے ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جو دیگر نکات کے ساتھ "ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ" میں پنہاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ربوبیتِ فکرِ انسان اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ انسان فقط تحقیق کرتے ہیں مگر اللہ حقیقت نازل کرتا ہے۔ اللہ نے فانی انسانوں کو اپنے رحمانی و رحیمی خواص کے واسطہ سے عبدیت و استعانت طلبی کی تلقین کی ہے۔ روزِ آخرت پر ایمان کی تلقین میں ہی انسانی حاکمیت کی نفی اور حاکمیت الٰہی کا راز مخفی ہے۔ روزِ آخرت پر ایمان کا نہ ہونا یا اس اعتقاد کا کمزور ہو جانا انسان کی حاکمیت کے نظام اور انسانوں کے ذوقِ حاکمیت کی انگیخت کا باعث ہوتا ہے۔ انسانی جبلتوں کا روزِ حشر کی جواب دہی کے احساس سے غیر متعلق ہو جانا ہی انسانوں کی حاکمیت کے نظام کے رائج ہو جانے کا باعث ہے۔ جسے اللہ کے روبرو جواب دہی کا احساس ہو وہ کبھی انسانوں کو اپنی حاکمیت کا تابع نہیں کرتا۔ بادشاہت ہو

Marfat.com

کہ جمہوریت، مزدکیت ہو کہ اشتراکیت تمام مکتبہ ہائے فکر اصلاً روزِ آخرت پر بے یقینی کے باعث وجود میں آئے ہیں۔ حق کے قویٰ مسخ کر دیئے جائیں تو فقط قوت کو حق تسلیم کر بیٹھنے کا احساسِ کم تری قلب و ذہن پر اپنا تسلط قائم کر لیتا ہے۔ نو آزاد ترقی پذیر ممالک میں پُرکاری و ساحریٔ حاکماں کی علیحدہ علیحدہ خانوں میں رکھی ہوئی دانش و قوت کو متحارب ہونے سے بچانے کے لئے کوئی معتدل راستہ تلاش کرنا ضروری ہے۔ پاکستان کو اگر ریاستِ اسلام بنانا مقصود ہے تو صوبوں کی مساوی نمائندگی سے بھی اہم یہ امر ہے کہ ایوان بالا کو نفاذ اسلام اور فکری استحکام کا راہ نما ادارہ بنایا جائے۔ اور سیاستِ پاکستان میں فرد کی یکتائی سے خاندان کی اکائی کو وحدت و یکتائی کی قوت و خاصیت مہیا کر کے وفاق ریاست کی تعمیر کی جائے اور تعبیر تحریر کی جائے۔ کیا نظم خاندان کو حزب اقتدار و حزب مخالف کی تقطیع، تفریق، گروہ بندی یا دھڑا سازی کے سپرد کر دینا درست ہوگا۔ کیا کوئی ذی شعور فرد کوئی مغربی جمہوریت نواز سیاست دان اپنے خاندان کو اس قسم کی تفریق و تقسیم کے حوالے کر دینا پسند کرے گا۔ کیا ہر فرد اپنے گھر میں اپنے افرادِ خانہ میں اتفاق و اتحاد کا خواہاں نہیں، دھڑا بندی و گروہ سازی کو عملِ قبیح نہیں گردانتا، باہمی مشورہ سے یک رائے اور یک جہت ہونے کو ترجیح نہیں دیتا۔ حیرت ہے کہ جو عمل کوئی انسان اپنے گھر کے لئے درست نہیں گردانتا، ملک و قوم کے لئے اسی عمل کو اپنی سیاست کا جزو بنا لے اور اس تفریقی سیاست کا علمبردار بن جائے۔ جو سیاست یا فکری عمل گھروں کی بربادی کا باعث سمجھا جاتا ہے، اُسے ملکی استحکام کے لئے ممد معاون کیوں کر تسلیم کر لیا جائے۔ کیا گھر اور خاندان باہمی مشاورت، یکسوئی اور یک جہتی سے نہیں بسا کرتے۔ کیا نفاق اور اختلاف رائے کا دائم ہو جانا ان

Marfat.com

کی بربادی کا باعث نہیں ہوتا جو عمل گھروں کو برباد کر دیتا ہے وہ ملک کو کس طرح آباد رہنے دے گا۔ ایسی سیاست صرف سیاسی کھلنڈروں کی اپنی انا کی تسکین کے لئے متمول تفریح کے لئے برپا کی ہوئی ہوتی ہے۔ نظامِ سیاستِ اسلام میں ایسی سیاست کو شرک بھی کہتے ہیں اور منافقت بھی۔ صاحبو! مغربی جمہوریت نوازو! غور کرو، تو یہ ایک پُرکار فریب ہے کہ معاشرہ شکن انسانی بے تعلقی اور وابستگیٔ اغراض کو جمہور نوازی کا حسین نام دے دیا گیا ہے۔ اس نظامِ سیاست میں انسان مجتمع نہیں ہوتا، بکھر جاتا ہے۔ تفریق و تقسیم کو خدا کے لئے اجتماعیت نہ گردانو۔ یہ سروں کو ملانے کا نہیں، سروں کو ٹکرانے کا عمل ہے۔ جہاں چہرہ روشن اور اندروں چنگیز سے تاریک تر رکھنے والی مغربی جمہوریت کو کامیاب گردانتے ہوئے وہاں خاندان کے تصور کی تدریج نفی لازم نتیجہ قرار پا چکی ہے۔ جمہوریت معاشرت کی نفی ہے اور ریاستِ اسلام اپنی نوعیت میں سیاسی نہیں، معاشرتی ہوتی ہے۔ اگرچہ حالیہ انتخابات میں طریقِ انتخاب نیم مغربی جمہوری تھا مگر یہ نظامِ اسلام سے اس کے واسطہ ہی کا فیض ہے کہ متوسط طبقہ کی قیادت ہی متحرک نہیں ہوئی، طبقے بھی متوسط ہوئے ہیں۔ لوگ تاحال ذی القربیٰ اور اقربا نوازی کے مابین فرق سے آشنا نہیں ہوئے۔ نہ ابھی اسلام کے نظامِ حریت اور جمہوریت میں امتیاز اذہان میں نمایاں ہوا ہے۔ چنانچہ قیادت کو متوسط و متوازن رکھنے کی ذمہ داری صدرِ مملکت پر آ پڑی ہے۔ آئندہ اسمبلیوں کو نظامِ اسلام آشنا کرنا، انہیں نظامِ اسلام کی راہ پر گامزن کرنا، بے راہ رو نہ ہونے دینا اور اس کاروانِ سیاست کو منزل آشنا کرنا بھی ان ہی کی ذمہ داری ہے۔ یہ احساس رکھنا بھی لازم ہے کہ یہ انسانوں کا کارواں ہے، بھیڑوں کا نہیں کہ چرواہا راہ نمائی نہ کرے،

Marfat.com

ہانکے۔ یہ مسلمانوں کا کارواں ہے۔ دراصل تو سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا۔
مگر اس زمانے میں سیاست اسلام میں میر کارواں چرواہا ہوتا ہے، ساربان ہوتا ہے، نگہبان ہوتا ہے، قافلہ سالار، صدائے جرس ناقۂ لیلیٰ سنتا ہوا مجبور و بے بس و معذور قیس، یا مغنّی بے نفس، آئندہ سیاستِ پاکستان کے سوچنے اور طے کرنے کی بات ہے۔ کیا اختلاف رائے کو اللہ تعالیٰ اور رسول مقبولؐ کے متعین کردہ اصولوں کے مطابق باہم افہام و تفہیم سے ختم کرنا، تفرقہ بازی نہ کرنا، اپنی ذاتی رائے کو منشائے الٰہی کے تابع رکھنا، احکام الٰہی اور فرمودات رسول اکرمؐ کی من وعن پیروی، احکامِ الٰہی کا نفاذ اور ان ہی کے عین مطابق نظامِ حکومت کا قیام و انتظام مجالس مشاورت کی منصبی ذمہ داری نہیں ہے۔
کیا ان کے لئے ضابطہ اخلاق اور طریق کار اللہ کی طرف سے متعین شدہ نہیں ہے۔
کیا ان احکامات میں کسی ترمیم یا تنسیخ کی کسی مومن کے لئے کوئی گنجائش ہے۔
کیا گروہ بندی اور تفرقہ بازی کو اللہ نے شرک کے مترادف قرار نہیں دیا۔ کیا یہ واضح حکم نہیں ہے کہ جو نظام یہ کچھ برپا کرے، اس نے گویا اللہ اور روزِ آخرت سے انکار کیا، اختلافی گروہ بندی، منشائے نظامِ اسلام کے منافی نہیں ہے؛
اس فرمانِ الٰہی سے کون اور کس طرح انکار کرے گا۔ کہ اِنَّ ھٰذِہٖ اُمَّتُکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ۔ وَتَقَطَّعُوْا اَمْرَھُمْ بَیْنَھُمْ، کُلٌّ اِلَیْنَا رَاجِعُوْنَ۔
اپنی یا دیگران کی مادی و نفسانی خواہشات کی پیروی اور ان کی تکمیل کے لئے تفرقہ بازی اور ایسی خود ساختہ تاویلیں جو نفاق برپا کریں کیا احکامِ الٰہی کی واضح خلاف ورزی نہیں۔ کیا فردّوہ الی اللہ والرسول خیر کی بات اور احسن تاویل نہیں۔
اب یہ ذمہ داری کس پر لازم ہے کہ اسمبلیوں کو الحاد سے محفوظ رکھا جائے اور انہیں مومنانہ اجتہاد کے ادارے بنایا جائے۔ کس کی ذمہ داری ہوگی کہ

Marfat.com

روزِ آخرت کی جواب دہی کا احساس اراکین مجالس مشاورت پر طاری رہے حسِ اتّقا کو بیدار کرنا اور یہ اندازِ فکر برپا کرنا کہ اراکین اللہ کی ناراضی کے پیشِ نظر منکر کی نہی کریں اور بالمعروف امر کا کردار اپنائیں، کس کے ذمہ ہوگا۔ مغربی جمہوریت کی بجائے اسلام کے نظام حرّیت و مشاورت کا کامل نفاذ یوں کہ تمام شہریوں کو امورِ مملکت میں عملاً شرکت کا اعتماد حاصل ہو کس خوش نصیب کی سرفرازی کا باعث ہوگا۔ کون نگران ہوگا کہ آزادیٔ رائے اور آزادی عمل شرع الٰہی کے تابع رہے۔ کون فیصل ہوگا کہ مغربی جمہوریت میں اکثریت کے فیصلے عموماً جذباتی ہوتے ہیں۔ ان کا عقلی ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ نفسیاتِ اجتماع کی رُو سے ہجوم یا جماعت ہنگامی اشتعال کا شکار ہو جاتی ہے۔ مغربی جمہوریت میں نابغہ اور واقعی اہل اشخاص کے لئے ترجیح نہیں ہوتی اور اکثر و بیشتر اعلیٰ دماغی جوہر تک بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ مغربی جمہوریت محض عقلی بنیادوں پر قانون سازی کرتی ہے اور الہامی اساس سے منکر رہنا اس کی بنیادی اساس ہے۔ اختیارات کی متوازن تقسیم تو صاحبانِ اختیار کا ترازو کرے گا۔ راقم کے نزدیک وزیر اعظم کو اگر شرح صدر حاصل نہیں۔ اور وہ صدری تحریکات، قلبی کیفیات اور ضمیر کا تابع فرمان نہیں۔ تو اس کی باقی ماندہ تمام صلاحیتیں اُسے سزا دیں گی۔ جو کوئی بھی عقلِ مبہم جُو و مصلحت بین کا تابع ہو جائے، فکری صدری امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ صدر اور وزیر اعظم میں وہ رشتہ قائم نہ ہوا جو مومن کے دل و دماغ میں ہوتا ہے۔ تو مغربی جمہوری اسلام تو نافذ ہو سکتا ہوگا، دین اسلام نہیں۔ انسانی جسم کی وزارتِ عظمیٰ اگر متوازن خیالی کھو بیٹھے تو یوں ہوتا ہے جیسے معاشرہ کے کندھوں پر کسی پاگل کا سر نصب کر دیا گیا ہو۔ صدر اور وزیر اعظم معاشرہ کے اعضائے رئیسہ ہوتے ہیں اور اعضائے رئیسہ اگر ذہنی عوامل کو قلبی واردات کا تابع

Marfat.com

نہ کریں تو معاشرہ سافلین کا جمگھٹا بن کر رہ جاتا ہے۔ تسلیم کہ نظام اسلام کے نفاذ کے فیصلہ میں صدر کی صدری واردات، ایمان بالغیب، پرعزم جرأت اور شرافت طبع کا نمایاں حصہ ہے اور انتخابی نتائج کا مثبت ہونا۔ منفی سیاست۔ سیکولرزم، سوشلزم اور مغربی جمہوریت نوازی کا گوشہ نشین ہو جانا اللہ کا انعام ہے۔ لیکن اذہان نہ ابھی واضح ہیں نہ یک سُو۔ ایثار ابھی انتشار زدہ ہے۔ ان امراض کی تشخیص ہی کافی نہیں، دارو اور پرہیز بھی لازم ہے۔ اگر کسی دیگر نظام مشاورت، گروہ بندی یا تفرقہ بازی کی اجازت دی گئی یا روا رکھی گئی تو اسمبلیاں مجالسِ مشاورت کم اور نقار خانے زیادہ نظر آئیں گی۔ لوگوں کی ناراضی سے زیادہ اللہ کی خوشنودی پیش نظر نہ رہی تو معاشرہ اپنے آپ کو ایسی کشتی میں سوار پائے گا جس کا ناخدا کشتی رانی سے ناآشنا ہو۔ اور اس ناخدا کو راہ دکھاتے ہوئے مسافر خدا ناآشنا ہو جائیں۔ رب کائنات سے سلمواتسلیما کا رشتہ استوار نہ کیا جائے تو صراط مستقیم اور انعمت علیہم میں ربط قائم نہیں رہا کرتا۔ مجالسِ مشاورت کے لئے لاتفرقوا راہ نما اصول ہے۔ جناب صدر کا کوئی پارٹی نہ بنانا ہی کافی نہیں۔ پارٹی بازی کی بازی کو ممنوع قرار دینا بھی ضروری ہے۔ غیر جماعتی انتخاب کی کوکھ سے پارٹی باز مجالسِ مشاورت کا جنم لینا ایک سانحہ ہوگا جس سے ملک و قوم کو محفوظ رکھنا کسی کے توفرائض میں شامل ہونا چاہیئے۔ جو مغلوبِ گماں نہ ہو، جا و دال نہ ہو، وہ نہ فکرِ اسلام ہے نہ نظام اسلام۔ فقط وزیر یا اراکین مجلس تبدیل ہوگئے اور حالات وہی رہے تو کاوشِ لاحاصل کا افسوس سرمایۂ سیاستِ حاضر ہوگا۔ اور مابعد شاید چراغوں میں بھی روشنی نہ رہے۔ اور اندھیرے دور کرنے کے لئے ستاروں پہ

Marfat.com

کمند ڈالنی پڑے۔ جو ٹوٹ جائیں تو شہابِ ثاقب کہلاتے ہیں۔ انسانی مادی خواہشات کے قائم کیے ہوئے نظام کی بجائے انسانی وجدان کا نظام قائم کرنا ایک ذمہ داری بن چکی ہے۔ اللہ کرے کہ آئندہ آئینی ادارے اسے نبھا سکیں۔

Marfat.com

جنابِ صدر! ایک جام اور!

بفضلِ خدا رموزِ سلطانی سے آگاہ فقیرِ رہ نشین، واللہ نہ کسی خوف کا شکار ہے نہ حزن کا۔ نہ خوشامد اس کا شیوہ ہے نہ سازش اس کی عادت، نہ کسی سے ذاتی دشمنی نہ غرض کی دوستی۔ کون تخت نشین ہے اور کون زیرِ زمین، کون صاحبِ اقتدار ہے اور کون رقیبِ اقتدار، کس کے چمچے ٹھنک رہے ہیں اور کس کی رال ٹپک رہی ہے۔ تضیعِ اوقات کا موقع ملے تو اسے موضوعِ فکر بنائیں۔ ہو بھی تو نہ نو من تیل اکٹھا ہوتا ہے نہ ان تفکرات کی رادھا ناچتی ہے۔ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ کی وجہ سے منہدم فکر نے کہرام مچا رکھا ہے۔

سیاسی شاہراہیں سنسان پڑی ہیں۔ محرومِ اقتدار ایک دوسرے کو یٰسین سنا رہے ہیں۔ مغربی جمہوری فن کاری کو کلمۂ شہادت سنایا جا رہا ہے۔ سیاست کاروں کا جلوسِ جنازہ مرقدِ منازل پر پہنچ چکا ہے۔ بیکاریوں کی میتیں دفن کے لئے اپنی باری کی منتظر ہیں۔ مگر اعلانِ انتخاب ہے کہ ان کے پھول جانے کا منتظر ہے۔ طرزِ انتخاب زیرِ غور ہے مگر شوقِ انتخاب ہے کہ بوسیدہ لنگر اٹھائے پھٹے ہوئے لنگوٹے کندھے پر رکھے اپنے اپنے اکھاڑوں کی مٹی ہموار کروا رہا ہے اور تاثر دے رہا ہے کہ متوقع امیدوار ہوں اس انتخاب کا جس کے

Marfat.com

احساس بانجھ پن کی وجہ سے پاؤں ہلکے اور سر بھاری ہو گیا ہے۔ اُبکائیوں پر پابندی ہے، جمائیاں تاحال آزاد ہیں۔ فقط سراب پیشِ نظر ہے۔ مگر دریا کی گہرائیوں اور گیرائیوں کے اندازے لگائے جا رہے ہیں۔ عقد کی تاریخ مقرر نہیں ہوئی، فقط وعدہ نکاح پر ہی رخصتی کے باجے بجنا شروع ہو گئے ہیں۔ ہر متوقع امیدوار کی کیفیت اُس سادہ لوح کی سی ہے جو محکمہ موسمیات کی پیش گوئی پر اعتبار کر کے چلچلاتی دھوپ میں "رین کوٹ" پہنے آم خریدنے جا رہا ہو۔ غیر متوقع انتخاب اور متوقع امیدوار دونوں مرکزی صنعتی نمائش میں دکھائے جانے کی صنعتیں ہیں۔ کافر ہو، جسے وعدۂ انعقادِ انتخاب پر یقین نہ ہو اور کافر الکافر بن ہو جسے طریقِ انتخاب پر یقین ہو۔ قبل از تولید خوشی بھی اتنا ہی احمقانہ فعل ہے جتنا کہ قبل از مرگ واویلا۔ لہٰذا یہی کافی ہے کہ تلک الایام نداولھا بین الناس پر یقین رکھا جائے اور ابروئے سربراہِ دول پر نگاہ رکھی جائے۔ کیا خبر اس بحر کی تہہ سے کیا ابھرتا ہے اور گنبدِ نیلوفری کون سا رنگ بدلتا ہے۔ البتہ نمعلوم یہ حُسنِ اتفاق ہے، فطرت کی گرفت آزمائی ہے یا کسی کی سیاسی فراست کہ جو لوگ بحالیٔ جمہوریت کے پردے میں اپنے لئے اقتدار طلب تھے انہیں سہ اک لفافۂ رنگین، ایک پرچۂ سادہ۔ اے دلِ سکوں دشمن لے ترا جواب آیا۔ کی کیفیت میں گرفتار ہونا پڑا۔ اور حکم ہوا کہ اے عزیز انتخاب دوستو! جاؤ۔ پہلے منہ دھو ڈالو۔ قیام صلوٰۃ کرو۔ گلی گلی، کوچہ کوچہ، دیہہ دیہہ، شہر شہر لاالٰہ غیرک پکارو۔ اللہ کے ملک یوم الدین ہونے، آئینی طور پر سپریم ہونے، یوم جزا مختار و مالکِ لاشریک ہونے کا اقرار کرو۔ معاہدہ کرو کہ اے پروردگار، ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ استدعا کرو کہ اھدنا الصراط المستقیم پکارو، سبحان ربّی العظیم، ربنا لک الحمد، سبحان ربّی الاعلیٰ پکارو! اے نبیؐ آپ پر سلام ہو۔ ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں

Marfat.com

پر سلامتی ہو۔ اے اللہ ہمیں مقیم الصلوٰۃ بنا۔ جناب صدر! نیکی کے اعمال و افعال میں تعاون اور منکر سے اختلاف و عدم تعاون و مجاہدہ و مقابلہ ازل سے فقیر منشوں کا دستور ٹھہرا۔ لہٰذا دیگر مثبت اختلافات کے باوجود قیام صلوٰۃ کے اہتمام و انتظام و انصرام پر مبارک ہو۔ جو بروقت تنقید سے کبھی باز نہیں آتے، وہ بجا تعریف میں تامل کیوں کریں۔ فی زمانہ اِس جُرعہ کے لئے جراٗت قابل ستائش ہے۔ وعدہ رہا کہ جس انداز سے منکرات کی نہی ہو گی، اسی انداز سے معروف کی تعریف بھی ہو گی۔ ہمارا آپ کا حاکم خدا۔ ہم آپ سبھی محکوم، اطاعتِ الٰہی ہم پر فرض اور آپ پر بھی۔ ہم آپ ساجد صرف وہی مسجود۔ الحمد صرف ہمارے اور آپ کے ربّ واحد کے لئے۔ ہم سب عابد فقط اک وہی معبود۔ ہم آپ صراطِ مستقیم کے متلاشی، اک وہی ہادی۔ ہم آپ انعام کے طالب صرف وہی مُنعم۔ ہم آپ صرف اُسی سے اعانت طلب، ریاست و حاکمیت فقط اُسی کی۔ ہم آپ فقط اطاعت گزار۔ میخانہ میکاولی کے تمام در بند، ساقیٔ مدینہ کا فیض عام جاری۔ روسیو، شیلے، ہیگل۔ کارل مارکس کے فریب کن نعرے مسدود، اذانِ محمدؐ بلند۔ نہ کوئی بندہ نہ کوئی صاحب۔ نہ کوئی محتاج نہ کوئی غنی، دربارِ الٰہی آویزاں اور ہم آپ ایک ہی صف میں صف آرا۔ یوں ہے تو ہم باوضو ہیں۔ ادھر قد قامتِ الصلوٰۃ کا اعلان ہوا، ادھر ہمارے روبٹیں ردیئں تے اللھم لبیک پکارا۔ قیام صلوٰۃ کے عوامل پر غور کریں تو کیا اللہ کے سوا کوئی اور اِلٰہ نہیں باور کر لینے سے آج کے تمام سیاسی مطالبات اور انتظامی عہدہ جات کی نفی نہیں ہو جاتی، بندوں کی حاکمیت کے آئینی شرک سے نجات نہیں مل جاتی، حکومت کا قیام صلوٰۃ کا نفاذ کرنا، کیا آج کے نظامِ حکومت کی نفی کر کے حاکمیت الٰہی کے برپا کرنے کا بنیادی عمل نہیں ہے۔ قیام صلوٰۃ ریاستی ذمہ داری اس لئے

Marfat.com

ہے کہ بندوں کو اپنی حاکمیت کے قیام سے روکا جائے۔ کوڑھی کوڑھی دانش فروش اگر یہ وسوسے قائم کرتے ہیں کہ یہ عمل کامیاب نہیں ہوگا۔ تو اپنے توہم گرفتہ ہونے کا ثبوت لا رہے ہیں۔ ایک لاکھ پچھتر ہزار ناظمین صلوٰۃ کا تقرر ہو۔ ملک کی تمام آبادی کو بالغ بھی تصوّر کرلیا جائے۔ یہ مفروضہ بھی قائم کرلیا جائے کہ اس وقت ملک بھر میں ایک بھی صلوٰۃ گزار نہیں۔ تو ایک ناظم صلوٰۃ کو فقط قریباً پانچ صد افراد کو ترغیبِ صلوٰۃ دینا ہوگی اور اگر نصف آبادی ہی بالغ ہے اور اس کی نصف مستورات ہیں۔ تو ایک ناظم کے حصّہ میں فقط ۱۲۵ افراد کے قریب آتے ہیں۔ ناظماتِ صلوٰۃ کا تقرر بھی ہوجائے، ہو جانا چاہیئے تھا، تو ایک قلیل عرصہ میں جملہ آبادی کا صلوٰۃ گزار ہو جانا لازم ہے۔ کتنا حسین ہوگا وہ دن جب اس مملکتِ خداداد کی تمام آبادی بوقتِ فجر و ظہر و عصر و مغرب و عشا، دست بستہ کھڑی پکار رہی ہوگی، اللہ کے سوا کوئی الٰہ کوئی حاکم نہیں۔ لاشریک حاکمیت، ملک، زمین اُسی کی ہے۔ سروری فقط اُسی کو زیبا ہے اور جواب مل رہا ہوگا، کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں۔ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں۔ مگر جناب والا! مغربی جمہوریت تعلیم و دانشِ افرنگ اور انسان ساختہ قوانین کی کارفرمائی نے کچھ انسانوں کو بھوت بنا رکھا ہے اور تمام بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے۔ کچھ بھوت لاتوں کے بھی ہوتے ہیں۔ وہ یا تو سفلے اور بدکار ہوتے ہیں یا پھر اہل مرتبت و قوی و ذی اثر۔ اُن کے علاج کے لئے نسخہ تحریر ہونا بھی ضروری ہے جو اذان سے متاثر نہیں ہوتے۔ کاروبارِ حیاتِ حکومت میں "لیس منّی" کا اعلان سنیں تو ہوش ٹھکانے لگیں۔ حواس کو بے ٹھکانے لگائے ہوئے لوگوں کے حواس ٹھکانے لگانا اور ٹھکانے رکھنا بھی تو حکومتی ذمہ داری ہے۔ ذاتی معاملات میں نرمی،

Marfat.com

حسن اخلاق، مروّت، رواداری، عفو و درگذر و چشم پوشی حسن طبیعت ہے۔ مگر خدائی معاملات میں، روگردان افراد سے رد گردانی اللہ کے ہاں لائق سرزنش ہے۔ انسانوں کی حکم عدولی کی سزا ہو سکتی ہے، ایک انسان یا اُس کے نظام کے خلاف آواز اٹھانے پر اگر تعزیری دفعات کے الفاظ میں کوڑے لیکنے لگتے ہیں تو احکامِ الٰہی کی پابندی کے لئے فقط وعظ و تبلیغ پر کیوں اکتفا ہو۔ آخر کیوں؟ صلوٰۃ، جنت سے نکالے ہوئے انسان، نہیں، وجودی قربت الٰہی سے محروم کئے گئے انسان، دوریوں اور فرقتوں کے کرب میں کراہتی ہوئی انسانیت، منزل کے متلاشی، بے راہ رو، بھٹکے ہوئے، مغضوب، ضالّ انسان کو معراج النبیؐ کے دوران عطا کیا گیا وہ روشن و ہادی عمل ہے جس کے ذریعہ وقت اور فاصلے کی گرفت میں جکڑا ہوا انسان، خالق و مخلوق کے درمیان حائل وقت اور فاصلے کو عملی طور پر کم ترین کر لیتا ہے۔ دوری اور فرقت کے کرب کو پوری انسانیت شعوری اور تحت الشعوری طور پر محسوس کرتی آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر انسانی ایجاد دراصل انسانوں کی وقت اور فاصلے کو سکیڑنے کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ پہیئے سے لے کر خلائی جہاز تک ہر ایجاد کے پس منظر میں یہی جذبہ کارفرما ہے۔ حضرتِ آدمؑ اور محمدؐ مصطفٰے، نبیؑ اوّل اور پیغمبرؐ آخر میں زمین پر اتارے گئے اور عرش تک لے جائے گئے انسان کا فرق ہے۔ وقت اور فاصلہ پر یوں عبور حاصل کرنا کہ خالق و مخلوق کے درمیان فاصلہ سکڑ کر کمان کے دو سروں سے بھی کم رہ جائے۔ اعجاز و عطائے الٰہی نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسے عمل کے دوران ایک ایسے نظامِ صلوٰۃ کا عطا ہو جانا، کہ قیام کے دوران اللہ کے روبرو، اور دورانِ التحیات پیغمبرؐ کے حضور صیغہ متکلم میں معروضات و ہدیہ تبریک پیش کیا جا سکے، کوئی معمولی عمل نہیں کہ اسے روزمرّہ کی عام اور معمولی توضیحات پر ٹال دیا جائے۔ یہ رحمتِ خداوندی ہے

Marfat.com

کہ انعامات صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کو بھی عطا ہوتے ہیں اور نہ چلنے والوں کو بھی، مگر کچھ ان انعامات کے تصرف سے منعم اور کچھ مغضوب ہو جاتے ہیں۔ جو بھٹک جائیں ان کے لئے وہی انعام غضب کا باعث ہوتا ہے اور جو نہ بھٹکیں، ان کے لئے باعث رحمت۔ چاقو سے قلم بھی بنایا جا سکتا ہے اور خودکشی بھی کی جا سکتی ہے۔ قلم سے قرآن بھی تحریر کیا جا سکتا ہے اور فحش نگاری بھی کی جا سکتی ہے۔ لاالٰہ الا اللہ بھی تحریر کیا جا سکتا ہے اور ہرگز کوئی اللہ نہیں ہے بھی تحریر کیا جا سکتا ہے۔ خالق و مخلوق کے درمیان فاصلے طویل رہیں، دوریاں بڑھتی جائیں تو انسانی عمل منفی ہو جاتا ہے۔ دوریاں اور فاصلے سکڑ جائیں تو انسانی اعمال مثبت عمل اختیار کر لیتے ہیں۔ صلوٰۃ ان ہی دوریوں اور فاصلوں کو سکیڑ دیتی ہے۔ حیرت ہے کہ مسلمان اللہ کی حاکمیت پر، اس کے حاضر و ناظر، سمیع و مجیب و بصیر ہونے پر ایمان بھی رکھے اور اُسی کی اتنی قریب موجودگی میں کسی اور حاکم و الٰہ کو بھی تسلیم کرے، حاکم و الٰہ بن بھی بیٹھے۔ اسی کیفیت سے محفوظ رہنے کے لئے صلوٰۃ رحمتِ مجسّم کا دورانِ ملاقاتِ الٰہی اپنی اُمت کے لئے حاصل کیا ہوا تحفہ ہے۔ انسانی حکومتوں کے دارالخلافوں تک جانے کے لئے وقت بھی درکار ہے اور سرمایہ بھی۔ مگر دربارِ خداوندی میں حاضری کے لئے وقت مقررہ پر جو چاہے، جہاں چاہے وقت اور فاصلہ کو شکست دے لے۔ نہ کوئی تحریری درخواست، نہ کورٹ فیس، نہ ڈاک کا ٹکٹ۔ دن میں پانچ مرتبہ ملاقات، عرض گذاری، ہدایت طلبی، مشاورت اور پھر شاہ و گدا، صدر و مزدور، توانا و ناتواں، تونگر و مفلس سبھی ہم منصب، سبھی کا ایک مقام، سبھی برابر، سبھی ایک صف میں۔ سب اُسی الٰہ کے محکوم، سبھی فریادی، سبھی ہدایت طلب۔ نہ کوئی انسانی مصنوعی حفظِ مراتب، نہ کش مکش من و تو، تمام دنیوی الٰہوں

Marfat.com

سے گلو خلاصی، تمام مکروہی سجدوں سے نجات ۔۔۔ جناب صدر! پیغمبرؐ کے لائے ہوئے اس نظام کو آپ نے قوم کی جھولی میں ڈال دیا۔ ہم زخم سہلانوں کو کیا خبر تھی کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی جھولی میں یہ رحمت بھی ہے، ورنہ روز اوّل ہی طلب کر لیتے۔ گاؤں گاؤں ناظم صلوٰۃ مقرر کر دیئے۔ دنیوی طور پر سربراہ حکومت سے بلاواسطہ رابطہ کا حق دے دیا، اللہ تعالےٰ سے بلاواسطہ رابطہ قائم کرنے کی ترغیب دے دی۔ معلوم ہے، آپ نے کیا کیا۔ خالق و مخلوق کے درمیان رابطہ کا نظام برپا کر دیا جو انسانی حکومت کے منتمی افراد کے لئے ایسا ہی عمل ہے جیسے اُن کی راہ میں بارودی سرنگیں پھیلا دی جائیں۔ صلوٰۃ جو بندگان حُرّ وجود میں لاتی ہے، وہ قیصر و کسریٰ کے لئے کبھی سازگار نہیں ہوتے۔ لیکن ادھر آپ نے اللہ کی رضا کے لئے اپنی حاکمیت کو خطرات میں ڈالا، اُدھر آپ کے اور ناظمین صلوٰۃ کے درمیان رابطہ کا نظام بھی ہو گیا۔ یقین تو ہو گیا ہوگا کہ اللہ کتنا سریع الحساب ہے اور اپنے ذمہ لمحہ بھر کے لئے بھی قرض نہیں رکھتا۔ اس رابطہ نے آپ کو ایک لاکھ پچھتر ہزار کارکن مہیّا کر دیئے جو کسی مخالف و موافق سیاسی جماعت کو آج تک میسّر نہیں ہوئے۔ اتنے صلوٰۃ گذاروں کا رابطہ فقیر سے ہوتا تو کسی روز ان سب کو اکٹھا کر کے بالمشافہ قیامِ صلوٰۃ کی درخواست کرتا۔ ان کے روبرو ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا اور منت کرتا کہ وعدہ کرو، صلوٰۃ تم پر گراں نہیں گزرے گی۔ وعدہ کرو، کہ اللہ کے سوا کسی اور کو حاکم والہٰ تسلیم نہیں کرو گے۔ فقط اللہ ہی کے احکام کی پابندی کرو گے۔ اُس کے معروف پر عمل اور منکر کی نہی کرو گے۔ آپ سیاسی آدمی نہیں ہیں۔ ہونا بھی نہیں چاہیئے۔ یہ تو سن رکھا ہوگا، مُلّاں اور مجاہد کی اذاں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ سیاسی جماعت ہرگز نہ بنایئے۔ حزب اللہ تشکیل دیجئے۔ یہ آپ کا فرض بھی ہے اور منصب بھی۔ خطبہ حجۃ الوداع

Marfat.com

فقط ریفرینس یا حوالہ جات کے لئے ہی نہیں، دہرانے اور وارد کرنے کے لئے بھی ہے۔ آپ کے سیاسی مقاصد ہوں یا نہ ہوں، صلوٰۃ کے لئے ریاستی مقاصد ہیں۔ صلوٰۃ اسلام کے سیاسی نظام کی خشتِ اوّل بھی ہے، ستون بھی اور معراج بھی۔ سیاست میں معذرت خواہانہ رویہ جرم بھی ہے اور مہلک بھی۔ اسلام ڈپلومیٹک نہیں، دین فراست ہے۔ دربار و دیارِ غیر میں نیزے کی نوک سے قیمتی قالینوں کو مجروح کرتے جانا اور سادگی کا تاثر قائم رکھنا فراست ہے، ڈپلومیسی نہیں۔ فراست اور ڈپلومیسی کے انداز جداگانہ ہوتے ہیں۔ میٹھے زہر اور کڑوے تریاق میں کیا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ یہ تاثر ابھرتا ہے کہ آپ اس فرق سے بخوبی آشنا ہیں مگر تکلف فرما جاتے ہیں، اور آپ کے پہلو بچاتے بچاتے پہلوتہی ہو جاتی ہے۔ جرأت رندانہ و نعرۂ مستانہ سیاستِ اسلام کے رنگ و روغن ہیں۔ بندوں سے یوں ڈرنا کہ خوفِ خدا نہ رہے، اتقا کا ازلی دشمن ہے۔ یہ رویہ انسان کو اقتدار بھی دے تو کاسۂ گدائی میں ڈال کر دیتا ہے۔ اسی رویہ کو عرف عام میں جمہوری رویہ کہتے ہیں۔ عوام کا حاکمیت الٰہی کو تسلیم کر لینا اور سربراہِ حکومت کا حاکمیت الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر کے عبدیت اختیار کر لینا فقیرانِ راہ کو رازِ سلطانی سے آگاہ کر دیتا ہے۔ ایسے ہی عوام اور سربراہان حکومت ہیں جن کی پیغمبرؐ آخر الزمان نے تمنا کی تھی۔ سبحان اللہ۔ اس سربراہ کا مقدر جس کا عمل و مرتبہ رسول اللہؐ کا پسندیدہ ہو جائے۔ لوکل باڈی اور کائناتی شخصیت کی پسند و خوشنودی میں فرق کیا بتانے، دکھانے یا سمجھانے کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں غالباً یہ پہلا نظام ہے جس کے نفاذ کے لئے بیت المال اور بیت المال پر بوجھ نہیں پڑا ہوگا۔ آپ نے اللہ کے سامنے جھکنے کے نظام کا حکومتی سطح پر اعادہ کیا ہے تو کسی اور کے سامنے نہ جھکیے

کا انعام بھی پوری قوم کا مقدّر ہونا چاہیئے۔ جو اس نظام کی پیروی قبول کرے، اللہ اور بندوں کے سامنے بیک وقت جھکنا اُس کے لئے بڑا کرب ناک ہوتا ہے۔ بندوں کے سامنے جھکنے کے نظام کے زیر اثر لوگوں نے اللہ کے سامنے جھکنا ترک کر رکھا ہے۔ اپنی خواہشات کے سامنے جھک جانا اس سے بھی قبیح عمل ہے جو ایسے نمازیوں کو جنم دیتا ہے جن کی نمازوں پر اللہ تے "فویل" کیا ہے۔ اللہ اور بندوں کی حاکمیت کی دوعملی کو ختم فرمایئے، وہ انفرادی ذات پر ہو یا معاشرتی طور پر۔ جو امامت مسلمانوں کو سلاطین کا پرستار کرے، فتنۂ ملّت بیضا ہے۔ فکری طور پر سلاطین اور صلاتین میں فرق نمایاں کرنے کی اشد ضرورت ہے، مسلطین، مصلین کو گوارہ نہیں ہوتے۔ سنگِ آستاں سنگِ میل نہیں ہوتے۔ اپنے ہی گھر منزل ہوتے تو لوگ سفر کیوں اختیار کرتے۔ فاصلے نہ ہوتے تو سفر کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دینِ اسلام کی راہِ سیاست میں ایسا سنگِ میل نصب نہیں کیا جاسکتا جس پر صفر میل کے سوا کچھ اور اعداد و الفاظ تحریر ہوں۔ تصویرِ یار رعایا کے دل کے آئینے میں ہوتی ہے۔ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی اور منتظم ریاست کے سامنے بھی لٹکی رہتی ہے کہ جب ذرا گردن اٹھائی دیکھ لی۔ دورانِ صلواۃ مسلمان اللہ سے براہ راست مخاطب ہوتا ہے، بذریعہ حکمران نہیں۔ اللہ کو اپنی حاکمیت قائم و جاری و ساری رکھنے کے لئے کسی براَیخ آفس کی ضرورت نہیں۔ تختِ شاہی پر ایستادہ انسانی احکام نافذ کرتا ہوا ہر انسان بمع اپنی تمام تر اہلیتوں کے اللہ کی قہاری و جبروت کی زد میں ہوتا ہے۔ اللہ کے چلّے پر چڑھے ہوئے تیر فاصلوں کے محتاج نہیں ہوتے۔ ان سے بچاؤ کے لئے کوئی زرہ بکتر بھی ایجاد نہیں ہوئی۔ رعایا کو دورانِ صلوٰۃ کسی انسان کے حاکم ہونے کا واہمہ نہ ہو اور بزعم خود دنیوی

Marfat.com

حاکم خوفِ ربِ "الاعلیٰ" سے لرز جائے، آئین اسلام بھی ہے اور دستورِ کائنات بھی۔ آپ کو جبینِ سجدہ آشنا کا واسطہ، نظامِ صلوٰۃ کا تقاضا ہے نظامِ خلافت و مشاورت اور انسانی حریت کا نفاذ ہو۔ یعنی حاکمِ وقت حاکم نہ ہو، خلیفہ ہو جو احکامِ الٰہی کی پابندی کرے اور کروائے۔ ہر شخص کو وہ مرتبہ دے جو انّی جاعل فی الارض خلیفہ کے سرچشموں سے سیرابی کے صلے میں عطا ہوتا ہے، اپنے اور شہریوں کے درمیان تمام فاصلے مشاورت کے ذریعے ختم کرے۔ صلوٰۃ سے اللہ اور بندوں کے درمیان فاصلے سکڑ جاتے ہیں اور مشاورت سے خلیفہ اور شہریوں کے درمیان فاصلے نابود ہو جاتے ہیں۔ نظامِ قیام صلوٰۃ نے سیاست کاروں کو بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ مخالفت کر نہیں سکتے، حمایت و تعاون کو دل نہیں چاہتا۔ سیاسی جھاڑیوں میں چھپے ہوئے خرگوش گھات لگائے بیٹھے ہیں کہ کوئی ایک خرگوش بھاگے تو یہ بھی سرپٹ ہوں۔ کوئی کہہ رہا ہے، اس میں بھی کوئی چال ہے۔ کوئی کہتا ہے، صلوٰۃ پرسنل معاملہ ہے۔ کسی کو اعتراض ہے حکومتی صلوٰۃ کیوں۔ ایک سیکولر صاحب کا فرمان ہے۔ یہ اکراہ فی الدین ہے۔ انگریزی حکومت میں تاجِ برطانیہ کے کراس کے سامنے رکوع و سجدہ جائز تھا، مسجد میں اللہ کے سامنے سربسجدہ ہونا گوارا کیوں نہیں۔ یہ سب کچھ فرنگی سیاسی کسرت کی کثیر نفسی کا ورود ہے۔ لوگ میکاولی کے رنگ میں بیٹھکیں لگا سکتے ہیں، ڈنٹر پیل سکتے ہیں، صفِ محمدؐ میں رکوع پذیر ہونا گوارا نہیں۔ یہ نظامِ صلوٰۃ کی مخالفت نہیں کر رہے، اپنا نیا مقدّر بھی تحریر کر رہے ہیں۔ یہ لاہور کے بلال گنج کے بلال ہیں۔ ان کے نوشتۂ تقدیر پر اقتدار کو دیمک لگ چکی ہے۔ یہ تعاون فروش وقت آتا ہے، تعاون

Marfat.com

نیلام کریں گے ۔ کوئی بولی نہ لگا دیجئے گا۔ نظام صلوٰۃ کے نفاذ سے یہ بازی جنگ ہار گئے۔ انتظامی جنگ کے لئے نظامِ خلافت و مشاورت برپا کرنا آپ کے ذمہ ہے ۔ بس اس مئے سُرور آور کا ایک جام اور۔ یوں جیسے سورج شام سیاہ قبا کو طشتِ افق سے اٹھا کر لا کے پھول مارے اور شفق چاندی کے گہنے اتار کر سونے کے زیور پہن لے ۔ ورنہ کوئی جیت کر بھی ہار سکتا ہے ۔

Marfat.com

جنابِ صدر! اب رزمِ حق و باطل بھی ہے اور حلقۂ یاراں بھی

"فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے لیکن اجتماعی گناہوں کو معاف نہیں کیا کرتی۔ اور یہی خوف تحریر ہٰذا کا باعث ہے۔ ملّت کی توجہ اس طرف دلانا مقصود ہے کہ اسلام کے نظامِ سیاست میں نہ تو کسی اکبرِ اعظم اور اُس کے نورتنوں کی گنجائش ہے اور نہ ہی سربراہِ مملکت اور سربراہِ حکومت کے عہدوں کے قیام یا اُن کے اختیارات کی تقسیم کی ان عہدوں کی علیحدگی" ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس۔ جب ذرا انسان ہوا ہے خود شناس و خود نگر"، کے میکاولی مکتبۂ فکر کی ایجاد ہے۔ اللہ کی حاکمیت کا نظام' بندگانِ خدا کے واسطے سے خلافتی و مشاورتی ہے۔ امیرِ مملکت تابع فرمانِ الٰہی امورِ روزمرّہ میں مشاورت کا پابند اور احکامِ الٰہی کی پابندی کا نظام برپا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ احکامِ الٰہی کی عدم پابندی نااہلیت وارد کر دیتی ہے۔ پارلیمنٹ، حزب ہائے اقتدار و اختلاف علیحدہ علیحدہ انتظامی و ملکیتی سربراہ، کابینہ، انسان ساختہ قوانین کے تابع طریقِ انصاف قائدین ایوان و حزبِ اختلاف، سیاسی پارٹی بازی، عہدوں کے لئے سازباز، اقتدار طلبی و منصب نوازی کا سیاستِ اسلام سے کوئی رشتہ و پیوند نہیں ہے۔ مکتبۂ فکر و سیاست اسلام میں یہ بتانِ وہم و گماں ہیں۔ اور لا الٰہ الا اللہ کی آئینی

Marfat.com

اساس کے منافی ہیں، اہل الرائے کا تعین کئے بغیر کرائے گئے انتخابات کا بھی دینِ اسلام سے کوئی ربط نہیں۔ سانحہ یہ ہے کہ صدر مملکت کی واضح تصریحات کے باوجود وطن عزیز سہواً یا عمداً یا مجبوراً نظام اسلام کے نفاذ کی بجائے مغربی جمہوریت کی بحالی کی راہ پر گامزن ہو گیا ہے اور کوئی دن جاتا ہے کہ راہیں گریہ گناں ہوں گی کہ مسافرو! میرِ کارواں سے عرض کرو۔ "سانول موڑ مہاروے"۔ انتقال اقتدار اور شرکتِ اقتدار کی منفیوں کو مغربی جمہوری طریقِ انتخاب کے اثبات کا سہارا دے کر نظامِ اسلام کا نفاذ نہیں کہا جا سکتا کہ نظام اسلام تو اقتدار صرف اللہ کو لوٹانے کا داعی ہے۔ باوجود جملہ آئینی ترامیم کے ابھی تک اسلام ہمارا ریاستی مذہب اور جمہوریت ہماری سیاست ہے۔ ترمیم شدہ آئین کی بحالی کے ساتھ ان راہ نما اصولوں کا احیاء بھی وارد ہو گیا ہے۔ یہ احیائے اسلام نہیں، احیائے سیکولرزم ہے۔ ہم نے بین الاقوامی سیاست کے سامنے جھولی پھیلا دی ہے، اسلام کا پرچم لپیٹ لیا ہے اور قراردادِ مقاصد کو وقتی مقاصد کی چادر میں لپیٹ کر حکومتی چاردیواری میں محفوظ کر لیا ہے۔ نظامِ اسلام کے نفاذ کے لئے صدر مملکت کے ذاتی اخلاص پر تسک شاید گوارا نہ ہو مگر پاکستان میں وارد شدہ معروضی حالات کے پیشِ نظر نہ نئی سیاسی لغت تحریر کی جا سکتی ہے، نہ انسائیکلوپیڈیا میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔ وَمن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئک ھم الکافرون اور لاتفرقوا کے بین السطور معانی و مطالب، موسموں کے ردّ و بدل، جغرافیائی تقاضوں اور سیاسی تیوروں کے محتاج قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ صدر مملکت کا عندیہ، اعتقاد اور نظریہ جو ان کی متعدد تقاریر اور اسلامی انتخابی منشور میں بیان ہوا، اس کے عین اسلامی ہونے میں کسی آئین کے طالب علم کو کلام نہیں ہو سکتا مگر شاید زاویہ نگاہ بدل گیا، یا گرفت لرز گئی کہ نشانہ خطا ہو گیا۔ سیاستِ

Marfat.com

اسلام میں پارٹیوں، حزب ہائے اقتدار و اختلاف، پیشہ ور سیاست، غیر اہل رائے کے حق رائے دہی و نمائندگی، انسانی حاکمیت اور احکامِ الٰہی کی عدم پابند قیادت کا کوئی تصور نہیں۔ ان بنیادی اصولوں کا صدر مملکت نے بار بار اعلان فرمایا۔ تصدیق فرمائی کہ تعطل زدہ معطل آئین کے فکری تضادات شعور لیوا ہیں، قلب و ذہن میں تضاد کا باعث ہیں۔ مغربی جمہوری نظامِ انتخاب میں اکثریت اکثر محروم رہ جاتی ہے۔ آئین اسلام میں امیرِ مملکت کی مجلس شوریٰ ہوتی ہے مجلس شوریٰ کا امیر نہیں ہوتا

۔ مشاورت میں اعلیٰ و اعظم، رکنِ محض و وزیر، ضرورتِ وقت تو ہو سکتی ہے، آئینی ضابطہ نہیں۔ مغربی جمہوریت کا نظام اقتدار کی مسلسل جنگ کا محرک ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کا اپنا ایک منفرد سیاسی نظام ہے، آئینی بھی اور انتخابی بھی، جو امورِ مملکت میں ہر شہری کی بلاواسطہ شرکت کا اہتمام کرتا ہے ان اعلانات کی صداقت پر یقین نے گنگنانا شروع کر دیا ے دیکھ کر رنگ چمن ہو نہ پریشاں مالی۔ کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی۔ ے کتاب ملّت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے۔ یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا۔ مگر کرنا گردشِ ایام کا یہ ہوا کہ استصوابی انتخاب صدرِ مملکت اور نظامِ اسلام کے نفاذ کے قطعی ملّی فیصلہ کے باوجود امیر مملکت کی مجلسِ شوریٰ کا وقت آیا۔ تو یہ انتخاب قطعی جمہوری سیاسی غیر جماعتی ہو کر رہ گیا۔ تمام اسلامی قدریں بے قدر اور جملہ جمہوری قباحتیں جن کی نشاندہی مفکرِ پاکستان نے آئین پیغمبر کے تقابلی مطالعہ کے بعد کی تھیں اور صدرِ مملکت نے ان پر صاد کہا تھا، انتخابی مہم جوئی پر محیط ہو گئیں۔ انتخابات منصفانہ غیر جانبدارانہ و عاقلانہ و پرامن ہوئے مگر اسلام کے ساتھ وہ بے انصافی ہوئی کہ ہر بنیادی اسلامی اصولِ انتخاب بے امکان نظر آنے لگا۔ اسلامی فکری اجتماعیت

Marfat.com

کا پیرہن تار تار ہوا اور جمہوری عزضی انفرادیت نے قوم کے ذہنی افہام یا ابہام سے مسلح ہوکر ہلّہ بول دیا۔ کاش کوئی ایک تو یہ سوچتا کہ سانپ کے انڈے مورنی لاکھ خلوص کے ساتھ سینتے ابر آمد تو وہی ہوگا جو اُن سے ہونا چاہیئے۔ کسی کو بھی یہ یاد نہ رہا کہ نظام اسلام کے نفاذ کے لئے منتخب صدر کے لئے مجلسِ مشاورت درکار ہے۔ اقتدار یا شرکتِ اقتدار خلاصہ نہیں آئینِ اسلام کے نفاذ کی ذمہ داری میں شرکت و معاونت کا عمل جاری ہوا ہے انسانی حاکمیت کے قیام کا نہیں۔ انتخابی ہتھکنڈوں کی ہتھیلیوں پر جو سرسوں جمی اُس نے زرد سرمایہ کے بل بوتے پر اندھا دھند بسنت منائی اور اسلامی انتخابی منشور کا "بوکاٹا" ہوگیا۔ باوجود صدقِ دل اور خلوص نیت کے یہ نہ جانا کہ امیدواروں میں مقابلہ اور مہم جوئی جو طالع آزمائی کی بجائے انتخابی امر کو مشاورتی طریق سے سرانجام دینا ضروری ہے کہ مغربی جمہوری طریق انتخاب سے قومیت اسلام کی جڑ کٹتی اور ملّتِ اسلامیہ گروہوں میں بٹتی ہے۔ تسلیم کہ مغربی جمہوریت کی دین سیاسی پارٹیاں موجود تھیں۔ حکومت و صدر مملکت کے خلاف ان کا رویّہ منفی تھا۔ سیاست کی چاندی کو لاجواب ہوکر "جھج کا پھاڑہ سناؤ" کہنے کی عادت تھی۔ تسلیم کہ بائیکاٹ کے خطرات و اثرات سے بھی نپٹنا تھا مگر اسلام کے انتخابی نظام کے اسوۂ حسنہ میں ان قباحتوں کا علاج موجود تھا۔ جسے آزمایا جاتا تو ان افراد کے بائیکاٹ سے پیشتر انتخابات ان کا بائیکاٹ کر دیتے۔ صد افسوس کہ اسلامی انتخابی منشور بلیک بورڈ پر لکھا ہی رہ گیا اور بیوروکریسی نے چھٹی کی گھنٹی بجادی کہ "فائن ڈے" ہے قوم کا حق ہے کہ انتخابی موسم "اینجائے" (ENJOY) کرے۔ یہ حربہ مؤثر رہا اور مغربی جمہوریت کے دیوا ستبداد نے نیلم پری کا روپ دھارے وہیں صدائے گدا لگائی۔ جہاں شبِ گزشتہ نقب زنی کی تھی۔ بیوروکریسی نے غالباً دورانِ ریفرنڈم ہی یہ طے کر لیا تھا کہ انتقال اقتدار ہو یا شرکتِ اقتدار،

Marfat.com

پالسہ ہو کر پلڑا ہماری ہی مٹھی میں رہنا چاہیئے۔ قارئین اپنی اپنی بساط، تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر خود ہی فیصلہ کرلیں کہ امیدواروں اور رائے دہندگان کے واسطہ سے کتنی اسلامی قدریں محفوظ رہیں، کتنی پروان چڑھیں اور کتنی برباد ہوگئیں۔ اے قوم! مسئلہ صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن پیدا کرنے کا نہیں تھا، سربراہ مملکت اور سربراہ حکومت کے دو مختلف عہدوں کے وجود و عدم وجود کا تھا، یہ سوچنے کا تھا کہ حاکمیت الٰہی میں امیر مملکت کے مشیر و عمّال تو ہوتے ہیں۔ کیا منتخب نمائندوں کے مرہونِ منت وزیرِ احسان ارکان کابینہ بھی ہوتے ہیں۔ مملکتی حکومتی سربراہی کے لیئے اللہ اور رسول ﷺ کے معتمد درکار ہوتے ہیں یا اُن عوام کے جنہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی پسند و ناپسند پر اپنی اغراض و پسند کو ترجیح دی ہو۔ کیا کپکپاتے ہوئے مغربی پارلیمانی نظام کو قرارداد مقاصد کے لحاف میں لپیٹ دینے سے معاشرتی امراض کا علاج ہو جائے گا یا اس کے اندر کے چور کو پکڑنا بھی ضروری ہے۔ کیا یہ مغربی جمہوری انتخابی قباحتوں کی کامیابی نہیں کہ گوشواروں سے مستثنٰی قرار دینا پڑا، سرکاری ملازموں کے رشتہ دار ہونا اہلیت و فضیلت قرار پایا۔ کیا یہ بند باندھنے کی بجائے پل تعمیر کرنے کا عمل نہیں ہے۔ اسے خود اعتمادی کی ٹوٹ پھوٹ کہا جائے گا۔ جناب صدر اور پارلیمان کی آئندہ ذمہ داری نظام اسلام کا مکمل نفاذ ہے۔ پارٹی بازی اور تفرقہ آرائی کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ تو پھر سیاسی پارٹیوں کے وجود اور عدم وجود کا فیصلہ آئندہ پارلیمنٹ کی صوابدید پر چھوڑنے کی بجائے بحال کردہ آئین کی ہر شق کو آئین اسلام آشنا کرنا، پارلیمنٹ کی ذمہ داری ہونا چاہیئے۔ کسی پارلیمنٹ کو قرآنی محکمات میں ترمیم کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ پارلیمنٹ اجتہاد کا ادارہ ہے۔ اس کے دائرہ کار میں امور روزمرّہ کے واسطے سے قرآن سے دانش حاصل کرکے لائحہ عمل متعین کرنا ہے۔

Marfat.com

آئینِ اسلام کا من وعن نفاذ اولین پارلیمانی کارروائی ہونا چاہیئے۔ محکمات تشخیص طلب نہیں ہوتے، اطاعت طلب ہوتے ہیں۔ مغربی طریقِ انتخاب نے اسلامی انتخابی منشور کے ساتھ جو سلوک کیا، اس کا تجزیہ جناب صدر اور پارلیمان کی ذمہ داری ہے۔ ہم تو فقط آہ سرد ہی بھر سکتے ہیں۔ حزب احتساب اور بیرا پوزیشن کہ سیاسی جماعتیں بحال ہونا چاہئیں یا نہیں، اگر ہوں تو تعداد کیا ہو، راہ نکالنے کا نہیں راہ دینے کا عمل ہے۔ مجالسِ مشاورت امیر مملکت کی قوت کا سرچشمہ نہیں ہوتیں۔ فریق نہیں ہوتیں، رفیق ہوتی ہیں۔ کسی معاون کا اختیار طلب کرنا ذوقِ تعاون نہیں ہوتا۔ جذبہ رقابت ہوتا ہے۔ مارشل لار کے جلدی اٹھائے جانے کی بجائے اگر نظامِ اسلام کا فوری نفاذ ہو تو کیا مارشل لا، جاری رہ سکتا ہے۔ مارشل لا، اور سول حکومت اگر بیک وقت قائم نہیں رہ سکتی تو آئینِ اسلام اور آئینِ جمہوریت غرب کا بیک وقت اطلاق بھی ناممکن ہے۔ دونوں میں اللہ کی حاکمیت اور انسانوں کی حاکمیت کا فرق ہے۔ آئینِ اسلام کے نفاذ کے بغیر فقط قوانینِ اسلام کا نفاذ نظامِ اسلام نہیں ہو سکتا۔ مارشل لار جلدی اٹھنا چاہیئے، جمہوریت فوراً بحال ہونی چاہیئے۔ پارلیمنٹ با اختیار ہونی چاہیئے۔ ترامیم پر پارلیمنٹ میں فیصلہ ہونا چاہیئے۔ صدرِ مملکت اور ان کے ساتھ فوج کو بے اختیار ہونا چاہیئے، دھڑے بندی و گروہ سازی پارلیمنٹ کے ارکان کا بنیادی حق ہونا چاہیئے، سیاسی پارٹیوں کو بحال ہونا چاہیئے۔ یہ سب فکرِ صدر اور رجحان پارلیمان کو محاذ آرائی کرنے کی چالیں ہیں۔ بائیکاٹ کرنے والے پارلیمان کی پیٹھ ٹھوک رہے ہیں کہ تو ہی ملک کی سپریم پاور ہے، اپنے وجود کو منوا۔ جس دن منوانے کا یہ عمل شروع ہو گیا، بائیکاٹیوں کی پانچوں گھی میں ہوں گی اور پارلیمان کڑاہی میں ہو گی۔ بائیکاٹیوں کا تر نوالہ۔ پتہ ہی تب چلے گا جب سب کچھ نگل کر

Marfat.com

مونچھوں پر ہاتھ پھیر رہے ہوں گے۔ صورت حال کا علاج مجوزہ سیاسی مفاہمت نہیں۔ یہ ازخود مغربی جمہوری سیاست کے جال میں پھنسنے کا عمل ہوگا۔ مارشل لاء ہٹایئے مگر نظام اسلام لایئے۔ صحیح راہ اختیار کی گئی تو کوئی رقیبِ اقتدار قوت دم نہیں مار سکے گی۔ بشرطیکہ موجودہ پارلیمنٹ حدود اسلام کی پابند اور صدر مملکت نگران و پیش رو اور مخلص میر کارواں رہیں۔ صدر مملکت کے پارلیمنٹ سے خطاب اور وزیر اعظم کے قوم سے خطاب میں بالترتیب نظامِ اسلام اور جمہوریت پر زور کے تفاوت میں ہی آئندہ کے خطرات پنہاں ہیں۔ نہ اسلام پھلے پھولے گا نہ جمہوریت بار آور ہوگی۔ تاوقتیکہ یہ بھی عسکری حکمت عملی نہ ہو جس سے ہم سویلین اپنی ناتجربہ کاری اور کم علمی کی وجہ سے ناآشنا ہیں۔ مغربی جمہوریت سے تو بہ نہ ہوئی، نظامِ اسلام نافذ نہ ہوا تو مارشل لاء کو اٹھانے اور بٹھانے کے عمل سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا۔ اور اس کسرتِ بلاجواز سے ہر محب وطن کا دل دکھے گا۔ یہ ہوائی تو چھوڑی جا چکی کہ بائیکاٹی حزبِ اقتدار طلبِ مذہب کو سیاست سے جدا رکھنے کے اصول کی پیروکار ہے۔ یوں ہوا تو ملک و سیاست کا تو نہ معلوم کیا ہو، اگر فقط صدر مملکت کی ذات سے ہی دین کو علیحدہ کر دیا جائے تو باقی ایک فوجی سربراہ کے سوا کیا رہ جاتا ہے۔ شرافت، دیانت، مروت دین سے جدا سیاست میں ذاتی اوصاف ہوتے ہیں، سیاسی نہیں۔ اگر ہوتے تو امریکہ میں واٹرگیٹ سکینڈل کے علاوہ برطانیہ میں جنسی سکینڈل رونما نہ ہوئے ہوتے۔ انتخابات نفاذِ اسلام کے لئے ہوئے تھے مگر انتخابات کے بعد اراکین اصرار کے ساتھ جمہوریت اور اسی کی بحالی کے نغمے الاپ رہے ہیں۔ نظامِ اسلام کا نام کوئی لیتا بھی ہے تو فقط زیبِ داستان کے لئے۔ یہ فکر و عمل راسخ ہوا تو یقیناً گنگا الٹی بہے گی۔ محرابِ پیشانی تو ہوگی مگر بتانِ آزر کا

Marfat.com

طواف سیاسی مجبوری بن کر رہ جائے گا۔ صاحبو! مجالسِ مشاورت اور مشیروں کا دائرۂ کار ہرگز وہ نہیں جو مغربی جمہوری پارلیمان کے دیوِ استبداد کا ہوتا ہے۔ تاج پہننے اور کپڑوں میں پیوند لگا کر نظامِ حکومت قائم کرنے میں بڑا فرق ہے۔ تاج بندوں کو ڈرانے کے لئے پہنے جاتے ہیں اور پیوند اللہ سے ڈر کر لگائے جاتے ہیں۔ وزیرِ اعظم کی تقریر کے محرّر پر یہ امر واضح ہو کہ گروہی وزارتی تقسیم کو قومی حکومت نہیں کہتے۔ نامزد وزیرِ اعظم کو سبھی کا منظور کر لینا اظہارِ بے چارگی نہیں، مظاہرہ روباہی ہے اس لئے کہ انتخاب پر سرمایہ خرچ نہیں کیا گیا، لگایا گیا ہے اور متعلقہ قوانین نافذ العمل ہیں۔ استحکامِ پاکستان کے لئے صدر اور پارلیمان کا فکری طور پر یک جہت ہونا لازم ہے اور اللہ کی رسّی اجتماعی طور پر مضبوطی سے پکڑنے کے لئے ہوتی ہے، رسّہ کشی کے لئے نہیں ہوتی۔ مغربی جمہوری نظامِ سیاست کے قمار بازِ عالمِ پیر کو عالمِ نزع میں طاقت و نشہ کے لئے ٹیکے لگا رہے ہیں۔ اور جہانِ نو نمود کو مؤخر رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگ رہا ہے۔ سربراہِ مملکت و سربراہِ حکومت کے عہدوں کی تقسیم، صدر اور وزیرِ اعظم کے اختیارات میں توازن، با اختیار پارلیمان، یہ وزارت طلبیاں، یہ مقبولیت کی نمائشیں، یہ قبولِ فی الفور، یہ انکارِ مؤخر، یہ وقتِ مناسب کا انتظار اسی ایک سلسلہ کی ترتیب وار کڑیاں ہیں اراد سے بالآخر سیڑھی کھینچ لینے کے ہیں۔ با اختیار پارلیمنٹ اور کابینہ کے ساتھ جو کھیل ماہر بیورو کریسی مغربی جمہوری نظام میں کھیلتی ہے، ٹیلی وژن پر "یس منسٹر" کی سیریز دیکھنے کے بعد واشگاف ہے اور پھر ہمارے ٹیلیوژن پر وگرام ترتیب دینے والے اُس شخص کو حُسنِ کارکردگی کا ایوارڈ ملنا چاہیے۔ جس نے انتخابات کے نتائج سنائے جانے کے دوران "دُکڑ کُٹ باجرہ میں کوٹھے اُتے پانی آں۔ ہاں وے ماہی میریا میں کوٹھے اُتے پانی آں۔ آؤں گے کاگ اڑا جان گے۔ مینوں نواں لیواڑا پا جان گے" والا نغمہ

Marfat.com

بھی سنایا۔ موجودہ مغربی جمہوری انداز انتخابات کے نتائج نے نظام اسلام کے نفاذ کے صدق وخلوص کو جس پریشان سوچ وبچار کے سپرد کر دیا ہے، وہ لمحہ فکریہ بھی ہے اور آئندہ کے لئے سانحات کا باعث بھی ہوسکتا ہے۔ ورودِ حالات کے باوجود پارلیمان اگر مغربی جمہوریت کے خول سے نکل کر نظام اسلام کو بلا شرکت غیرے اپنا لینے کا تہیہ کرے تو خدشات سے اب بھی بخیر وخوبی نپٹا جا سکتا ہے۔ ناخدا اور مسافر ایک ہی کشتی میں سوار ہوتے ہیں۔ مختلف سمتوں میں چپو چلانے کا عمل نہ سازگار ہوگا نہ کارساز، اور نظام اسلام سے مراد آئین اسلام کا نفاذ ہے۔ آئین اسلام کے نفاذ کے بغیر ریاست اسلام کا وجود میں آنا ممکن ہی نہیں۔ جنابِ صدر رزم حق و باطل ہو تو فطرت کے مومنوں سے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ مگر حلقہ یاراں ہی رزم آزما ہو تو فطرت اغماض نہیں کیا کرتی۔

Marfat.com

جناب والا!
حاکمیت اللہ ہی کی ہے لٹایئے نہیں لوٹایئے

جس کا عالمِ پُرآب اپنی نگاہ سے نہ دیکھا ہو، اُس کی دل گرفتگی اور رقت کی تصدیق محض اندازِ گفتگو یا تیورِ کلام کے پیشِ نظر نہ ممکن ہے، نہ مناسب۔ خدا معلوم! زبانِ خنجر پکار رہی یا آستین کا لہو بول اٹھا۔ قلب و نظر کے ایمان نے انگڑائی لی کہ قلبِ انتشار کو خدا یاد آیا۔ فریب خوردہ شاہینِ خیال پر اتفاقاً طریقِ شہبازی فاش ہوا یا فطرت نے ہم نخچیروں کا بھی اندازِ نگاہ بدلنے کی ٹھان لی۔ صوفی و ملّا کی کورنگاہی کے ڈوبتے سفینے پھر اُبھرنے لگے۔ کوئی جذبِ بے خطر آتشِ نمرود میں کود پڑا یا بُت خانۂ آذر میں کلہاڑا محض سہواً اُٹھ گیا۔ حضرت موسیٰ دریا پار کر گئے یا ڈوبتی خدائی للیائی۔ یہ دربار پرویز کی چوب شاہی کی دھمک ہے کہ تیشۂ فرہاد کی ضربِ کوہ کنی۔ اکبر جلِ جلالہٗ کے دل میں زیارت سلیم چشتیؒ کی امنگ پیدا ہوئی یا سلیم نے الف ثانی کو زیر کرنے کے لئے کوئی نئی چال چلی۔ دورانِ صلوٰۃ مصلیٰ اپنی بساط سے آگاہ ہوا یا اقتدار کی ذہنی بساط پر مصلّے تک کے فولؔ پکار اُٹھنے کا سماں برپا ہوا چاہتا ہے۔ اللہ کی حاکمیت کی متمنی ۱۹۴۷ کی بکھری ہوئی لاشیں دربارِ الٰہی میں فریاد کناں ہوئیں یا ۱۹۷۷ کے سینہ کھول کر گولی کھاتے ہوئے نظامِ مصطفےٰؐ کے کسی فدائی کی کوئی ادا کام کر گئی۔ یہ عقلِ پختہ کار کی مصلحت بینی ہے یا عشقِ صادق نے ابن الوقتی کا گلا دبوچ لیا ہے۔ یہ واقعی درمانِ دردِ دل ہے یا صرف سیاستِ

Marfat.com

مغرب آلود کا علاج ڈھونڈ نکالا گیا ہے۔ کسی بے لوث فقیر کی بات دل میں اُتر گئی یا ذہانت شاطر نے بساطِ سیاست پر فریب کے خالی خلنے میں اپنے اسپِ فکر کو لا جمایا ہے۔ کہ حرصِ اقتدار کے تمام پیادے حیران و ششدر پڑے گھور رہے ہیں کہ اب کہاں جمیں۔ ہم تو خیر سر پھرے ہیں لیکن کسی با وردی انسان کا موجودہ زمانے اور حالیہ بین الاقوامی حالات اور وابستگیوں کے ہوتے ہوئے ایک زیر امداد ترقی پذیر ملک کی سرزمین اور اسلامی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے یوں للکار کر مغربی جمہوریت کو دفان کہنے کے انداز میں خیر باد کہنا اور اسلامی ممالک کی غیر اسلامی گروہ بندی، سُپر نوازی، اشتراکیت، سرمایہ داری و یہود و نصاریٰ کی اطاعت گذاری کو یوں لتاڑنا کوئی سرِ راہ گذر اظہار خیالِ بے گرفت نہیں۔ بندوں کی حاکمیت کے پروردہ پختہ ذہن یہودی و نصرانی، مغربی و مشرقی چابک دستوں کی شہ رگ سے بھی نزدیک چو بند موجودگی کے باوجود بندوں کی حاکمیت کے نظام ہائے سیاست سے اتنا برجستہ انکار اگر مبنی بر اخلاص ہے، مصلحت گزیدہ نہیں تو ایسا جہاد فکر ہے کہ تاریخ ارتقائے انسانی کے نام نہاد راہ نماؤں کا ماتم کرنے پر مجبور ہو جائے۔ جمہوریت کے دیو استبداد کو یوں رسنِ دار سے باندھ دینا نوائے قیصری کو شورِ تکبیر میں یوں گم کر دینا، سراب رنگ و بُو کو سر سبز گلستان میں تبدیل کر دینا، قفس کی تیلیوں کو یوں بکھیرنا کہ آشیانِ بلند از خود تعمیر ہو جائے۔ بندوں کو گننے کی بجائے یوں کُھلے بندوں تولنے پر اصرار کرنا، غازہ و ساغر و مینا کی کرامات سے روشن چہروں کے چنگیز سے تاریک تر اندرون سے یوں پردہ اُٹھانا کہ چھپائے نہ بنے، شاہی کے جمہوری لباس کو اُتار کر جمہور کے اندر پنہاں حرص و آزِ اقتدار کو یکسر برہنہ کر دینا، سرمایہ داروں کی جنگ زرگری کو یوں ضربِ کاری لگانے کا اعلان تعمیرِ انسان اور تعبیرِ خودی

Marfat.com

کی وہ درخشاں مثال ہے کہ یقین نہیں آتا کہ صدر مملکت نے واقعی مغربی جمہوریت اور آئین پیغمبر کے مطالعہ اور غائر تقابل کے بعد یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ تصوّرِ اقبالؒ کی دین کے اس ملک میں مغربی جمہوریت کا نہیں آئین اسلام کا نفاذ ہوگا۔ اور طے ہو چکا کہ اسلام ریاستی مذہب نہیں، دین ریاست ہوگا اور اسلام ہمارا مذہب ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے، کے تضادات ختم کر کے پاکستان کو آفاقی آئینی یک سوئی کی راہ پر ڈال دیا جائے گا۔ وطن و قوم و قومیت کی اصطلاحات کو اسلامی ملی توضیحات عطا ہوں گی۔ نہیں۔ یقین نہیں آتا، ایسا کیونکر ہو سکتا ہے، کوئی ایسا کیونکر کر سکتا ہے۔ یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی یا دشمنی ہیں اُڑ گئی ہوگی۔ اس لئے کہ دینِ اسلام کا نظام، آئین شرع پیغمبر کا نظام، محمد مصطفٰےؐ کا نظام تو بڑے بڑے جُبّہ پوشوں اور دستار آویزوں کو بھی دل سے قبول نہیں ہوا تھا، ثانوی مسئلہ قرار دے دیا گیا تھا۔ یہ تو بے ید بیضا پھیلی ہوئی آستینوں کا زمانہ ہے۔ تاویلات و پاپائی پیشوائی الہیات کا زمانہ ہے۔ نسل، قومیت، سلطنت، تہذیب، رنگ کے خواجہ ساز مسکرات کا زمانہ ہے۔ خیالی دیوتاؤں کے لئے کٹ مرنے اور سُکر کی لذت میں نقدِ حیات لٹوانے کا دور ہے۔ جنابِ صدر کے ماحول ہیں تو ابھی گرمئ ہنگامۂ جمہور دید، پردہ بر ردئے ملوکیت کشید کے مظاہرات کے شب و روز ہیں۔ جو بیورو کریسی کی گھڑیاں دیکھ کر طلوع و غروب ہوتے ہیں۔ ابھی تو گرمئ گفتار۔ اعضائے مجالس، آئین و اصلاحات و رعایات و حقوق کے خواب آوری میٹھے مزے لینے اور آزادی افکار کے بڑ بڑانے کا عرصۂ حیات ہے۔ ابھی کرمکِ ناداں کے طوافِ شمع سے آزاد ہونے اور فطرت کے تجلی زار میں آباد ہونے کے دور دور تک آثار نہیں ہیں

Marfat.com

ابھی حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفرین نظام کے برپا ہونے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ابھی تو لوگوں کو یہ سننا بھی گوارا نہیں تھا کہ یہ زمین بادشاہوں یا ریاست کی نہیں، اللہ کی ملکیت ہے۔ ابھی تو یہ دریافت کرنا بھی لائق تعزیر تھا کہ بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون پالتا ہے۔ کون بارش لاتا ہے اور کون موسم بدلتا ہے۔ خوشوں کی جیب دانوں سے کون بھرتا ہے۔ اگر یہ سب کچھ انسان نہیں کرتا تو زمین پر حقِ قبضہ و ملکیت کیوں جتاتا ہے۔ ابھی تو اجتہاد و الحاد میں امتیاز دانشِ انسان کو ناپسند تھا۔ ابھی تو سرکاری مشاورت تک حدود و تعزیر کے بنیادی اصولوں سے ناواقف تھی۔ ابھی تو عقلِ انسان شرکت دانشِ خداوندی کے لئے سرنگیں کھود رہی تھی۔ ابھی تو وہی سلطان تھا جس کی نظر غیر کی کھیتی پر ہو۔ ابھی تو دانشوروں کو پیغمبرانِ بے کتاب کی تلاش تھی۔ سرمایہ پر اجارہ داری کا دور تھا۔ وسائلِ زمین ملکِ سلطنت تھے۔ ابھی تو علمائے دین مراتبِ زن بھی طے نہ کر پائے تھے ابھی تو سیاست کی "بی جمالو" جوان تھی، ابھی تو دانش نے اُجرت پر بھنگڑا ڈالنا تھا۔ ابھی تو صد ہزاریوں کے ہزاروں دس ہزاری زندہ و پائندہ تھے۔ ابھی تو قارون کے اُونٹ خالی شکم ہونے کے شکوہ کناں تھے۔ ابھی تو چادر زہرا رض پر بولی چڑھ رہی تھی۔ گلیم بوذر کے تاجر آوازے اُٹھا رہے تھے کہ نیا مال آیا ہے۔ دلقِ اویس کے لئے دل آویز شوکیس تیار کئے جا رہے تھے۔ ابھی تو سیاست کی نویلیاں نئی "ٹور" دکھانے کے لئے ستاروں والی جوتیوں کا تقاضا کر رہی تھیں۔ ابھی تو رقصِ زنجیر کی گرمیاں برپا تھیں۔ طاؤس و رباب و سرود شراب کی محویت اپنے عروج پر تھی۔ ابھی تو رقص زنجیر کی گرمیاں برپا تھیں طاؤس و رباب و سرود شراب کی محویت اپنے عروج پر تھی۔ آزادی افکار

Marfat.com

کا الحاد اپنے نصف النہار پر تھا۔ طوقِ مغرب کی چمک دیدہ مومن تک کو چندھیا رہی تھی۔ دین کے مقابل رقصِ لادینیت برپا کرنے اور لھوِ پی کر درس مساوات دینے کے دن تھے۔ ابھی تو سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور اجارہ پرستوں کا درسِ سوشلزم مکمل نہیں ہوا تھا۔ اور بڑے انہماک سے سنا جارہا تھا۔ ابھی تو اللہ کی حاکمیت کے غاصب بندوں کی حکمرانی کے فضائل بیان کر رہے تھے ابھی اسلام کے تصورِ آزادی انسان کا تابوت مکّار دانشوروں اور سیاستدانوں کی صف ہائے نمازِ جنازہ کے سامنے سجا سجایا رکھا تھا۔ رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں، بینکوں کی عمارات کو مساجد پر فوقیت حاصل تھی۔ معیشت تجارت و حکومت سود اور رشوت کی زد میں تھی۔ ابھی تو بجلی کے چراغوں سے روشن گھروں کے رہائش پذیر پیروں کو مریدوں کے گھروں کے بہت سے دیئے بجھانے تھے جس کھیت سے دہقان کو روزی میسر نہ ہو اس کو سرسبز رکھنا اور خالق و مخلوق کے درمیان پردے ڈالے رکھنا مقصود تھا۔ ابھی تو فی سبیل اللہ فساد کرکے قبروں کی تجارت کو مزید فروغ دینا تھا۔ ابھی تو خود نہ بدلنے اور قرآن کو بدل دینے کا دستور کارفرما تھا۔ ابھی تو لٹتی ہوئی عصمتیں، بکتے ہوئے انصاف کے پلازوں میں اپنی چادریں تلاش کر رہی تھیں۔ ابھی تو بھرے بازار میں بندوں نے خدا کا مول لگانا تھا۔ ابھی تو عزت نفس کا رُواں رُواں حزن حزن اور تخف، تخف پکار رہا تھا۔ ابھی تو کروڑوں بیویوں کی اپنی خاوندوں کو قتل کرنے کی خواہش تشنہ تھی۔ ابھی تو دریودھن کا دربار سجنا اور دروپدی کا ننگا ہونا باقی تھا۔ ابھی تو اکثر مائیں اپنے ارحام میں قتلِ اولاد کے منصوبے بنا رہی تھیں ابھی تو بھائیوں کو بھائیوں کا گوشت مزیدار معلوم ہوتا تھا۔ ابھی تو بتانِ آزر کو مزید سجایا جاتا تھا۔ ابھی تو بیت المال کے تیل سے شاہوں اور ان کے اعمال

Marfat.com

کی دیوانی کے دیئے سیراب رکھنے کا دستور زیبا تھا۔ خوئے غلامی کو مزید پختگی درکار تھی۔ ابھی تو ہر فرہاد دیوبند اور بریلی کے درمیان آگ کے دریا بہانے کے ٹینڈر فارم پر کر رہا تھا۔ ابھی تو دین و دنیا کے گرگ ہائے جہاں دیدہ نے مارہائے آستین کی کھلی جنگ دیکھنا تھی۔ ابھی تو ڈیموکریسی کی زلفیں سنور رہی تھیں۔ بیوروکریسی قشقہ لگائے بیٹھی تھی۔ یہ بے وقت اعلان کیوں صادر ہو گیا کہ پاکستان مغربی جمہوریت کے پنجے سے آزاد کر دیا جائے گا۔۔۔ اور یہ کہ ملت اسلامیہ کے اتحاد سے غافل لوگ اپنے فرائض سے غیر آگاہ ہیں۔۔۔ یارو! یقین دلاؤ۔ کیا یہ واقعی سچ ہے۔ اگر یہ واقعی سچ ہے اور یہ اعلان اتفاقی یا سانحاتی نہیں تو پھر جناب صدر! گذارش ہے کہ تقاضائے آئین اسلام یہ ہے کہ حاکمیت اور اقتدار بندوں کو نہیں، اللہ اور شرع الٰہی کو یوں منتقل کیا جائے کہ بشمول آپ کے ہر کوئی اہل کاربن کررہ جائے۔ مولائے مُلک نہ ہو۔ عبدہٗ ہو۔ آئینی طور پر تسلیم کیا جائے کہ قرآن پاک اصول ہائے تشکیل حکومت، قانون سازی اور ضابطہ حیات کی مکمل مؤثر اور متحرک کتاب ہے۔ آئین کا یہ ضمن ناقابل ترمیم بھی ہو اور ناقابلِ تنسیخ بھی۔ اسلام کو فقط ریاست کا مذہب (دین نہیں) قرار دینا اور باقی تمام سرچشمے دیگر مکاتبِ فکر مثلاً جمہوریت، سوشلزم اور عوامیت کے نام منتقل کر دینا اور پھر ان پر ذاتی اجارہ داریاں قائم کر دینا عقلِ عیار کو مختلف بھیس بدلنے میں ماہر بنانے کے عمل کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اسلامی جمہوریت، مغربی جمہوریت، مشرقی جمہوریت۔ قومی جمہوریت مغرب زدہ فکر استبداد پسند کی نیلم پریاں ہیں۔ جو اپنی فکر میں منافق، نظریہ میں مُشرک اور پیشہ کے لحاظ سے تاجر ہیں۔ یہ کنچنیاں سیاسی خانہ بدوشوں نے پال رکھی ہیں۔ جو دن کی روشنی میں پیشہ وارانہ گدائی کرتی ہیں۔

Marfat.com

اور راہ زنوں کو راہ نمائی کے بہروپ میں وارد کر دیتی ہیں ۔ اسلام کا آئینی نظام جمہوریت نہیں، جناب والا! "عبدیت" ہے۔ یہ اللہ کی حاکمیت، بندوں کی عبدیت اور انسانوں کی انسانوں سے حرّیت کا نظام ہے۔ اسلام اسی نظام حریت کا علمبردار ہے، جمہوریت کا نہیں۔ یہ درس فریب ہے کہ یورپ نے اسلام سے جمہوریت سیکھی ہے، نہیں، یورپ نے اسلام کے نظام حرّیت کے خلاف ایک سازش کی ہے۔ اللہ کی حاکمیت کو غصب کیا ہے۔ انسانوں کی حاکمیت سے آزاد کئے گئے۔ انسان کو نہایت عیّاری سے پھر بندوں کی حاکمیت کا مطیع کیا ہے۔ انسانوں سے مقام عبدیت کی تکمیل اور اس کے فضائل و انعامات چھینے ہیں۔ جناب والا! لفظ اسلام آئین اسلام کی ایک لفظی قرارداد مقاصد ہے۔ " اسلاماً دینا " سے مراد اسلام بطور دین ہے۔ اسلام کا دین نہیں۔ سورۃ فاتحہ اس قرارداد مقاصد کا دیباچہ ہے۔ الحکم اللہ الملک اللہ اور الارض اللہ آئین اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ لا الہ الا اللہ ہر ضمن آئین اسلام کا مؤثر و متحرک راہ نما اصول ہے۔ مادی وسائل کی نہ حکومت مالک ہے۔ نہ فرد، نہ عوام۔ حکومت و فرد و افراد صرف امین ہیں ان امانتوں پر کسی کو جائز ضرورتوں سے زیادہ حق تصرف حاصل نہیں۔ ملکی وسائل پر ہر شہری کا برابر کا حق ہے۔ یہ حق اگر تسلیم کر لیا جائے۔ نافذ کر دیا جائے تو آج کی صوبائی محرومیوں کی شرارت کی امر بیل از خود سوکھ جائے گی۔ قانون کہ حاکم کی مرضی کا ہی نام ہے۔ اسی کی مرضی کا ہی نافذ ہو گا۔ جس کی حاکمیت پر اسلام اصرار کرتا ہے۔ آج کے نظام میں جو قانون ہے وہ ہی حق ہے۔ اسلام کے نظام میں جو حق ہے۔ صرف وہی قانون ہے جو مبنی بر عدل ہو۔ اسلام آپ سے حکم تسلیم نہیں کرتا۔ انسانوں نے مختلف ہتھکنڈوں اور

Marfat.com

بہانہ سازیوں سے جمہوریت، بادشاہت۔ آمریت اور کئی دیگر معروف پردوں میں اللہ کی حاکمیت غصب کر رکھی ہے۔ مکار نادہندہ صدیوں سے لوٹا نہیں رہے۔ ان غاصبوں نے نواسۂ رسول کی جان لے لی، اللہ کی حاکمیت نہ لوٹائی.... جناب صدر! آپ بھی ایک بندہ ہیں۔ آپ نے بندوں سے حاکمیت لی۔ آج حاکمیت آپ کے پاس ہے۔ یہ دراصل اللہ کی حاکمیت ہے اسے اللہ کو لوٹائیے۔ اور بہ بانگ دہل اعلان فرمائیے "ایاک نعبد" تاریخ کے صفحات پر چند سطریں ہی خالی ہیں۔ ان پر کچھ اور لکھا گیا تو شاید آپ اسے پڑھنے کا صدمہ برداشت نہ کر سکیں.... اسلامی ریاست انسانی احکام و فرمان کی نہیں۔ اللہ کے احکام کے مطابق عدل و احسان کی ریاست ہوتی ہے۔ یہ دونوں ذمہ داریاں حکومت کی ہوتی ہیں۔ مجرم کو جُرم کی جزا دینا اور جرم کے سرزد ہو جانے کی وجہ سے شہری کا جو نقصان ہوا ہے حکومتی کوتاہی تسلیم کر کے حکومت کا اُسے معقول معاوضہ ادا کرنا۔ حق دار کو اس کا حق دلانے کی ذمہ داری قبول کرنا نظام عدل و احسان کا بنیادی تقاضا ہے حکومت آئینی طور پر عدل و احسان کی پابند نہ ہو۔ آئین اسلام نافذ نہ ہو۔ تو اسلام کے قوانین یا نیم اسلامی قوانین کے نفاذ کی کاوش کا بے سود رہنا مقدر ہو جاتا ہے۔ جناب والا! اللہ کے اصول ہائے قانون سازی اور انسانوں کے تمام مروجہ اصول ہائے قانون سازی کی شرع مختلف ہی نہیں متصادم بھی ہے۔ پھر نفاذ سرع اور نفاذ شرع کے عوامل و نتائج بڑے مختلف ہیں۔ ان میں امتیاز ہی کی نہیں، احتیاط کی ضرورت ہے۔ حکم اور امر کا دائرہ اختیار بھی مختلف اور دائرہ کار بھی.... آئین اسلام میں اللہ کی حاکمیت اور اقتدار شریعت ابدی و ناقابل منتقلی ہیں۔ عبدی حاکمیت بہر طور

Marfat.com

اسلام کے نظام حکومت کی نفی ہے۔ اسلام کے نظام میں اہل کار تبدیل ہوتے ہیں اقتدار منتقل نہیں ہوتا۔ انتقال اقتدار کے لئے آپ سے ایسے انتخابات کا بھی مطالبہ کیا جا رہا ہے جنکے طفیل دیگر بندوں کی حاکمیت قائم ہو سکے۔ ان کی مرضی کو اقتدار و بالادستی و حکمرانی میسّر آجائے۔ یوں ہوا تو دین اسلام فقط مذہب بن کر رہ جائے گا۔ جو لوگ سیاست چھوڑ کر حصار دین میں داخل نہیں ہونا چاہتے وہ درخور اعتنا نہیں ہیں۔ یہ خانہ ابراہیم میں آزر کے سجائے ہوئے بت ہیں۔ میں خود بھی آزر تراشیدہ ہوں۔ مگر قرآن پاک کے آئینی و دستوری مطالعہ کے بعد "ھو اللّٰہ احد" پکارنے کے لئے بےتاب ہوں۔ زیر لب پکارتا تو ہوں مگر یہ نقار خانہ زیر لب آوازیں دبانے میں بڑا مشّاق ہے۔ اسلام کے طریق انتخاب میں اپنی پسند کے افراد منتخب کئے جاتے ہیں۔ نمائندے حکومت کرنے کے لئے نہیں اللّٰہ کے اہل کار بن کر مشاورتی اداروں میں جاتے ہیں۔ اس طریق انتخاب میں عہدہ طلبی، نامزدگی اور مہم جوئی کی اجازت نہیں۔ اختلاف برائے اختلاف پر اتفاق نہیں ہوتا۔ اختلاف برائے اتفاق کا اصول کارفرما ہوتا ہے۔ مشاورت تلاشِ حق کے لئے ہوتی ہے۔ اخفائے حقائق کے لئے بحث برپا نہیں کی جاتی۔ اختلاف رائے کو اللّٰہ اور رسولؐ کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق ختم کیا جاتا ہے اتّقا تلاش دانش اور حدود اللّٰہ کی پابندی بنیادی اور لازمی صفات قرار پاتی ہیں۔ بلوغت سے مراد جنسی بلوغت نہیں، شعوری بلوغت ہوتی ہے۔ ہر انسان کو مکرّم تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ تا وقتیکہ وہ اپنی تکریم اپنی بداعمالی سے ضائع نہ کر دے۔ اسلام کا نظام انتخاب عددی نہیں صفاتی ہے انسانی درجات مادی وسائل کی بنا پر نہیں اہلیت اوصاف کی بنا پر متعین ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ وطن عزیز کو مختلف الحادی مکتبہ ہائے فکر نے کشتِ ویران بنا کر رکھ دیا ہے مگر ذرا نم ہوں تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ سیاسی فکری بیچ کی دکانیں گندم نما جَو فروشوں نے کھول رکھی ہیں۔ پھر فصل پکتی ہے تو یہ پُرکار مذاکرات کے لئے یہ کہہ کر آسن جما لیتے ہیں کہ اگر گندم نہ ملے گی۔ بھُس تو ملے گا۔ یہ آج تک والسرائے کونسل اور آزاد قومی اسمبلی میں امتیاز نہیں کر پائے۔ خلفائے راشدین کی مجلس شوریٰ اور پیغمبرِ خدا کی محفلِ مشاورت کا فکر و سوز و عزم اُن لوگوں کا مقدّر نہیں ہوتا جن کے گھر والے ہی پوچھتے ہوں کہ تو درونِ در چہ کردی کہ اب باہر نکلنے کے بھی ارادے ہیں۔ نہ اُن لوگوں کا جن کا قصد صرف دو مٹھی آٹا ہو مگر گلیوں میں "میرے مولا مدینے بلا لو مجھے" کی صدائیں لگا رہے ہوں۔ جناب والا! اگر آپ واقعی اسلام کا نظام عبدیت لائیں گے تو کیف حریّت کے زیر اثر کسی کا بھی دل نہیں چاہے گا کہ مغربی جمہوریت یا کسی دیگر ازم کے نظام کا تقاضا کرے۔ یا کسی ایسے شخص کا ہم نوا بنے جو لادینیت کا پرچارک ہو۔ اور اگر یہ سب کچھ انسانوں گروہوں، پارٹیوں یا اداروں کے درمیان اقتدار کے لئے رسّہ کشی یا جنگ کے ہتھکنڈے ہیں تو پھر ہم فقیروں کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ ذرا اتنی احتیاط فریقین پہ لازم رہے کہ اس رسّہ کشی میں رسّہ ہی نہ ٹوٹ جائے۔

Marfat.com

جیتوں تو پیا میرے ہاروں تو پیا تیری

اے انبوہِ خوش فکراں، اے اجماعِ تہی داماں، اے یعقوبانِ بے یوسف اے مختارانِ اذہان شکستہ، اے مغیلانِ چمنِ پژمردہ، اے مقلدین تیشۂ آزر، اے آزردہ دِلو اور پژمردہ فکرو۔ اے کہ تمہاری ذہنی کیفیات قنوطیت نواز اور وارداتِ قلب حزن آزما ہو چکیں۔ تمہاری عرق آلود پیشانی پر تحریر تیوریوں کی زبانِ بے حال پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ تمہارے ذہن کی جواں سال بیوہ سے یہ فرمائشِ ناعاقبت اندیش کر دی گئی ہے کہ ہماری دلہن کی شبِ عروس کے لئے آرائشِ حسن کرو۔ بہاگ کی سُروں پر یوں ملہار گاؤ کہ درباری کا انگ نمایاں رہے اور بھاؤ بڑھ جائے۔ زلیخائے سیاست جشنِ حراستِ یوسف منائے۔ شیرافگن کے تڑپتے ہوئے لاشے پر کھڑا نورالدین جہانگیر مہرالنساء سے پوچھے، تیرا کبوتر پکڑ لاؤں تو اڑاؤ گی تو نہیں۔ تم ایسی کیفیتوں میں گرفتار کر دیئے گئے ہو، جیسے لحدِ ممتاز محل کے سرھانے بیٹھا تاج محل تولنے والا نکاحِ ثانی کے لئے سوچ رہا ہو۔ میاں میرؒ بضد ہوں کہ ایک مزید دربار صاحب کا سنگِ بنیاد رکھنا ضروری ہے ورنہ "پنجابی دربار" کا مصرف کیا ہوگا۔ نظام الدین اولیاؒ، حضرت علی ہجویریؒ سے کہہ رہے ہوں، اب کسی ناقص کو کامل اور کامل کو راہ نما کرنے کی ضرورت

Marfat.com

باقی نہیں رہی کہ علماء اور مشائخ کے ادارے قائم ہو چکے ہیں اور زمانہ دعاؤں یا نگاہ فقر کا نہیں، الیف سولہ کا ہے۔ اور سولہ کا توسن بھی قیامت ہوتا ہے۔ لہذا کوئی ضروری نہیں کہ عالم نو بھی منظر نورِ خدا کا فیض گنجور جاری رہے۔ تقاضائے اوقات یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجدد الف ثانیؒ اب جودھا بائی کی فرمائش پر جلّ جلالہ کی طویل عمری کے لئے دعاگو ہوں۔ قرائن ایسے ہیں، جیسے ابلیس کی مجلس شوریٰ میں پردۂ تہذیب میں غارت گری اور آدم کُشی کی تجویز پیش کر دی گئی ہو۔ جیسے رنجیت سنگھ کی سمادھی پر کھڑا کوئی اجنبی مینار پاکستان کا نظارہ کر رہا ہو اور امریکی ریلوے انجنوں سے نکلتا ہوا دھواں درمیان میں حائل ہو جائے۔ جیسے بذریعہ عزرائیل وحی نازل ہونے کا دعویٰ کوئی کاذب پیغمبرِ نو کر رہا ہو۔ جیسے جام جمشید میں لاشوں سے پٹا ہوا ایران گلستان سعدی نظر آ رہا ہو۔ جیسے ہابیل و قابیل کو جنم دینے کے خوف سے حوّا خودکشی کر رہی ہو۔ اور حضرت آدمؑ ھذہِ الشجرۃ پڑھ کر حیثُ شئتُما کی تاویل نکال رہے ہوں۔ جیسے کوچۂ رقیب میں غالب کی دستاربندی کی جا رہی ہو۔ جیسے دربار فرعون میں اکبر الہ آبادی کو بطور رشوت خلعت عطا کر کے دریافت کیا جا رہا ہو کہ بتاؤ الہ کہاں آباد ہے۔ جیسے فرشتے شکوہ اقبال پر لگائے گئے فتوے مطالعہ الٰہی کے لئے پیش کر رہے ہوں۔ جیسے حواریانِ عیسیٰ صلیب تک جانے والے راستے آراستہ کر رہے ہوں۔ جیسے قاتلانِ عیسیٰ عرض کر رہے ہوں کہ اے پالنے میں کلام کرنے والے مدعی نبوت پاپوش پہن لے کہ خدانخواستہ کوئی کانٹا تجھ آبلہ پا کو چبھ نہ جائے۔ اور کوئی نہیں جو تم حالات گرفتگاں کو یہ یاد دلائے کہ اے سقوطِ مشرقی پاکستان کا آئینی انصرام مہیا کرنے والو! تمہاری آبادیاں کتنی کٹی ہوئی گردنوں، لٹی ہوئی عصمتوں اور جلے ہوئے گھروں کی مرہونِ احسان ہے۔ کتنے صد ہزار انجم غروب ہوئے تو تمہاری یہ سحر پھوٹی۔ کتنے ہلال و قمر و بدر گرہن زدہ ہوئے تو تمہارا چاند چمکا۔ کتنے خون سفید ہوئے، کتنے دیدے سبز ہوئے تو تمہارا پرچم

Marfat.com

لہرایا۔ اس مقدس سرزمین کی طرف چلتے ہوئے کتنے پاؤں کٹے۔ اس سرزمین کی طرف آنے کے لئے کتنے بازو پھیلے کہ قطع کر دیئے گئے۔ رزق حلال کی تلاش میں بڑھتے ہوئے کتنے مسافروں کی انتڑیاں کاٹ دی گئیں۔ ستلج و بیاس و راوی میں کتنی لاشیں بہیں، کتنے نوحے پھوٹے، کتنی سسکیاں خاموش ہوگئیں۔ ان شہیدوں کی روحیں جن کے بے تاب لب ہلتے آرزو ہمیشہ کے لئے خاموش ہوئے چونتیس برس ہو گئے۔ تم سے پاکستان کے لخت لخت ہونے کی داستان پوچھیں گے، تو کیا جواب دو گے۔ اسلام کے بدترین دشمنوں کے ذریعہ سے تاریخ اسلام پر تحقیق کرنے والو۔ خلفائے راشدین کی باہمی رقابت پر مقالے لکھنے والو۔ خلیفہ اوّل کے انتخاب پر جھگڑا کھڑا کرکے جسدِ پاک رسول کو انتظارِ تدفین میں رکھنے والو۔ قتلِ عثمانؓ و علیؓ کو مزے لے لے کر بیان کرنے والو۔ صلح حدیبیہ کے وقت عمرؓ کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ دکھانے والو۔ جنگ جمل کی مبالغہ آراء داستانیں تحریر کرنے والو۔ احادیث کی صحت اور عدم صحت پر تنازعے کرنے والو، تفسیر و تاویل میں امتیاز رکھے بغیر خود کو بدلنے کی بجائے قرآن کو بدل دینے والو۔ صحابہ رسول ہی نہیں، ان کے متعلق بھی جو از روئے قرآن امت کی مائیں ہیں، نت نئی داستانیں تراشنے والو۔ پیغمبر اسلام کی ازدواجی زندگی کو اپنے معیار پر پرکھنے والو، تاریخ اسلام کو عمداً مسخ کرنے والو! تم جو آج تک یہ طے نہیں کر پائے کہ ماہِ رمضان میں سحری و افطاری کے صحیح اوقات کیا ہیں۔ اذانِ صلوٰۃ مغرب کس وقت ہونا چاہیئے۔ عشاء کی صلوٰۃ کی دراصل کتنی رکعتیں ہیں۔ تراویح میں نوافل کتنے ہیں۔ تم جو السلام علیک ایھاالنبی پکارنے اور رسالت و عبدیت کی شہادت لانے کے بعد تنازعہ کھڑا کر دیتے ہو کہ درود با آواز بلند ہونا چاہیئے یا نہیں۔ تم اگر واقعی محقق واقعات و وارداتِ تاریخ ہو۔ اصل واقعات جاننے کے لئے تمہارے قائم کئے ہوئے کلیے اگر واقعی درست ہیں تو صرف اتنا بتا دو کہ جن پر اللہ راضی ہوا، اُن پر تم کیوں ناراض ہو۔

Marfat.com

یہ بتانا چاہتے ہو کہ اللہ کا راضی ہونا صحیح نہیں تھا، یا یہ کہ اللہ کے راضی ہوجانے کے بعد وہ اللہ سے راضی نہ رہے۔ یہ سب امور جنہیں اپنی دکانیں چمکانے کے لئے تم نے متنازعہ کردیا ہے، صدیوں پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے۔ تم اگر واقعی محقق ہو، اسلوب تاریخ نویسی سے آگاہ ہو، حقائق کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتے ہو تو بتاؤ یک رائے ہو کر، کہ قائداعظمؒ کی وفات کن حالات میں ہوئی اور وجہ حالات کیا تھی۔ لیاقت علی کے قتل کے محرکات کیا تھے۔ قتل کس نے کیا اور کیوں کیا۔ سہروردی اور فاطمہ جناح کی موت کس طرح واقع ہوئی۔ غلام محمد، سکندر مرزا، محمد علی بوگرہ سربراہان حکومت کس طرح بنے۔ آئین در آئین کالعدم ہونے کی اصل وجوہات کیا تھیں۔ وہ رات کتنی روشن تھی جس میں سکندر مرزا جلاوطن ہوا۔ یحییٰ خاں آیا تو بادل کہاں کہاں چھلئے اور برکھا کہاں کہاں ہوئی۔ سقوط مشرقی پاکستان کا اصل باعث کیا تھا۔ کون کون اس کا ذمہ دار تھا۔ ہتھیار کون کون ہتھیا گیا۔ اتنی بڑی تعداد میں قیدی کیوں ہوئے۔ سول چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کا عہدہ عطا ہونا کس خدمت کا انعام اور کس فوجی خدمت کا صلہ تھا۔ اسلام اور پاکستان کے خلاف کیا کیا اور کہاں کہاں سازشیں ہوئیں اور کس کس نے کس انداز میں کیں۔ صرف اندازے بیان ہوں گے، اصل حقائق سے کوئی دانشور تاریخ نویس آگاہ نہیں۔ فرینڈز ناٹ ماسٹرز پڑھو یا دیدہ ور، عدم آگہی مقدر رہے گی۔ انصاف سے کہو، جو لوگ اپنے ہی زمانے کے اتنے اہم واقعات وسانحات سے آگاہ نہیں۔ تحقیق نہیں کرسکے، حق نہیں جان سکے، متفق نہیں ہوسکے، ان پر یہ اعتماد کیوں کر ہو کہ وہ صدیوں پہلے کے واقعات سے آگاہ ہونے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں۔ اسلام کو ان کی تحریر کردہ تاریخ وتفسیر و تاویل سے جاننا والضالین ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ جو لوگ اپنے ماضی قریب سے آگاہ نہیں، ان کے ماضی بعید سے آگاہ ہونے پر یقین کرلینا حقائق کو فریب دینے کے

Marfat.com

سوا کچھ بھی نہیں۔ اور اس سے بڑھ کر احمق اور دروغ گو شاید ہی کوئی ہو جو حال کو ماضی سے منقطع کر کے سوچتا ہے۔ جو ہو چکا، جس کی نظر میں نہیں، جو ہو رہا ہے اس سے بے خبر رہنا اس کے مقدّر میں ہے اور جو ہونے والا ہے اس کی سمجھ میں ہرگز نہیں آئے گا۔ وہ نہیں جان پائے گا کہ جغرافیائی حدود اور نظریاتی حدود میں کیا فرق ہے۔ آزادیٔ مملکت اور آزادیٔ افراد کی صحیح توضیحات کیا ہیں۔ تحریر و تقریر و فکر کن حالات میں پابند ہوتے ہیں، اور ان کا اصل ذمہ دار کون ہوتا ہے۔ تہذیب و ثقافت و اعتقاد کو محفوظ ارتقا پذیر رکھنے کے لوازم کیا ہیں۔ وحدت ملّت اور وحدت افکار میں کیا رشتہ ہے۔ بے تیغ اور بے زرہ لڑنے میں کیا فرق ہوتا ہے۔ کرگس و شاہیں کے جہانوں میں امتیاز کیوں کر کیا جاتا ہے۔ وہ بس اس ہی کو آزادی تصوّر کرے گا کہ منافع کی شرح بڑھانے کی آزادی ہو۔ لباس کی تراش ہر چھ ماہ کے بعد تبدیل جا سکے۔ جب جی چاہے گیسو دراز ہو جائے اور جب جی چاہے مادھو لعل حسین بن جائے۔ لاؤڈ سپیکر پر اذان دے سکے۔ چستر بار اور الف نون دیکھ سکے۔ قانون اور رسوم و رواجات کی آنکھ بچا کر اخلاقی اقدار کو مسخ کرنے کی حد تک مجروح کر کے خود کو آزاد کہلوانے والے کاش جانتے کہ مادر پدر آزادی کا نام سیاسی آزادی نہیں ہوتا اور جسے سیاسی آزادی کہتے ہیں وہ یہاں آج تک صرف سُنی اور پڑھی گئی ہے، دیکھی کبھی نہیں گئی۔ جس مملکت کے سیاسی معاملات درونِ ملک طے ہوتے ہوں اور اندرون ملک صرف تہہ ہوتے ہوں، وہ آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں ہوتی۔ جو ملک اپنے دفاع کے لئے خود کفیل نہیں، اس کی آزادی غیروں کی محتاج نہیں، مرہونِ احسان بھی ہوتی ہے۔ تجارتی اغراض کے لئے آزاد کئے گئے غلام تجارتی اغراض کے لئے کسی وقت بھی غلام بنائے جا سکتے ہیں اور آزاد ہوتے ہوئے بھی غلام رکھے جا سکتے ہیں، رکھے جا رہے ہیں۔ آزادوں کے غلام

Marfat.com

بنا دینے والی آزادی بڑی مہلک ہوتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک کا ترقی یافتہ ممالک سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنے مفادات سے قطعِ نظر اُن کی ترقی کے خواہاں ہیں اور واقعی ترقی یافتہ بن جانے دیں گے، شکستہ آئینے دیکھنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ آج کے سیاستدان یہ بھی طے نہیں کر پائے کہ جن کو وہ آزاد مملکتیں گردان رہے ہیں، وہ کس کی ملکیت ہیں۔ تمام افراد کی، چند افراد کی، فردِ واحد کی یا خالق کائنات کی۔ ان کی سمجھ میں نہ ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست آئے گا، نہ انہیں خلافت وملوکیت وجمہوریت میں کوئی فرق نظر آئے گا۔ لہٰذا لازم ہے کہ آج کے انسان کا ضمیر مر جائے۔ جہاں جہاں یہ ضمیر مر جائے گا، معاشرہ "صمٌ" "بکمٌ" "عمیٌ" ہو جائے گا۔ ایسا معاشرہ خود لایرجعون ہوگا اور شکوہ کناں ہوگا کہ ہمارا خالق سمیع وبصیر نہیں ہے۔ ایسے معاشرے کو یہ احساس کبھی نہیں ہوگا کہ اگر صرف لا الٰہ کہیں تو کمیونزم کی تصدیق ہوتی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کہیں تو صرف وحدت الٰہی ہی نہیں، آزادیٔ افراد کا صحیح تصوّر بھی قائم ہوتا ہے اور محمد رسول اللہ پکارو تو اسلام کا ضابطۂ حیات وسیاست واقتصادیات ومعاشرت یوں پھوٹ نکلتا ہے جیسے اسمٰعیل ایڑیاں رگڑ رہا ہو تو زم زم پھوٹ نکلتا ہے۔ ایسا معاشرہ نہیں جان پائے گا کہ اسلام میں قوم، ملک، سلطنت کا کوئی تصور نہیں۔ سلطانی فردِ واحد کی ہو، افراد کی، یا عوام کی یا جملہ ابنائے آدم کی، حاکمیت الٰہی کی تردید ہے۔ سایۂ خدائے ذوالجلال کسی کے ظلِ الٰہی ہونے کا پیش خیمہ ہے اور قوتِ عوام کو سرچشمہ قرار دینا اللہ کے قوت کا سرچشمہ ہونے کی نفی ہے۔ نہیں جان پائے کہ حاکم آزاد ہو، مالک الملک بن بیٹھے تو نہ افراد آزاد رہتے ہیں، نہ ملک۔ ایسے معاشرہ کے لوگ بسیط ہونے کی بجائے محیط ہو جاتے ہیں۔ اور ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے گنگناتے سانحہ مشرقی پاکستان سے دوچار ہو جاتے ہیں، اسرائیل اقوام متحدہ کا رکن قرار پاجاتا اور ہر قرارداد کو ویٹو کر دلنے کا اہل ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔ لوگو! جب تک حاکمِ وقت خالقِ انسان کا محکوم اور اس کے احکامات کا پابند نہیں ہوتا، ہر سقراط زہر کا پیالہ پیتا رہے گا، ہر مسیحا مصلوب ہوگا۔ کوئی جنگِ بدر نہیں لڑے گا، گلی گلی کوچہ کوچہ کربلا بپا رہے گی اور لوگ بادشاہانِ وقت کے روبرو کولہے مٹکا مٹکا کر صدا کرتے رہیں گے کہ

؎ اس شرط پہ کھیلوں گی میں تجھ سے پیا بازی
جیتوں تو پیا میرے، ہاروں تو پیا تیری

Marfat.com

یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے

کچھ مہربان تو احمقوں کی جنّت میں بستے ہی تھے، اُن کرم فرماؤں کا کیا کریں جو دانشوروں کے دوزخ میں ڈیرے ڈالنے لگے ہیں۔ ان بزرگوں کو کہاں بسائیں جن کی تحقیق نے دانش کے تختہ سیاہ پر یہ تحریر پایا کہ تحریک پاکستان کا مقدس ترین نعرہ " پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ" محض کچھ لڑکوں کا تراشیدہ تھا..... اسلام میں حق رائے دہی کے معاملات میں نیک و بد، معروف و منکر کے پیرو کاروں میں کوئی امتیاز روا نہیں ہے۔ گروہ بندی، تفریق و تقسیم، دینی و سیاسی جماعت سازی کی کھلے بندوں، کھیلتی کھلکھلاتی کارروائیوں کی اجازت ہے.... سیاست میں دوستی و دشمنی کی وہی قدر ہے جو مصلحت بینی خود غرضی اور منافقت کے عنوانات وضمنات کے تحت ضابطۂ اخلاق کی لغات میں تحریر ہے..... حکومت حاصل نہ ہو تو از خود سیاسی ولیمہ کا انعقاد کر کے اعلان کر دینا چاہیئے کہ بیڑا پار ہو گیا..... والدین لاکھ سجدۂ شکر ادا کر رہے ہوں۔ تاجر دکاندار۔ ٹرانسپورٹر۔ استاد۔ ذہین اور محنتی طالب علم اور ممتحن متفق ہوں کہ زیر تعلیم پوری موجودہ نسل کو بہت پہلے اس بے راہ روی سے بچا لینا چاہیئے تھا۔ پوری قوم نے اطمینان کا سانس لیا ہو کہ اب ہونہار بھی تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ مگر

Marfat.com

دانشِ سیاست کو بضد رہنا چاہیئے کہ دین و سیاست چاہے جدا ہو جائیں،
طالب علم اور سیاست کو جُدا کیا جائے تو دیکھ لینا' باقی چنگیزی ہی رہ جائے گی۔
اور تمام تر دینی دعوے لادینیت کی گود میں افیون چٹا کر سلا دیئے جائیں گے۔
نہ سابقہ معاونت کا پاس کیا جائے گا نہ گزشتہ مخاصمت و رقابت کا۔ نہ اُن مقدمات
کے فیصلہ کا انتظار کیا جائے گا جو بہ امر مجبوری چند سال بیشتر بغرضِ فیصلہ از
خود انسانی عدالتوں سے عدالت الٰہیہ میں منتقل کر دیئے گئے تھے اور تمام وہ
عبوری فیصلے جو قدرت کی جانب سے صادر ہوئے' سیاسی طور پر کالعدم قرار
دیئے جائیں گے۔ مارشل لا جس کی تائید و توصیف اس کو نافذ کرنے والوں نے
بھی نہ کی، اپنے مقاصد اور اغراضِ پس پردہ کے پیش نظر اس کی استواری کے
جائز و ناجائز میں ہر فرق پر سبز پردے ڈال دیئے جائیں گے۔ لیکن اس دوران
اگر شریعت کے اقتدار اعلیٰ، اللہ کی حاکمیت، اسلامی نظام مشاورت کی بات
سہواً بھی کسی کے منہ سے نکل جائے تو فرمان صادر ہو گا کہ ہم اپنے دیرینہ
مخالفوں اور رقیبوں کے ساتھ مل کر تحریک چلائیں گے۔ اور وہ تخت جسے ہم
اپنے کندھوں پر اٹھائے یوں پھر رہے تھے کہ قضائے صلوٰۃ کی بھی پروا نہیں تھی۔
نہ صرف یہ کہ کسی ویران یا سنسان جگہ پر لے جائیں گے بلکہ اس کے پاؤں سے
سر پھوڑ کر رقصِ خون آشام کرنے اور" سوا مُنی مُکگیتریٹی پھُرکدی اے' کسے
یار نی دے سر مارنی ایں" گانے سے بھی باز نہیں آئیں گے ..... جو سیاست
"اندراجی" کو اندرونی مداخلت کی دعوت دینے اور پیش قدمی حریف خُدائے
مسلمان کی دھمکیاں دینے سے بھی باز نہ آئے' وہ اگر اپنے پیروکاروں اور پیش
روؤں کے لئے دانشوروں کے دوزخ کی شہرت کی طالب نہیں تو اور کیا ہے۔
"لاالٰہ الا اللہ" لڑکوں کا تراشیدہ نعرہ تھا"، اس سے گھمبیر طعن فکرِ اقبالؒ،

Marfat.com

عمل قائدِ اعظمؒ اور جذبات و اعتقادِ ملّت اسلامیہ پر شاید ہی تراشا جا سکے۔ مفکرِ پاکستان نے اپنے گرد و پیش کے اسی خبثِ دردن کی نشاندھی کرتے ہوئے اپنے ذہن و قلب کا اظہار یوں کیا تھا کہ اگرچہ جماعت نے آستینوں میں بُت چھپا رکھے ہیں مگر ان پر حکمِ اذاں صادر ہو چکا ہے۔ اگرچہ "پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے" ان کے زیرِ نظر ہے۔ تاہم وہ لا اِلٰہ الا اللہ کا اعلان کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اقتدارِ شریعت صرف صہیونی مکتبہ فکر ہی نہیں ہر انسان ساختہ نظامِ حکومت کے لئے اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ زبانی اعتراف و اعلان بھی گوارا نہیں۔ جسے یقین یا احساس نہ ہو وہ پشاور کے جلسہ عام اور پاکستان کی امداد پر مزید پابندیوں کی حالیہ یہودی امریکی تجویز کی کرطوں پر نشانِ ساخت عینک اتار کر بھی پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ کیا اس تجویز کے ہر ضمن کی شہ سرخی یہ نہیں ہے کہ "ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں" اس کی ہر سطر اس کا ہر لفظ چلا چلا کر یہ نہیں کہہ رہا کہ "الحذر آئینِ پیغمبرؐ سے سو بار الحذر" اندرونِ ملک یا بیرونِ ملک اس صہیونی تجویز کی کوئی بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ قولاً یا عملاً حمایت کرے گا "وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا۔ روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو" کی یہودی و نصرانی تحریک کا کارکن ہی ہوگا۔ وہ صف نشین ہو یا منبر نشین، جُبہ پوش ہو یا جنّت نواز "ہے جمالو" کی دھنوں پر مبتلائے رقص ہو یا اللہ اکبر کہہ کر لبلبی دبا تا ہو۔.....

"لا اِلٰہ الا اللہ" کے چار لفظ انسانوں کی حاکمیت کی مکمل نفی ہیں۔ اللہ کے سوا مسلمان کا کوئی اور الٰہ نہیں اور جس کے سوا کوئی اور بھی الٰہ ہو وہ مسلمان کا اللہ نہیں۔ اور پھر اس سے بڑھ کر اور ستم سیاست پاکستان پر کیا ہوگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند کئے ہوئے نعرہ توحید کو قیامِ پاکستان کے لئے شمعِ راہ ہی نہیں منتہائے منزل قرار دینے کے عمل کو انتہائے دانش تسلیم کرنے کی بجائے "کھیل بچوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا" کی شہ سرخیوں کے سپرد کر دیا جائے۔ انسانی حریت و مساوات کا یہ چار لفظ

Marfat.com

لاثانی نسخہ تاریخ حیاتِ انسان میں مردمان ساختہ تمام تر دساتیرِ آئین کی شکست و تسخیر کا وہ وانشگاف اعلان ہے کہ سیاسیات کے علم سے آشنا کسی بھی فرد کو ان چار الفاظ کے ذریعے، جن میں سیاست کی تمام تر خرابیوں، خامیوں، کوتاہیوں کا مؤثر ترین حل پیش کیا گیا ہے، حریت انسان کی ضمانت دی گئی ہے، انسانی حاکمیت کالعدم قرار دے دی گئی ہے۔ ماسوا بے اختیار محمد رسول اللہ ؐ پکار اٹھنے کے اور کوئی چارہ کار رہی نہیں۔ میدانِ سیاست میں جس دانشور نے لا الٰہ الا اللہ کے احاطہ دانش سے باہر قدم رکھا، اس نے گویا دانشوروں کی دوزخ کی شہریت قبول کر لی۔ خود پیدا کردہ حالات کے سامنے یوں جھکا کہ نہ من اس کا اپنا رہا نہ تن۔ کبھی بادشاہوں نے لوٹ لیا تو کبھی شیخ و برہمن تاراج کر گئے۔ آخری رمق تک من کی دولت لٹ گئی۔ تن کی دولت کے سایوں کے پیچھے وارفتہ بھاگتا اپنی ہی چادر میں پاؤں اٹک جانے سے بار بار گرا۔ مگر اعتراف شکست کی بجائے دہائی دینے لگا: میں تو خدا کی تلاش میں تھا، قراردادِ مقاصد تحریر کر رہا تھا، آئین ہائے پاکستان کی موشگافیوں میں حاکمیت رب العالمین تلاش کر رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے، قوانین اسلام کے منافی نہ بنانے اور فقط قوانینِ اسلام ہی کا نفاذ کرنے میں فرق اگر واضح ہو گیا ہے تو قانون سازاداروں کا مصرف کیا رہ جائے گا اور پورس کے یہ سفید ہاتھی پاکستان کے کونسے عجائب خانہ کی مناسب زینت بنائے جا سکیں گے۔ محبت اگر بے لوث، صداقت بے باک اور طلب صادق ہو تو نظم کائنات میں منشائے ایزدی یقیناً یوں کارفرما ہے کہ آگ لینے کو جائیں اور پیغمبری مل جائے۔ لیکن منافقتِ قلب وہ موذی علت ہے کہ رتی بھر بھی موجود رہے تو ولایت کی تلاش میں نکلے ہوئے افراد کا بھی آگ لازم مقدر ہو جاتی ہے۔ لا تخف کی بجائے فویل" اور الحذر کی صدائیں سنائی دینے لگتی ہیں۔ اگر حصول پاکستان سے مراد صرف اللہ ہی کی حاکمیت نہ تھی تو پھر بندوں کی اور وہ بھی فرزندانِ تہذیبِ افرنگِ

Marfat.com

لادین کی حاکمیت مقصود تھی۔ یا بندوں اور اللہ کی مشترکہ حاکمیت کا قصد تھا تضادات کی حکمرانی کی تمنا تھی۔ دین بھی کسی انسان کا لگایا ہوا پودا تھا جسے مزید پیوندکاری سے حسب منشا ذائقہ دار بنایا جاسکتا تھا۔ اس سے بڑھ کر اور شرک کیا ہوگا کہ انسانوں کو دانش خداوندی بھی ترمیم و اضافہ طلب نظر آنے لگے۔ کیا قیام پاکستان سے صرف یہی مقصود تھا کہ ایوانِ حکومت میں افرنگی امپریلزم کے شجرہ ہائے نسب نصب کر دیئے جائیں،' لاتے ہیں سرورِ اوّل دیتے ہیں شراب آخر کا دستور کارفرما رہے اور دیوِ استبداد اقتدار کی نیلم پری کی باہوں میں باہیں ڈال کر انسانی حرّیت کی نعشوں کے گرد شب و روز رقص کرتا رہے" یہ لڑکوں کا نعرہ تھا" اعلان فرما کر مفکرّ پاکستان اور معمار پاکستان کے مزاروں پر رومن چادریں چڑھانا مقصود ہے یا کسی ایسے دوست کی تائید ہے جو تخلیق پاکستان کو افرنگی سازش قرار دینے کے لئے جواز ٹٹولتے رہنے کا عادی ہو گیا ہو۔ ہمارے مقدر میں تو سیاسی مگر مچھوں کے آنسوؤں میں محلول کئے گئے نوع درنوع نسخے ہی سہی، وہ مفکرّ و معمار و شہدائے تحریک پاکستان کیا کسی جرم میں مارے گئے کہ یوں پوسٹ مارٹم کی ضرورت آپڑی۔ جن کی ضرورت ہو ان کا مرجانا اور غیر ضروری ضرورت مندوں کا نہ مرنا کیا نتائج پیدا کرتا ہے۔ تاریخ نے بارہا دیکھا، اب بھی دیکھ رہی ہے لیکن مندرجہ بالا توضیحات و تشریحات کے موجد اگر درِ توبہ اپنے ہاتھوں سے بند کرنے پر مُصر ہیں تو جان لیں کہ تاریخ اُن القابات کی تلاش میں ہے جو آئینِ پیغمبر سے یوں منحرف ہونے والوں کو زیب دیتے ہیں۔ اسلام کو ثانوی مسئلہ قرار دینے والے ایک مرتبہ پھر جائزہ لیں، ہوسکتا ہے فطرت اسے اوّلین امر قرار دیتی ہو۔ جن افراد کو کسی میخوار کے وعدے پر اعتماد نہیں تھا مان لیا کہ بجا طور پر نہیں تھا۔ اب تو نماز بھی ہے، روزہ بھی ہے، زکوٰۃ بھی ہے، عمرہ بھی ہے، حج بھی اور اعلان نفاذ اقتدار شریعت بھی۔ اب کیا جواز ہے، کیا

Marfat.com

یہ کہ سیاستِ حاضرہ ابھی بے وضو ہے۔ اللہ کی حاکمیت اگر قائم ہو جائے اور نفاذِ مارشل لا نہ رہے تو کیا یہ اعتراض کیا جائے کہ اقتدار جسے ہمارے دستِ سیاست پر بیعت کرنا تھی، شریعت کے نام کیوں منتقل ہو۔ حاکمیت بندوں سے کیوں چھنی، اللہ ہی کی کیوں تسلیم کر لی گئی۔ نادان دوستو! یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ د پیوند لا الٰہ الا اللہ، سب بُتان وہم و گمان ہیں۔ مارشل لا نہیں ہونا چاہیئے، ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر نفاذ مارشل لاجاری ہے، صرف اس لئے کہ ہماری پیشہ ور بہ باطن لادین سیاست اپنی اعزاض کے خول سے باہر نہیں جھانکتی اور خائف ہے کہ جھانکا تو اندھی ہو جائے گی۔ لڑکوں کے نعرہ تراشنے کا تو قصہ گزشتہ تھا۔ حیرانی سر پیٹتی ہے، کہ ان بزرگوں کا مزار کہاں تعمیر ہوگا جن کی سیاسی و غیر سیاسی بلوغت رازِ سربستہ ہی رہی اور جو یکایک سر تسبیح لٹکے ہوئے سگوں کو مسل مسل کر ورد کرنے لگے ہیں کہ رائے دہندگان کا معیارِ اخلاق و کردار مقرر کرنا اسلامی شعار نہیں، تقاضائے سیاستِ اسلام نہیں۔ نسخۂ متفقہ حضور سنبھالے بیٹھے ہیں نہ معلوم مجرب ہے یا مجرّد ہے۔ مگر مغربی طریق انتخاب کا تقاضا کرنے والے خدا کے لئے عہدہ طلبی و ہم جوئی کو شعار مومن قرار نہ دیں، مغربی طریقِ انتخاب اور مشاورتِ اسلام میں بُعد جانیں۔ خدا کے لئے سوچیں کہ اہل دوزخ کی رائے سے جنت تعمیر ہو گی تو اہل جنت کی تمناؤں کا کیا ہوگا۔ کیا یہ زیب دیتا ہے کہ رضوان کا انتخاب اہل دوزخ کی رائے کا محتاج قرار دے دیا جائے۔ سیاستِ مزید اگر مغربی جمہوری سرمایہ دارانہ نظام کے تحفظ کے لئے کھاتے پیتے افراد کو وافر کھلانے پلانے کے لئے بمع آلہم و اصحابہم اکٹھا کر کے اعلان کر دے کہ فی الحال حکومت نہ سہی سایۂ حکومت ہی سہی۔ حکومت سایہ دار کو سُجھا دے کہ حکومت تمہاری اور سایہ حکومت ہمارا یا یہ کہ تم سایۂ خدائے ذوالجلال، ہم جانِ استقلال۔ دیوار تمہاری دسترس میں، سایۂ دیوار ہمارے مصرف میں۔ مصلحت

Marfat.com

پہچانو تو اپنا جان لو، نہ جانو تو ہم بے وقت جگانے کی شرارت کریں گے کہ اپنے مرغوں کو ڈربوں میں بند کیا جا سکتا ہے، انہیں اذان دینے سے نہیں روکا جا سکتا۔ اگر یورپ کے کلیساؤں اور افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں اذانیں دی جا سکتی ہیں تو حکومت پاکستان اتنی مضبوط بھی نہیں کہ "ککڑوں کوں" بھی نہ کہا جا سکے۔ مارشل لاء سے ناپسندیدگی کے اظہار کا یہ کوئی مفید و مؤثر انداز نہیں ہے۔ یہ تو مارشل لاء کے استقلال کی راہ ہے کہ اسلام کے بنیادی اصولوں سے مفر کی راہیں ڈھونڈ نکالی جائیں۔ صحیح اسلامی آئین کے مکمل نفاذ کے بغیر مارشل لاء سے سیاسی چھٹکارا حاصل کرنے کا اور کوئی مؤثر طریقہ نہیں۔ نفاذ نظام مصطفےٰؐ سے بحالی جمہوریت اور پھر سکڑ کر ایک فرد کی، جو لافانی بھی تھا اور لاثانی بھی نہیں تھا، اقتدار سے علیحدگی پر آٹکنا، ملک ہمارے ساتھ وہ کر گیا جو نوّے دنوں کو سات سالوں تک پھیلا گیا۔ اب بھی منفی سیاست سے تائب ہونے اور مثبت اندازِ فکر اپنا لینے کا شاید وقت ہو۔ پشاور کے نونکات ہماری سیاست کو بُرے نہ لگیں، اپنے ہی نامۂ اعمال سے یوں نفرت ثبوتِ دانش نہیں۔ ماؤں نے بچے بے نام راہوں پر ہنگامہ آرا ہونے یا مرنے مارنے کے لئے نہیں جنے۔ بسوں اور راہ گیروں سے کوئی ایسا جرم سرزد نہیں ہوا کہ انہیں سنگسار کیا جائے۔ ملک میں مارشل لا نافذ ہے، شبِ برات نہیں کہ بچوں کی پٹاخوں کی ضد پیشِ نظر رہے۔ باپ کی امیدوں پر پانی پھرنے اور ماؤں کے کلیجے تپا دینے کے عمل کو سیاست نہیں کہتے۔ معصوم ہاتھوں سے قلم چھڑوا کر انگلیاں لبلبیوں پر رکھ دینا کسی روشن مستقبل کو لٹانے میں نہیں لائے گا۔ ملک کی کسی ماں نے اپنے بچے کو یہ بددعا دے کر نہیں بھیجا کہ جا تُو قید ہو جائے، تو گھر نہ آئے، تیرے ساتھیوں کے ہاتھوں تیری تڑپائی ہوئی لاش آئے۔ پابندی کی ذمہ دار جو حرکات ہیں، ان ہی کو دہرانے سے پابندی شاید نہ ہٹے۔ شاید

Marfat.com

بات بڑھ جائے۔ اولاد مروا کر یا پٹوا کر یا قید کروا کر گھر بسانے کی تمنا کرنے والے اچھے والدین ہوتے تو مارشل لا نافذ ہی کیوں ہوتا۔ ہم متعدد سیاسی امراض میں مبتلا ہیں۔ موجودہ نظم و حکم بھی اسی مرض سیاست کا جزو لاینفک ہے۔ آؤ! آئین پیغمبرؐ سے دریافت کریں، آخر اس درد کی دوا کیا ہے۔

Marfat.com

جنابِ صدر! یہ دُوریاں یہ فاصلے

عالی مقام! مقامِ عالی پر اُن کا متمکن ہوجانا جو خوفِ خدا سے عاری اور رضا و قضائے الٰہی سے نابلد ہوں، تاریخِ انسان کو سانحات سے دوچار کرتا آیا ہے اور کرتا رہے گا۔ توجہ مبذول فرمایئے، یہ آخر کسی خطا کی سزا ہی ہوگی کہ سُپر طاقتوں کے پنجۂ استبداد کے خوف سے سہمے ہوئے اسلامی ممالک کی کیفیت اُن گھروں کی سی ہوگئی ہے جنہیں مفروضہ نقضِ امن کے خطرہ کے بہانے سربمہر کرنے کا حکم کسی بے عنان "پولیس مین" نے خود مستغیث بن کر حاصل کرلیا ہو۔ نوّے کروڑ مسلمان جن کی نمائندگی کا شرف آپ حاصل کرچکے ہیں، تاریخِ اسلام کی ماندگی اور بے مائیگی کا بابِ نو تحریر ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ دل کا کیا حال کروں خونِ جگر ہونے تک، کا سماں ہے۔ خلیجی ممالک، پنجۂ یہود میں جکڑے ہوئے مغربی یورپ کی رگِ جان ہونے کے باوجود، ایسے مریض تصوّر کئے جارہے ہیں جن کا تمام خون بدل دینا، اقتصادی صحت کے معالجوں نے لازم قرار دے دیا ہو۔ خلیج کے جس کنارے کی طرف نظر اٹھاؤ، کوئی نہ کوئی علاء الدین خلجی متعین ہے اور مُصر ہے کہ ہر آئینہ رُوپدمنی میرے سپرد نہ کی گئی تو پرتھوی کی خیر نہیں۔ تیل جو کبھی انعامِ الٰہی تھا۔ فقط یارانِ عیش کوش وجود میں لایا۔ زمین اپنے خزانے اگلتی رہی اور قارون تالیاں بجاتے، دو کوہانی

اونٹوں کی ٹانگوں میں زنجیریں باندھ کر انہیں مجبورِ رقص کرتے، اپنے سیاسی قمار خانوں سے ہدائتیں جاری کرتے رہے کہ صدائے جرس ناقۂ لیلیٰ بھی مدھم نہ ہو اور مجنوں کا قدم بھی نہ اُٹھے۔ تیل کے ہر چاہ پہ دعویٰ ملکیوں عائد رہا کہ ہمارے یوسف اسی میں گرائے گئے تھے۔ لہذا ڈول ڈالنا اور نیلام یوسف کے لئے منڈیاں مقرر کرنا ہمارا حقِ سوداگری و آقائی ہے۔ سُپر طاقتیں یہ طے کئے بیٹھی ہیں کہ تیسری عالمی جنگ برپا کئے بغیر عالم اسلام کو دوسری عالمگیر جنگ کے نتائج کے سپرد کر دیا جائے۔ یوں، کہ ہینگ بھی مسلمانوں کی ہی لگے اور پھٹکڑی بھی ان ہی کی صَرف ہو۔ جمال الدین افغانی اور علامہ اقبالؒ کے تصورات کے تاج محل آٹھویں عجوبہ کے طور پر، اپنے نقشوں کے مطابق تعمیر کر کے نئے لارڈ لارنس کی تحویل میں دے دیئے جائیں اور تیل تیرا، پانی میرا کے کلیہ پر بقائے باہمی کے لئے صلح کر لی جائے۔ چاہے افغانستان، ایران، پاکستان، بھارت کی نئی جغرافیائی تقسیم ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ احیائے اسلام کو یوں دبے پاؤں اور آڑے ہاتھوں لیا جائے کہ تاریکئ آسمان کے نورِ سحر سے آئینہ پوش ہونے اور ظلمتِ شب کے سیماب پا ہونے کی صدائے بازگشت صدیوں تک دوبارہ بلند ہونے کا کوئی احتمال نہ رہے۔ ضیائے حق تاریکئ باطل کی گھمبیرتا میں لرزتی رہے۔ خودمستی و بدمستی میں ہر امتیاز، غازہ وساغر و مینا کی کرامات کے سامنے سجدہ ریز رہے اور عالمِ اسلام اُس سجدے کو جو ہزار سجدوں سے نجات دلاتا ہے، از خود متروک قرار دے دے۔

سپر طاقتیں آگاہ ہیں کہ اگر کوئی تاخیر سرزد ہوگئی تو نہ معلوم کتنے اور بیروت بے روپ کرنا پڑیں۔ نہ معلوم کس کس لبنان کا لبن چوسنے کے لئے میکاولی اور مارکس کے اژدہے چھوڑنا پڑیں۔ کس کس کو جادوئے سامری اور شیوۂ آزری کی زد میں لانا پڑے۔ عالی جناب! کاروانِ اسلام کے لئے یہ کون سی منزل متعیّن ہوئی کہ اسلام مسافر نظر آنے لگا ہے۔ یہ فریبِ نظر جو ہم کھا رہے ہیں، دوریٔ منزل دے رہی

Marfat.com

ہے پاکستان فاصلوں کی عطا ہے۔ یہ نصب شدہ میزائل اور اپنے سینوں پر طیارے لادے ہوئے جہاز اعجازِ غرقِ فرعون کے اعادہ کا سدِ باب کرنے اور فرارِ موسیٰ کو ناکام بنانے کے لئے نہیں تو کیا چیونٹیوں کو سلیمان کے لشکر سے محفوظ رکھنے کے لئے ہیں۔ آپ بھی تو آگاہ ہیں کہ یہ خلائی جہاز ابابیل کی راہ نمائی کے لئے نہیں، اصحاب فیل کی حفاظت کے لئے اڑائے جارہے ہیں۔ یہ ساز و سامان آج کے پٹرول فروشوں کو عطر فروش بنانے کے لئے ہے۔ بظاہر قلعۂ اسلام کے ارد گرد بچھتی ہوئی سرنگیں دراصل اس کے لئے کھودی جانے والی آبی سرنگیں ہیں۔ ان دوریوں، ان فاصلوں کو دوربین لگا کر نہ دیکھئے۔ سانپ تو پاؤں کے قریب رینگ رہے ہیں اور وہ وقت شاید دور نہ ہو جب مسجدوں کے میناروں سے اٹھتی ہوئی اذانیں فقط عبدالوہاب کے مسمار کئے ہوئے مزاروں کی آسامیوں کے لئے ہی مخصوص کردی جائیں، تُرکِ نادان کی چاک کی ہوئی قبائے خلافت نیلام کردی جائے اور دنیاء اسلام زخموں سے گرتے ہوئے نمک کو پلکوں سے چننے پر مجبور ہو جائے۔ آپ کے بھی سقوطِ مشرقی پاکستان پر ٹپکتے ہوئے آنسو شاید ابھی نہ تھمے ہوں، ہمارے تو نہیں تھمے۔ ایسا نہ ہو کہ وقت پھر گھڑیال سے منادی کرنے لگے کہ لو! مبارک ہو۔ گردوں نے گھڑی موت کی اک اور گھٹا دی۔ سربراہا! جو اپنی ہی پھونکوں سے اپنے چراغ بجھا دیں، نقب زن انہی گھروں میں در آیا کرتے ہیں۔ سانپ بین بجانے سے مسحور ہو جاتے ہوں تو انہیں موسیقی نواز گردان لینے سے بڑی گردن زدنی سیاسی غلطی یہ بھی ہے کہ یہ حقیقت فراموش کردی جائے کہ مینڈکوں کے ٹرانے سے اژدہوں کی اشتہا بڑھ جاتی ہے۔ دوریوں اور فاصلوں کے باوجود فقیر بغیر دوربین لگائے دیکھ رہا ہے کہ آج کے اژدہے ڈپلومیٹک انعامات کی بارش ہی اس غرض سے برسا رہے ہیں کہ مینڈک ٹرائیں اور یہ گرم پانیوں کو زہر آلود کرنے کے لئے گامزن ہونے سے پیشتر مختصر ترین فاصلوں کا تعین کر سکیں۔ فقیر

Marfat.com

پر اعتبار نہ کیجئے۔ انسانوں کے اندازے غلط بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ شرف تو آپ کو حاصل ہے کہ آپ مطلق العنان حاکم ہونے کے باوجود بے عنان نہیں ہیں اور اللہ کے سامنے سربسجدہ رہتے ہیں۔ سجدہ جو دوریاں اور فاصلے کو تاہ کرتا ہے۔ اللہ سے ہی پوچھ لیجئے، کیا طاغوتوں کے یہی ارادے نہیں ہیں۔ اے ہمارے راعی! رعایا عرض کرتی ہے کہ آج کا ہر سومنات اپنی ترشے ہوئے پتھر اٹھائے غزنوی کو سنگسار کرنے کے لئے نئے طریقے سوچ رہا ہے اور للکار رہا ہے کہ تجھے پے درپے حملوں کی سزا بھی دوں گا اور آخری فتح کا بدلہ بھی لوں گا کہ تیرا اسلام نہ ہوتا تو چانکیہ کی فکری مملکت میں سچا سودا کرنے والا گورو نانک ہی نہ ہوتا اور آج واہگورو کے گوردوارے چندرگپت کی سیاست اور اشوک کی چکر بازی کا منہ نہ چڑاتے۔ یہ اسی سومناتی سیاست کی دین ہے کہ سیاست کے ہر ٹوکرے میں سیواجی مرہٹہ چھپا بیٹھا ہے۔ اذہان میں مایوسیوں کی کنفیڈریشن اور محرومیت کی فیڈریشن کے نقشے لٹک رہے ہیں۔ جناب والا! عالم سجدہ میں کبھی آپ نے اللہ کی حاکمیت اور فیڈریشن اور کنفیڈریشن کے تضادات پر غور فرمایا ہے۔ یا صرف ان ہی کی سنتے رہیئے گا جن کی دانست کے منہ سے ابھی فیڈر بھی نہیں چھٹا اور وہ مارشل لاؤں کے دودھوں پالے، افلاطون وارسطو تک کو اپنے ذہنی کٹہروں میں کھڑا کرکے فرداتِ جرائم عائد کرتے رہتے ہیں۔ کہ تم نے مملکت کو مزید لخت لخت کرنے کا مؤثر طریقہ تحریر نہ کرکے جو جرائم کئے ہیں وہ ہماری سماعت کے قابل اور لائقِ تعزیر ہیں۔ ڈانٹتے ہیں کہ نالائقو! تم سے تو محرومیت و یاس و قنوطیت و علیحدگی کی بنیادوں پر ریاست استوار کرنے کا کوئی طریقہ بھی تجویز نہ ہو سکا۔ جنابِ والا! اپنے اثر سے نہیں، اپنے عصر سے دریافت فرمایئے تو شاید یہ راز بھی کھل سکے کہ بعض فقیہانِ عجم، پاسداریٔ ملوک کیلئے، دین کو کس پرکاری سے متنازعہ بنا دیا گیا۔ تصوّرِ خلافت کو مسلمانوں کے اذہان سے مفقود

Marfat.com

کرنے اور دستارِ ملوکیت کو متبرک تسلیم کروانے کے لئے کس طرح الفاظ و معانی کے خم و پیچ سے تعاون حاصل کیا گیا۔ احکامِ الٰہی کی اساس و دانش پر کس طرح دبیز و رنگین جُبّے پھیلا دیئے گئے۔ عقلِ لافانی کو کس پرکاری سے عقلِ فانی کی دسترس میں دے کر جزئیات کو بنیادی اصولوں پر فوقیت دی گئی۔ مقالاتِ قرآن کو کس ہوشیاری سے حالات کے تابع بنایا گیا۔ حالات کے پروردگار کیوں کر حالات کی پیدائش معذور بن کر رہ گئے۔ کتابِ ناطق کے لئے انسانوں نے کس طرح اپنے کان بہرے کر لئے۔ الحادی دانش کے اُبلتے ہوئے لاوے سے انسانی قلوب پر کس طرح مہریں ثبت کردی گئیں۔ مساجد میں زرتشت کے فکری آتش کدے کس نے دہکائے۔ مسلکی رقابتوں کے سنگسار کئے ہوئے اذہان کس کے ہاتھوں دستار بند ہوئے۔ آپ کی رعایا کو وہ انسان کس نے عطا کئے جو چراغ خانہ سے گھر جلاتے ہیں۔ دربارِ شاہی میں سدھائے ہوئے شیر چھوڑ کر قائم کیا ہوا رعبِ شاہ محض خود فریبی ہے۔ نہ معلوم شیر کو کب احساس ہو جائے کہ وہ تو جنگل کا بادشاہ ہے۔ فاصلے تعزیر سے بڑھتے اور تدبیر سے سکڑتے ہیں۔ وقت کا اندازہ تمازتِ آفتابِ اقتدار سے نہیں، اپنے سائے سے لگانا صحیح سیاسی عمل ہے۔ اللہ نے قضائے صلوٰۃ کی رعایت عطا کر رکھی ہے، قضائے دانش کی ضرب کی دی ہوئی دوریاں اور فاصلے بڑے کرب انگیز ہوتے ہیں۔ معاملہ چونکہ شوقِ وفاداری اور شرطِ استواری کا نہیں، اُس سرزمین کے تحفظ کا ہے جو مملکتِ خداداد "برائے خداداد" ہے اس لئے جان کی امان کی خاطر سچی بات کہنے سے رک جانا جان دے دینے سے زیادہ کرب ناک ہوگا۔ لہٰذا عرض ہے کہ دو سُپر طاقتوں کے سیاسی پڑاؤ کے درمیان پِس جانے سے محفوظ رہنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ خود کو سپریم طاقت کے حوالے کرنے کے ساتھ ساتھ ملک کو بھی اسی سپریم قوت کی حاکمیت میں دے دیا جائے۔ پاسبانِ کعبہ عبدالمطلب اور سومنات کے پجاریوں کی قوتِ ایمان

Marfat.com

میں بڑی دوریاں ہیں، بڑے فاصلے ہیں۔ کہتے ہیں، بتوں سے امیدیں اور خدا سے ناامیدی بڑے مہلک نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ جس معاشرہ میں عبدالمطلب کی پختگی ایمان موجزن نہ ہو، محمدؐ رسول اللہ کے عرفان سے فیض یاب ہونا اس کا مقدر نہیں ہوتا۔ کافر اللہ کی غیرت کو للکارتا اور تباہی کو مقدر بنا لیتا ہے۔ مومن کا اتقا اور توکل انعام پا جاتے ہیں۔ اللہ پر بھروسہ نہ کرنے والے خدا کے بلکہ سے کے انسان نہیں ہوتے۔ ایمان متزلزل انسانی خطاؤں کا سرچشمہ ہے۔ نہ ہوتا تو ہمارے سیاسی میر عشقِ سیاست میں عشقِ سادات بھی داؤ پر نہ لگا بیٹھے ہوتے۔ انسانی طاقت کے سرچشمہ سے جس کسی نے پیاس بجھائی، اس کے ہر عمل کو رعشہ نے آ لیا۔ ہر کوئی آگاہ رہے کہ مغربی جمہوری سرمایہ دارانہ سیکولرزم ادیان الٰہی کے خلاف انسانی سازش ہے جس نے ترقی کر کے اللہ سے انکار برپا کر دیا اور کمیونزم نام پایا۔ اس فکر و نظر کی پیداوار سپر طاقتیں جنگ کے لئے صلح کریں یا صلح کے لئے جنگ، فطرت کے فکری اور مادی شہابِ ثاقب بہر طور ان کا تعاقب کریں گے۔ جن کی دانست میں یہ امر صائب نہیں وہ صرف مصائب طلب ہیں۔ دینی فاصلے طویل نہیں ہوتے، رُخ بدلتے ہی طے ہو جاتے ہیں۔ سیاسی ایمان اور قلبی ایمان کے عوامل و نتائج کا فرق تو ہمارے دساتیر کے سرورقوں تک پر تحریر ہو چکا۔ دروں درقنوطی سیاست سے لوگ مایوس ہو چکے، لیکن ان کی یہ سزا بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ امید کے چراغ دھواں دینے لگیں۔ حرمتِ مستور حرمتِ مستورات سے کہیں زیادہ محفوظ رکھنے کی چیز ہے یہ محفوظ ہو تو انسان کوہ طور بھی ہے اور کوہِ نور بھی۔ جناب والا! آج کے معاشرہ کی تمام تر مکروہات آئین و قوانین کی عطا ہیں۔ لوگ بُرے نہیں، آئین و قانون ساز غیر دانشمند ہیں۔ جو حکمران ماؤں کو اُن کے تصورات کے بچے نہ لوٹا سکے، اس کا حکم رانوں پر تو نقش ہو جاتا ہو گا، دلوں پر نقش نہیں ہو پاتا۔ اسی سہو نے یہ

Marfat.com

فاصلے، یہ دوریاں قائم کی ہیں۔ مظہرات کے زیر نظر قانون سازی فقط انسانی ذہن کی ہنگامی شکست و ریخت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ جرم کے لئے فقط سزا کا تعیّن اسلوبِ قانون سازی نہیں۔ اندازِ نمک پاشی ہے۔ فقیر اللہ کی حاکمیت کے نفاذ کا تقاضا صرف اس لئے کرتا ہے کہ انسان ناقص قانون ساز ہے۔ خلافت، احکامِ الٰہی کے پابند ہو جانے کے نظامِ سیاست کو کہتے ہیں۔ نظام خلافت اور انسانوں کے وضع کردہ تمام تر نظام متضاد و متصادم ہیں۔ تسلیم حاکمیتِ الٰہی، نفاذِ احکامِ خداوندی، ایمان بالغیب و آخرت، قیام صلوٰۃ، مشاورت فی الامور، انفاقِ رزق، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلامی نظامِ سیاست کے ستون ہیں۔ جناب والا! ہمارے ملک میں تمام تر قانون سازی اصولِ تثلیث پہ ہو رہی ہے۔ تعمیرِ عمارت میں اصولِ تثلیث روا رکھ کر دانشوروں نے گھروں کو سلیب بنا کر رکھ دیا ہے۔ اگر مکعب کو فنِ تعمیر کی بنیاد بنانا ہوتا تو رکعت و رقّت میں آج کے فاصلے اور دُوریاں پیدا نہ ہوتیں۔ اسلامی فنِ تعمیر مثلث کو نہیں مکعب کو بنیاد بناتا ہے۔ اسی طرح اسلام آئین و قوانین و احکام و اوامر مکعبی فکر و دانش پر تشکیل دیئے گئے ہیں۔ فکرِ مغرب نے ہر فکر کی بنیاد مثلث کو بنایا ہے۔ اور دنیا کو یقین دلاتے ہیں کہ اس مثلث کے زاویوں کی تنصیف کرتے ہوئے خطوط ایک مرکز پر جا ملیں گے اور یوں فاصلے برابر ہو جائیں گے۔ حالانکہ اصل مسئلہ فاصلے برابر کرنے کا نہیں، فاصلے ختم کرنے کا ہے۔ کون سمجھائے کہ تثلیث کا مرکز تلاش کرنا ہوتا ہے اور کعبہ خود مرکز ہوتا ہے۔ موجودہ آئینی نظام حکومت بھی تثلیثی ہے۔ آج کل مارشل لاء اس مثلث کا ایک خط ہے۔ خطِ قاعدہ بھی نہیں اور خطِ قائمہ بھی نہیں۔ اسے صرف مقام وتر حاصل ہے جو قاعدہ و قائمہ کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کی اساس رومن اور یونانی فقہ ہے۔ جو بغیر مرہم لگائے زخموں پر پٹیاں باندھ دینے کے عمل کے سوا کچھ بھی نہیں

Marfat.com

بات سخن گسترانہ سہی۔ نہ مبہم ہے، نہ مہمل۔ تفصیل اس لئے لاحاصل ہوگی کہ مثلث کے خطوط طویل کرنے سے فاصلے بڑھتے ہی نہیں، بے ڈھنگ بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ عمل کیا جائے تو پھر مثلث کے خطوط کا کسی مقام پر مل جانا ممکن ہی نہیں رہتا۔ اصول کعبہ کی بنیاد پر آئین و قوانین تشکیل دینے والے کا نام تاریخ اسلام کا حجرِ اسود ہوگا۔ یہ قلندرانہ راز کسی کے ذوقِ عبادت کی نذر ہے۔ ورنہ حاکم آتے جاتے رہتے ہیں اور ملک بھی تاریخ نے وجود میں آتے اور معدوم ہوتے بارہا دیکھے ہیں۔ ہم فقیروں کا کیا ہے۔ رہے تو کیا، نہ ہوئے تو کیا۔ صَف ہی تو ہے، گھر میں نہ بچھے گی، قبر کی آسامی میں بچھ جائے گی۔ ہر لباس میں ننگِ وجود رہے، کفن بھی پرانے کپڑے کا ہوا تو قلق نہ ہوگا۔ یہ فرحت کیا کم ہے کہ لوگ تاج بچاتے رہے، ہم دل کی حفاظت کرتے گزر گئے۔

Marfat.com

ہائے! اُس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا

احساس محرومی کا واویلا اتنی اونچی بے سُری سے برپا کیا جا رہا ہے جیسے کسی نچلے کھلنڈرے کا ہاتھ کھڑکی میں آگیا ہو۔ اقتدار سے محروم افراد نے اپنے احساس محرومی کو عوام الناس کے سر منڈھ لینے کے لئے نہایت پُرکاری سے یہ اصطلاح ایجاد کی ہے۔ کیا بُوالعجبی ہے، فکری اغوا کا کیا نرالا انداز ہے کہ ایک صوبے کو دوسرے صوبے سے مایوس قرار دے کر دکانِ سیاست میں جگنو سجائے جا رہے ہیں اور سیاسی طوطے پنجرے میں بند "ورجگتی" گا رہے ہیں۔ ایک طرف سے صدا آتی ہے صوبائی خود مختاری ہی بقائے وطن کا واحد حل ہے تو دوسری طرف سے آوازہ لگتا ہے، کنفیڈریشن کے قیام کے بغیر سیاسی سانس کے پھولنے کا علاج ہو ہی نہیں سکتا۔ کسی سجدہ گاہ سیاست میں آئینِ بالائے طاق کی تلاوت ہو رہی ہے تو قریب ہی سیاسی مندر میں زنّار پوش گھڑیال بجا رہے ہیں کہ صوبائی ثقافتوں کے تحفظ کے لئے نسلی اور لسانی تعصبات کے ڈھلے ہوئے بتوں کے سامنے گھٹنے ٹیک لو کہ ہر سیاسی اونٹ ایک نرالی کروٹ بیٹھنے والا ہے۔ نہ معلوم بداندیش بہو کی طرح جو سیاستدان بھی حُجلۂ عروسی سے برآمد ہوتا ہے، بٹوارے کے لئے کھسر پھسر کیوں شروع کر دیتا ہے۔ لبوں نے

Marfat.com

لگ جاتا ہے کہ مجھے بسانا ہے تو ماں کو چھوڑنا ہوگا، علیحدہ گھر بسانا ہوگا۔
تمہاری ماں کے ساتھ محبت نے مجھے احساس محرومی میں مبتلا کر دیا ہے تمہارے جیتے جی میں رانڈ نظر آنے لگی ہوں، میری کوکھ میں بانجھ پن گنگنانے لگا ہے۔
انسان حبِ وطن سے عاری ہو جائے تو احساس محرومی اس کا مقدر ہو جاتا ہے۔
حرصِ اقتدار کے مریضوں کو محروم اقتدار ہوتے ہی یہ مرض لازماً لاحق ہو جاتا ہے۔ سیاسی رقابت ایسی نامراد علت ہے کہ جوں جوں دوا کرو، یہ بڑھتی ہے اور دعا کرو تو ناسور بن کر رسنے لگتی ہے۔ صوبوں کا احساسِ محرومی نہیں، چند افراد کا احساسِ مایوسی ہے جو اس قسم کی اصطلاحیں تخلیق کر رہا ہے۔ جو لوگ قیام پاکستان کے خلاف تھے، وجودِ پاکستان ان کے افکار و اذہان پر کھٹکتی ہوئی مسلسل ایک ضرب ہے۔ نہایت پُرکاری سے انہوں نے پہلے نظریہ پاکستان میں مغربی جمہوریت اور غیر مغربی سوشلزم کی آمیزش کی۔ نیت یہ تھی کہ قوم کو فکری و نظریاتی تضادات کے اکھاڑے میں کھڑا کر دیا جائے اور فکری حصار اس طرح استوار کئے جائیں کہ نہ اسلام ان کا دین رہے، نہ جمہوریت ان کی سیاست ہو، نہ اشتراکیت ان کی معیشت ہو۔ اسلام، جمہوریت اور سوشلزم کے تصادم سے وہ کہرام برپا کیا جائے کہ ہر ذہن اس تلاش میں لگ جائے کہ جسے میں اپنا خُدا تسلیم کیا کرتا تھا وہ کہاں ہے۔ وہ ضابطہ حیات جسے اپنانے کے لئے میں نے پاکستان کی تمنا کی تھی، تجوریوں میں کیوں مقفل کر دیا گیا ہے۔ اُفق یکایک شفق کیوں نظر آنے لگا۔ صدیوں کی غفلت کے بعد ابھی بیداری آنکھیں بھی نہ مل پائی تھی کہ جسے آفتاب جانا تھا، وہ نیسیویں کا چاند نکلا۔ رات کی تاریکیوں میں کسی نے شمع روشن نہ کی، دن کو تارے دکھانے والے یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ سیاست

Marfat.com

شعبدہ بازی کا نعم البدل ہو کر رہ گئی۔ جیسے دیکھو دودھ بھری بوتل کی بے سوراخ چوسنی منہ میں لئے رو رہا ہے کہ لوگو! میرے بھائیوں نے میری ماں اغوا کر لی ہے، چوسنی میں مطلوبہ سوراخ کر دینے سے میرا علاج نہیں ہوگا۔ مجھے ان مداریوں کا تماشا دکھاؤ جو حسب فرمائش لوٹے کو بھرا ہوا اور پھر معاً خالی دکھا سکتے ہیں۔ میں اپنے پاؤں چل سکوں یا نہ چل سکوں مگر قلابازیاں لگتی ضرور دیکھوں گا۔ ایسے طائفے مہیا کرو جو مجھے فکری جوڈو کراٹے بہ انداز رقصِ فکرِ بدحواس سکھا سکیں کہ سیاست کا کوئی دین ایمان نہیں ہوتا۔ نہ اس کے جذبات ہوتے ہیں، نہ اس کی عزت نفس۔ سیاست میں آج کا دشمن کل کا دوست ہو سکتا ہے اور آج کے دوست سے کل دشمنی بھی ہو سکتی ہے۔ جو تکمیلِ غرض کے لئے ہر جائی نہیں، وہ سیاست دان نہیں۔ کاش بزرگانِ جہانِ مارشل لاء دیدہ جانتے کہ لوگ احساس محرومی سے زیادہ سیاست دانوں سے احساس مایوسی میں گرفتار ہیں۔ ان کے اتحاد نے بھی اور ان کے نفاق نے بھی، ان کی صلح نے بھی، ان کی لڑائی نے بھی، ان کے تعاون نے بھی اور ان کی محرومیٔ معاونت نے بھی بہر طور اور بہر حال سادہ لوح عوام کو مایوس کیا ہے۔ اب اتحاد یا وسیع تر اتحاد۔ محبت آزماؤ یا مخاصمت، آبرو تانو یا آستین چڑھاؤ، تکبیر کہو یا سلام پھیرو، عوام الناس کوئی امید تم سے وابستہ نہیں رکھیں گے کہ کوئی گنجائش پُرکاری و ہنر مندیٔ سیاست نے باقی نہیں چھوڑی۔ لوگوں کو احساس ہے کہ ان کے بنیادی حقوق انہیں حاصل نہیں ہیں۔ آلام و مصائب و عدم تحفظ کی جس چکی میں وہ پس رہے ہیں، اس کی آواز صبح و مسا گلی گلی کوچے کوچے سنائی دیتی ہے۔ مگر سیاسی عمّال نے ان کے اعتماد کو صرف مجروح ہی نہیں کیا بلکہ انہیں یہ بھی یقین ہے کہ سب کچھ کیا دھرا سیاسی بی جمالو ہی کا ہے۔

Marfat.com

لوگ جانتے ہیں کہ آئین کی بحالی اور انتخابات کا فوری انعقاد عوام کے مصائب کے پیش نظر نہیں، اپنے اقتدار میں آنے کے لئے مانگا جا رہا ہے۔ عوام الناس کو آپس میں لڑانا، مسلک کے بھلاوے ہیں ان کے ذہن مفلوج کر کے ان کی جیبیں تراشں لینا، کفر کے فتوے فروخت کرنا۔ ترجمہ و تفسیر قرآن امت مسلمہ کو تفریق و تقسیم اور اختلافات کا شکار کرنے کے لئے تحریر کرنا حسب موقع اپنے قطعی موقف تک کو تبدیل کر لینا، جنہیں کافر کہنا ان ہی کے دسترخوان پر گیلے ہاتھوں آویزاں ہو جانا۔ رنگے ہاتھوں مقتول کی فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھانا، جفا سے توبہ اور زود پشیمانی کے پشیمان ہونے کا یہ انداز صرف پاکستان کی سیاست کو ہی زیب دیتا ہے جو قیام پاکستان کے مخالفوں نے ور غلا کر اغوا کر رکھی ہے۔ دوستی کے پردے میں سازش نہ ہو سکی تو اب دسیع تر اتحاد کی سُوجھی۔ وہ بھی دور کی نہ سُوجھی قریب تر کی سُوجھی۔ آنکھوں سے اندھوں کو تو دور کی سُوجھ جایا کرتی ہے کہ آنکھ بند ہو تو فاصلے گرفت میں ہوتے ہیں مگر عقل کے اندھوں کو قریب کی بھی سوجھ جائے تو داد دینا چاہیئے۔ یہ وسیع تر اتحاد اسی طرح کا ہو سکتا ہے کہ سردی سے کپکپانے لگیں تو کوٹ اور اوور کوٹ کا اتحاد کر لیں یا ہاتھ بغلوں میں دے کر دست و بغل کو متحد کر دیں۔ کوئی فکری تحریک سیاست کی دسترس میں نہیں ہے جو عوام کو مطمئن کر دے اور غیر مطمئن متحد ہوتے فطرت نے آج تک نہیں دیکھے۔ جس سنگ دلی سے قومی اتحاد کو پارہ پارہ کیا گیا اور پھر صوبائی عصبیتوں کی سیاست برپا کی گئی اس انداز سے تو کوئی نئے عشق کے لئے سابقہ بیوی کو بھی طلاق نہیں دیتا۔ اگر اب پشیمانی ہونے لگی ہے تو اتحاد کر لو۔ مگر حلالہ کر لو کہ طلاق قطعی کا اعلان عوام بار ہا سن چکے ہیں۔ بغیر حلالہ کے اتحاد ہوا تو کہیں طعن بن کر نہ رہ جائے۔ اس کی کوکھ سے

Marfat.com

پیدا ہونے والی سیاست محرومِ وراثت قرار نہ دی جائے۔ عروسِ اقتدار کے رقیب اغوائے اقتدار کے لئے مل بیٹھیں تو یہی تنازعہ نہ کھڑا ہو کہ سہرا کسے زیادہ سجے گا اور باجا کون بجائے گا۔ اتنے امیدوار تو حجلۂ عروسی کی بھی چولیں ہلا دیں گے۔ عوام اتنے بے خبر بھی نہیں۔ آپ کو نہیں معلوم تو ہم مطلع کرنے کی گستاخی کر لیتے ہیں کہ گلیوں بازاروں میں یہ سرگوشیاں جاری ہیں کہ یارو! جو لوگ پہلے پاکستان کے مخالف تھے اب آئینِ اسلام کے مخالف ہو کر مغربی، جمہوری، سیاسی عبادت گاہوں میں صفیں سیدھی کرنے کے لئے مصروفِ مشاورت کیوں ہیں۔ لوگ جو سیاسی النفاق کے سزا یافتہ ہیں، جن کے ذہنوں کا فکری انتشار روز و شب انہیں دردناک کرب میں مبتلا کئے ہوئے ہے، سوچتے ہیں، نظامِ مصطفےٰؐ کے داعی اگر دیرینہ آئینی تضادات کے محافظ بن جائیں تو پاکستان قلعۂ اسلام ہوگا یا اسلام قلعہ بند کر دیا جائے گا۔ بدیں حالات وسیع تر اتحاد کرو، فضاؤں کو ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا کے بَین الاپنے دو۔ مگر اس وسیع تر اتحاد کے بعد سمندر کا رُخ کرنا ہوگا یا دریا ہی کافی ہوگا، یہ فیصلہ ابھی سے کر لو کہ صحیح فیصلوں میں تاخیر ہی پہلے سیاست کو لے ڈوبی اور عوام کو بے دست و پا کر گئی۔ بر وقت غلط فیصلے کرنا ہماری سیاست کا ہمیشہ خاصا رہا ہے۔

وہ دستاویز جسے ہماری سیاست حصولِ اقتدار کے لئے آخری سہارا سمجھتی ہے۔ ایک جیتا جاگتا، رواں دواں سول چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہے۔ صوبائی خود مختاری اور کنفیڈریشن کی گمراہ کن تبلیغ کے بعد اس کو یا اس کے ذریعہ سیاست کو روبہ عمل لایا گیا تو یہ سول چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کپڑے اتار دے گا اور لنگوٹ کس کر سیاست اور وطن کے ساتھ وہی عمل کرے گا جو قصاب بکرے کے ساتھ کرتا ہے۔ ہمارے ہاں تو عام قصاب مارشل لاء کے قابو نہیں آسکا۔ سیاسی قصاب

Marfat.com

کو اس عمل سے کون روکے گا۔ اور پھر ایسے سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی فکری تخلیق کو کون لگام دے گا جس کی بانسری میں بنگلہ دیش منظور اور پاکستان نامنظور کے ترانے تڑپ رہے ہوں۔ جو قومی زبان بولنے سے انکار کر دیں، دشمن ممالک سے امداد طلب ہوں، تخلیق پاکستان کو سازشِ افرنگ قرار دیتے ہوں، جو دین کو وطنیت کے سڑاندھ دیتے ہوئے نالابوں میں غوطے دینے کے مرتکب رہے ہوں، جو حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی طرح اللہ کے دین کے حواری ہوں، ملوکیت کے دیدہ ور ہوں؟ اُن سے استحکام پاکستان اور احیائے اسلام کی توقع رکھی جائے۔ امام حسین علیہ السّلام کے مشکیزوں کو تاریکیِ شب میں کترتے ہوئے سیاسی چو ہے کیا آئینِ اسلام کے نفاذ کے ممد و معاون تسلیم کر لئے جائیں۔ ایسا کر لیا گیا تو عوام الناس نہ حامی بھریں گے، نہ مطمئن ہوں گے۔ خوشا! کہ وطن عزیز سے یہ آوازہ بھی بلند ہوا کہ عہدہ طلب نہیں کیا جائے گا اور اگر کیا جائے تو عمل سخت کی بھی ممانعت نہیں ہوگی۔ کیا یہ بُرا ہوگا کہ تمام سیاستدان متمنیانِ انتخاب فی الفور و در پردہ طالبانِ اقتدار و عہدہ و مرتبت و وسائل و چندہ وغیرہم بھی متفقہ اعلان فرما دیں کہ آئندہ ہمیں بھی امیدواری کی علّت لاحق نہیں ہوگی۔ اور اگر ہو تو ہمارے بھی منہ پر تھوک دیا جائے۔ جواب آں غزل نہ سہی، مصرعۂ ثانی ہی لگ جائے کہ بحالیٔ اعتماد کا کچھ سامان تو ہو۔ کہیں ایسی سیاسی چال نہ چل بیٹھے گا کہ لوگوں کا تھوک بھی خشک ہو جائے اور سیاست کا منہ بھی نہ رہے۔ یہ مشورہ اُس فقیر کا ہے جس نے بروقت دعوتِ اتحاد دی، قبل از وقت آگاہ کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر اگر خبثِ باطن کو راہ نما بنا کر کوئی بُرا از فتنہ و فساد عمل وارد کیا گیا تو منزل چھن جائے گی۔ فریقین نہیں ہوں گے، کوئی اور ہوگا۔ سیاسی تجربہ کاروں

Marfat.com

نے اسے ناتجربہ کاری جانا اور نمرودِ فکر عقل و دانش کو بالائے بام بھیج
اُس آگ میں ہاتھ ڈال کر نعرہ زن ہو گیا جسے کونی بردا" کہنے والا کوئی نہیں
تھا۔ اب بھی وقت ہے اتحاد کو وسیع کرو مگر یوں کہ ہر شہری اس کی وسعتوں
میں سمو جائے۔ متحد و متفق ہو کر مطالبہ کرو، کہ آؤ! صاحبان اقتدار، عہد کریں،
ہم میں سے کوئی عہدہ کا طلبگار نہیں ہوگا۔ آئین اسلام نافذ ہوگا۔ ہم سب
کے سب اور سارے کے سارے اسلام میں داخل ہوتے ہیں، رقیب بن کر نہیں،
دوست بن کر۔ حریف بن کر نہیں، حلیف بن کر۔ اسلام رہے اور مارشل لاء
نہ رہے۔ تو کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوگا، ماسوا اُن لوگوں کے جو یہ چاہتے ہیں
کہ پاکستان نہ رہے۔ یوں متحد ہو جاؤ، ورنہ پاکستانیوں کی یہ عادت ہے
کہ تھوکتے بہت ہیں، چاہے پان کھا کر ہی تھوکنا پڑے۔ یوں اگر اتحاد قائم ہوا
تو میں اور پوری قوم سیاسی فراست کا مُنہ چوم لے گی ورنہ سیاسی فضائیں مزید
گرد یاں ہوں گی کہ جو چال ہم چلے وہ نہایت بری چلے۔

Marfat.com

جُتّی لے دے ستاریاں والی

اے معالجانِ شفاخانۂ امراضِ سیاست، اے حکیمانِ سرجیب ودشنہ بکف، اے ماہرانِ عارضہ ہائے راشیاں ومرتشیاں، اے نبض شناسانِ گراں فروشاں، اے قاریانِ تیوران قانون کُشاں، اے آگاہانِ کارِ ذخیرہ اندوزاں، اے زمام کارانِ سیاست پابہ گریباں۔ اے مصنّفینِ احکامِ ارفع، اے مغیلانِ وادیٔ فکرِ آزاد، اے زندہ ہائے مُردہ بدست۔ اے! کہ تم جو تلاشِ یوسف میں برادرانِ یوسف سے مشورہ کناں ہو۔ حُسنِ یوسف کو زلیخا کی ہم حرص ہم جولیوں کی نگاہوں سے یہ کہہ کر پرکھتے ہو کہ دیدہ ہائے یعقوب تو نابینا ہو چکے۔ بُتانِ آزر سے نیّتِ نمرود دریافت کرتے ہو۔ عیاں فرعون سے پرسشِ احوالِ آلِ موسیٰ میں مصروف ہو۔ یوسفِ نجار سے تفسیر و تاویل "لم یمسسنی" پوچھتے ہو۔ مریم طاہرہ سے "خلقنا العیسیٰ کمثلِ آدم" کا محاسبہ کرواتے ہو۔ تاریخ بولہب بفرمائشِ ابوجہل تحریر کرواتے ہو۔ تسلیم کروانا چاہتے ہو کہ "ذبحِ عظیم" کا اشاراتی تعلق بینڈھے سے ہے، اسمٰعیل سے نہیں۔ زلیخا سے ہرگز نہیں پوچھتے کہ تو عقب میں کیوں بھاگی، یوسف کے کُرتے سے کہتے ہو تو پھٹا کیوں! اور پھر قمیصِ خون آلود سے نہیں، دامنِ وحشت گرفتہ سے 'دیدۂ یعقوب کی گریاں نابینائی کا علاج' اُسے روزنِ دیوارِ زنداں بنا کر کرداتے ہو جہاں

Marfat.com

کسی حاجرہ کو مصروف سعی اور اسمٰعیل کو ایڑیاں رگڑتے پاؤ۔ آب زم زم بی بی کو اسحاق و سارہ کو آواز دیتے ہو کہ حرمتِ امن خطرے میں ہے۔ اندیشے ظاہر کرتے ہو کہ تاحال ابراہیمِ بےخطر آتشِ نمرود میں کود جانے سے گریز و اجتناب کا قائل نہیں ہوا۔ جنگ بدر میں پیچھے رہ جانے والوں کی معصومانہ دوراندیشی پر دلیل لاتے ہو۔ واقعہ کربلا پر تحقیق مقصود ہو تو خنکیٔ آب فرات پر مقالے لکھتے ہو۔ حکمِ رجمِ ابلیس ہو تو ہاتھ روئی میں لپیٹ طواف کعبہ میں مصروف ہو جاتے ہو۔ تحقیقِ دانشِ عرفات مقصود ہو تو تم قربانی کے گوشت کے ضیاع کی نشاندہی سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔ شوق وصولیِ ناقۂ حسین کے لئے قیام کوفہ اختیار کرتے ہو۔ لباسِ فکر زنان زیبِ ذہن کئے، کبوتر ہاتھوں میں لئے منتظر ہو کہ شاید کوئی نورجہاں ادھر آنکلے۔ فہم و ذکا و دانش کی ہر ممتاز محل کو مشورہ دیتے ہو کہ تو داعیٔ قضا کو لبیک کہہ دے تاکہ ہمارے اذہان دنیا کا آٹھواں عجوبہ تعمیر کرسکیں کہ سیرگاہِ سیاحانِ عام قرار پائے اور لوگ ہرے راما، ہرے کرشنا پکارتے اس کے تختوں میں پوست کے پودے لگاتے رہیں۔ ہر غزنوی کو سومنات کے نیلام گھر میں لاکھڑا کرتے اور اُسے یقین دلاتے رہیں کہ بُت فروشی کارِ ناپسندیدہ سہی مابُت خریدنا تو فراستِ مومن ہے کہ بُت خرید لوگے، تو نہ بُت کافر کی تحویل میں رہے گا، نہ وہ اس کی پرستش کرے گا خواہ مخواہ الزام بُت شکنی اپنے سر کیوں لیتے ہو۔ سارے بُت اپنی تحویل میں لو۔ شاید کبھی نادیلاً پوجنے پڑیں۔ اے صانعینِ عقل عیّار مدینۂ مہاجر و انصار کے کیا مسائل تم نے حل کئے کہ ہجرت تقدس گنوا بیٹھی۔ انصار نصر کو ڈھونڈ رہے ہیں اور جس الف کو دیکھو ثانی ہونے کا وعدۂ دروغ لئے کھڑا ہے۔ عالم و مشائخ تو کجا شکیرانِ زبان اُردو تک اس قدر معتقدِ میکالے نکلے کہ ہر محفلِ ادب میں لیڈی کرزن چھن چھنا چھن ناچ اٹھتی ہیں اور نہرِ فکر کو لیڈی مونٹ بیٹن کے سکرٹ پر نقش پھول پتیوں سے بولتی ہوئی بہاریں سنائی دینے لگتی ہیں۔ تم نے جب بھی علاجِ شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ

Marfat.com

تجویز کیا، پختہ زنار ہونا ہی تجویز کیا۔ تم وفاداروں اور اطاعت گزاروں کو چادر کی حفاظت کی تلقین کی گئی تو تم نے ہر پگڑی اچھال دی اور دو پٹے سرکا لئے اور مزید تشریح فقہ یہ نکالی کہ بوقت تذلیلِ عصمت چادر اتار کر ایک طرف رکھ لینا ہی احترامِ قانون ہے۔ چار دیواری کو محفوظ رکھنے کی فرمائش ہوئی تو سارے شہتیر، تمام عماد گرا دیئے اور بعد از سلامِ فرشی باملاحظہ باادب ہوشیار رہو، عرض داغی کہ حضور چار دیواری سالم و محفوظ برائے ملاحظۂ خاص حاضر ہے۔ دورانِ اوقاتِ دفاتر تمہاری نماز باجماعت کے لئے مہیا شدہ لوٹے تمہارے منتظر ہی رہے مگر تم نہ لوٹے اور تمہاری فکر و دانش کی ظروف ساز "سوہنی"، کبابِ لحمِ مہینوال کی لذتوں کے چٹخارے لیتی، کنارِ چناب آواز دیتی رہی کہ کوئی مچھلی پکڑی ہو تو آؤں۔ کہ اب کسی مٹکے کے کھر جانے کا کوئی اندیشہ اس لئے بھی باقی نہیں کہ جب ہمارے صفِ اوّل کے نامور ادیب کی پختگیٔ خشت پر تحقیق اس امر کی ضمانت ہے کہ اب کسی غالب خستہ جان کی بھی چھت نہیں ٹپکے گی تو کسی گھڑے کے کچّا رہنے کا خدشہ، اس کے کچا ہونے کے باوجود بھی کیونکر جائز ہے.... تم سے آخر کیوں دریافت نہ کیا جائے۔ کیا تمہاری تربیت، تمہاری دانش، تمہارے تجربے، تمہارے پے سکیل، تمہارے اختیار سے بے اختیار کیوں نہ پوچھا جائے کہ تم جو "ہوا یخ" "کمروں میں ایستادہ" آدم بو، آدم بو، پکارتے رہتے ہو، تمہارے اس ذہن نے جس کو قابلیت مہیا کرنے پر قومی خزانہ کی کثیر رقم خرچ ہوئی اور ہر مرتبہ اور بالخصوص یومینِ عیدین پر ذہنِ نصابِ مملکت جمہوریہ اسلامیہ سے بھرپور شکست کیوں کھائی۔ اور ہوتے ہوتے لحمِ بز پچیس ۲۵ روپے فی کلو کیوں کر ہو گیا۔ دیسی گھی جو قبل از تقسیم برصغیر ایک روپے کا سوا سیر دستیاب تھا پینتس ۳۵ روپے سیر کیوں کر ہوا۔ یہ صورتِ حال کیوں برپا ہوئی کہ بروئے نسخۂ حکیم حاذق اگر مریض کو دن میں تین بار خالص دیسی گھی دور سے دکھانا ہو تو مریض مر جاتا ہے مگر یہ دستیاب

Marfat.com

نہیں ہوتا۔ کولڈ سٹور تعمیر کرنے کی تجویز واجازت مرحمت فرمانے والو! کریلے، ٹنڈے، کدّو، آلو، بھنڈی، ادرک، پودینہ بلکہ بینگن تک اپنے تھالی کے ہم عادتوں سے پوچھتے ہیں، اس سرسبز زراعتی ملک کی ہر سبزی تم سے سوال کرتی ہے کہ چوبیس ۲۴ روپے سیر کریلے خریدنے کے بعد مزدور اپنی محبوب بیوی کو زدوکوب کر بیٹھے تو کن نیم چڑھوں سے دوبارہ پرُسکون خانہ آبادی کی امید رکھے۔ لاہور میں مزدوری بجالانے والے کسی مزدور کی معمر والدہ اگر فیصل آباد میں بفضلِ بناسپتی وملاوٹ اشیائے خوردنی لبِ مرگ پہنچ جائے تو تمہاری لمحہ بہ لمحہ سفرِ آخرت کا پتا دیتی ہوئی ایکسپریس کا کرایہ وہ کہاں سے لائے۔ عام کپڑا بھی پچیس ۲۵ روپے گز بکوانے اور شلوار اور کرتہ کی سلوائی پینتیس ۳۵ روپے دلوانے والو! غریبوں کے بچے کیا بروزِ عید مزید ننگے نہ ہو جائیں گے۔ کھانا کھاتے ہوئے کتا اگر قریب آکر دم ہلانے لگے، بلّی اگر "میں آؤں" پکار کر اجازت طلب کرے اور گھر والی پکار اُٹھے کہ بوٹی نہ پھینکنا، تین روپے کی بنتی ہے۔ تو کتّے کو کیا جواب دیں، بلّی کو کونسا آرڈی ننس پڑھ کر سنائیں۔ بچہ جسے پیار سے ماں راجہ کہہ کر پکارتی ہے، جو کسی بھی ماں کے تصور میں کبھی نااہل، کم تعلیم یافتہ، کم مرتبہ نہیں رہا جسے فقیروں نے بھی ہزاروں پر قلم چلانے کا مژدہ سنایا، کسی درسگاہ میں، جہاں درس گاہ ہے اور فیس روزانہ ہوتی ہے، داخل کروانا ہو تو تخمینۂ اخراجات کس سے لگوائیں علیحدہ ٹیوشن کا انتظام کہاں سے کریں۔ کتابیں کُتب فروش کے ہاں سے چرا بھی لائیں تو انہیں اٹھانے کی تاب و توانائی کے لئے اس پروردۂ نیل، بناسپتی خور کو جس سرسوں کے تیل کی مالش لازم ہے اس کا بھاؤ سن کر ہی ہماری زبان فارسی بولنے اور ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں۔ جمعہ بازار کون جائے گا۔ گندم نہ ملے تو چنے، نہیں تو جَو، نہیں تو بُھس غنیمت است قرار دینے والے بزرگ اگر زندہ ہوتے تو ان سے ہی پوچھتے کہ سبھی قوتِ خرید کی دسترس سے باہر ہو تو پھر کیا کھائیں۔ تم سے کون پوچھے کہ تمہاری

Marfat.com

حد سے گزر جانا بھی تو جلد ؤہ کو دعوت دینا ہے۔ قوم کے خرچ پر گدّے دار کرسیوں میں گھُسے ہوئے لات وعزیٰ کی کھوکھلی آنکھوں میں کس کے دیدے آویزاں کریں کہ انہیں یہ دکھائی دے سکے کہ ایک زراعتی ملک میں دروازوں اور کھڑکیوں کو کیا چارپائیوں کے لئے بھی لکڑی مہیا نہیں، دیچول، بھی ٹھکوانا ہو تو چار اٹھنیاں درکار ہوں گی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ جس ملک میں معدنی لوہا نایاب ہے وہاں چارپائیوں اور گھریلو فرنیچر پر لوہا صرف کیا جا رہا ہے۔ شاید سٹیل مل کامیابی سے چلانے کی تیاری ہے۔ کیلے کا بھاؤ سنتے ہی نس قولنج پھول جاتی ہے۔ انار اور سیب تو واقعی ہیر سیال کے اعضائے حُسن ہو گئے ہیں کہ بارہ سال مولیشی نہ ہانکو تو چھونے تک کی اجازت نہیں ہوتی۔ افطاریوں نے وہ گُل کھلائے ہیں کہ اچھے اچھوں پر زکواۃ فرض نہیں رہی۔ اور جنہیں زکواۃ ملی، اُن کی برات تیسری سحری پر ہی توے کا مُنہ چڑانے لگی اور ٹیلیوژن کے پندونصائح سے ہی افطاری ہوئی۔ اب سامانِ عید کون سے بینک کی بلا سُود سرمایہ کاری کے ذمہ ہو گا۔ بھونکنے والے کتنے پر بھی جُوتا اٹھائیں تو ایک صد بیس کے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے کہ سرکاری "لیتر" تو پھر تھانوں میں ہی مہیا ہوتے ہیں۔ کوئی تو بتاؤ کہ کون سے کام بند ہوئے کہ وظیفہ خوار شاہ کو دعائیں دینے کی بجائے غالبِ خستہ کو بددعائیں دینے لگے کہ موئے کی طبعِ موزوں نے مار ڈالا۔ زندگی کی ہر قدر بے قافیہ اور وزن شکن بنا کر رکھ دی۔ وظیفہ ماہ بماہ اور مُرتشی روز آتے رہے۔ کس سے پوچھیں کہ تاجرانِ قوم نے یہ الجبرا کس کی میز کے سامنے بیٹھ کر سیکھا کہ ہر کلیرنس سیل پر شامان رکھنے کے لئے برگِ گل سے ہرا بھرا بنگلہ جام جمشید اور کلاہِ سلیمانی لئے ان کا منتظر کیوں رہتا ہے اور شہسوارِ اسپِ حکومت کو انکم ٹیکس کے قوانین میں ترمیم کی بات ... کی دہشت دلا کر کون لگائے رکھتا ہے۔ پرچون فروش کی دکان پر ... کانوں میں اسٹاک ایکسچینج کی صدائیں کیوں نہیں آتیں۔ کیوں نہیں جانے ... اذان ...

Marfat.com

جمعہ میں بندشِ سٹہ بازی پنہاں ہے کہ وُرُودِ اسلام سے پہلے یوم جمعہ تاجرانِ عرب کی جہالت وحرص و آز کی وجہ سے سٹاک ایکسچینج کی عشوہ طرازیوں کی نذر ہو جاتا تھا اور خلقِ خُدا گرانی کی چکّی میں پس جاتی تھی۔ جس نے یہ تجارتی جوا بند نہ کیا اس نے صرف جمعہ کو چھٹی کی۔ صرف یہی کہا، جاؤ! جمعہ کو چھٹی ہوئی۔ قومی تشخص کے اظہار کے لئے اچکن ضرور پہنیں مگر اچکن پہن کر اگر کوئی آزار بند کو لٹکنے سے منع نہیں کرے گا تو تمسخر سرِ بازار اُڑے گا۔ یہ کیا سانحہ ہے کہ مقتنہ جب بھی شلوار پہنتی ہے، عمّال شلوار میں بٹن ٹنکوا لینے اور رالاسٹک ڈلوا لیتے ہیں۔ انسان ننگے ہو رہے ہیں مگر دانشِ عیّار پر یہ راز کیوں نہیں کھُلتا کہ انسانی معاشرہ میں احساس عدم تحفظ ہی گرانی کا باعث ہوتا ہے۔ کیوں یہ نہیں جان پاتی کہ مایوس اور قنوطی انسان ہی جنسی جرائم کی طرف راغب ہوتا ہے، زنا بالجبر کا مرتکب وہی ہوتا ہے، جس کے ذہن میں اٹھتے ہوئے سوالات کے جواب میں کائنات گونگی ہو جائے۔ اعتقاد کمزور پڑ جائے، مجروح ہو جائے تو نفرت و انتقام کے لاوے پھُوٹ اٹھتے ہیں۔ کسی معاشرہ میں اعتقادی احکامات کو یوں روبہ عمل لانا کہ ان کے قابلِ عمل و تقلید ہونے پر شک ہونے لگے، انسانوں کے اعتقاد کے خلاف سب سے بڑی سازش، سب سے بڑا مذاق ہے۔ انسان کا مایوس ہو جانا ہی اس کا ابلیس ہو جانا ہے۔ وطن اگر انسانی وقار و عزت و توقیر کی حفاظت نہ کر سکے تو حب وطن مفقود ہو جاتی ہے۔ گھروں میں چولہے نہ جلیں تو سڑکوں کی روشنیاں دیکھنے کوئی نہیں نکلا کرتا۔ بھوکی مائیں چراغ خانہ سرِ شام ہی بجھا دیا کرتی ہیں۔ جب تک انسانی ہاتھوں سے خود اعتمادی سرک نہ جائے، کوئی سرقہ نہیں کرتا اور سرک جائے تو کروڑپتی بھی سرقہ کو عادت ثانیہ بنا لیا کرتے ہیں۔ اور حکومت جو عام چور کو قطع ید کا حکم سنا رہی ہوتی ہے، اپنے ہی چور کے سامنے ہاتھ جوڑ دیتی ہے۔ حکومت جن عمّال کی تربیت پر کروڑوں روپے خرچ کرتی ہے، ان سے کیوں نہیں پوچھتی کہ اے ہمارے چمکتے ہوئے متبرک ریالو،

Marfat.com

رواں دواں مقدس دینارو! مسائل معاشرۂ انسان کے خالقو! لوگ ٹریفک
کے معمولی معمولی قواعد تک کی پابندی سے بھی کیوں بازاور ممنوع رہتے ہیں" کچھ علاج اس کا
بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں"، اور اگر ہے تو تم بدا ٹھائے گئے حرج
کا زیادہ نہ سہی ایک چوتھائی کیوں وصول نہ کیا جائے کہ تم تو یہی بتاتے رہے کہ حضور
لوگ "منچلی آواز" نہیں سنتے۔ پیٹ جو بڑھا تو آوازِ بلند نصیبِ دشمناں ہوگئی۔ یہ لوگ
صرف "بڑک" سنتے ہیں۔ لہذا باوجود احکامِ امتناعِ استعمال، ہر چوک ہیں لاؤڈ سپیکر نصب
کروا دیجئے۔ تاکہ ہم چست پوش اچانک چلا کر باعث حادثات و سانحات بنتے رہیں
اور سامانِ روزیٔ عیال ہوتا رہے کہ نمک خواروں کا آپ کے خزانہ پر مزید بوجھ
ڈالنا ہم عزاداروں کی مروت کو زیب نہیں دیتا۔ جرائم بڑھ جائیں تو حضور سی۔ آئی۔
اے بنا دیجئے، کرائمز کی سپیشل برانچ لانچ بچھوا دیجئے۔ تشکیلِ ایف۔ آئی۔ اے سے
طرحِ "فالتو انصاف آمد" نکالیئے۔ کارپوریشن۔ ایل۔ ڈی۔ اے، واسا قائم کیجئے۔
پھر دیکھئے، دور کی کوڑیاں کیوں کر کھنکتی ہیں.... گناہِ معصوم کی زندہ دیویو! تم نے
صرف اسامیاں بڑھوائیں، علاج امراضِ معاشرہ تو کسی طور بھی نہ ہوا۔ اب حکومت
کیا منتیں کرے کہ بکریو! اپنا گوشت سستا کرو۔ کہ باوجود امریکی امدادِ اسلحہ کے
ہمارے اہل کاروں کے قابو میں دو چھریوں، ایک بکرے اور روزانہ چند قریبِ مرگ
بکریوں کو کشمکشِ حیات سے نجات دلانے والا ناجی قصاب نہیں ہے۔ سبزیو! تمہیں
اپنی طراوت و تازگی کا واسطہ ہمارے عہدہ داروں اور پالیسی سازوں کے پاس آڑھتیوں
اور پرچون فروشوں کی ریشہ دوانیوں کا کوئی علاج نہیں ہے کہ ہمارے افسروں نے
کبھی سبزی فروخت نہیں کی۔ لہذا تم منڈیوں اور دکانوں میں گلی سڑی شکل بنا لیا کرو
اور گاہکوں کی جھولیوں میں جاتے ہی تر و تازگی بکھیر دیا کرو۔ اے خوردنی تیل! تو انوکی
جھارا پہ ور رہو جا! کہ دیسی گھی اور تازہ و خالص دودھ بھینسوں اور گاؤں تے صرف

Marfat.com

اس خطائے بے ضرر کی وجہ سے ہم پر حرام قرار دے دیا ہے کہ ہم نے انہیں شہروں سے گوالہ کالونیوں میں ہجرت کا مشورۂ بے عمل دیا تھا اور اب ہم یہ سکیم بنا رہے ہیں کہ انہیں شہروں ہی میں رہنے دیا جائے۔ اور بجائے آوارہ گھومنے کی اجازت کے انہیں سواری کے لئے استعمال ہونے کا حکم دیا جائے تاکہ زرمبادلہ کی بچت ہو اور سرکاری تحویل میں لی گئی صنعتوں کا خسارہ پورا ہو سکے۔ اور "بے چارہ" وہ سرکاری افسر جو اس خسارہ کا باعث بنے! بوجہ گرانی وکساد بازاری اگر فیل سوار نہیں بن سکتے تو بھینس سوار تو ہیں، سورۂ فیل بھی وارد نہ ہو۔ اور ان سے کوئی یہ دریافت کرنے کی جرأت بھی جمع نہ کر سکے کہ حضور خسارہ کیوں ہوا۔ اور خسارے کے ان دنوں آپ کی حیثیت میں کس قسم کے کتنے اضافے ہوئے۔ بددیانت نیشنلائزیشن نے نیشن کیساتھ کیا کیا یہ نہ پوچھو۔ ناراض ہو تو واپس لو۔ کہ کسی نجی چیز کا سرکاری ہو جانا سرکار کے نجی ہو جانے کے بعد ہرگز جائز نہیں۔ کوئی ہے جو خدا و ندانِ صنعت سے یہ دریافت کرے کہ سیمنٹ شکر اگھی کے کارخانوں کی تعداد بڑھ جائے اور وہ ہوں بھی اُن کی تحویل میں، تو ان کی پیداوار کی قیمتیں کیوں بڑھ جاتی ہیں۔ ہر خود کفالت اطلس و کمخواب پہنائی ہوئی بیوہ کیوں بن جاتی ہے۔ اس کی ہر پیداوار نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز کیوں گنگنانے لگتی ہے مشینوں کی فراوانی ہو تو فرد گراں کیوں کر ہو جاتا ہے۔ افزائش نسلِ مویشیان و جانوراں کے کس ڈائریکٹر سے دریافت کریں کہ گھروں کے کوڑا کرکٹ پر پلتی تھی تو ارزاں تھی، پولٹری فارم میں پلی تو مرغی گراں کس نے کی۔ مرغا صرف اذان دینے کے دس روپے طلب کر رہا ہو تو اصل اذان کے دام کیا لگنے چاہئیں ...... ۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد کے دامن میں خواہشِ حصولِ اقتدار، نظام اسلام کے نفاذ اور قیمتوں کو ۱۹۷۰ء کے معیار پر لانے کے وعدہ کے سوا اور کیا تھا۔ حصول اقتدار کو حرص اقتدار کی کم فہمی نے آلیا۔ نظام اسلام کو سیاسی منافقتوں، رقابتوں، خود غرضی، اور لاعلمی کی نظرِ بد لگ گئی اور

Marfat.com

کسی مدعیٔ اقتدار سیاست دان کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ قیمتوں کی سطح کو موجودہ معیار پر لانے کے لئے کوئی ایک تجویز ہی پیش کرتا اور نہ ہی کسی کو یہ توفیق ہوئی کہ جن لوگوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ قیمتیں ۱۹۷۰ء کے معیار پر لائی جا سکتی ہیں، ان سے دریافت کرتا کہ یہ فقط نعرہ شاطرانہ تھا یا کچھ حقیقت بھی تھی۔ عوام کے مسلسل جان لیوا دکھوں کا کوئی مداوا نہ ہوا، بس کاروں کے ماڈل نئے ہو گئے، عمارتوں کو نئے ڈیزائن اور مزید آسائشیں میسر آگئیں، ساڑھیوں کے زردوز بارڈر مزید چوڑے ہو گئے۔ چوبار‌وں میں جوڑے اگر کلیوں کی بجائے گلاب کے پھولوں سے سجنے لگیں تو گلیوں کے بھوک سے بلبلاتے ہوئے ننگے بچے مسکرانے تو نہیں لگ جائیں گے۔ ماؤں کے دیدے بھوک سے پھٹنے لگے اور علاج صرف یہ باقی رہ گیا کہ نورِ چشم کو ویلڈنگ سیکھا کر بیرونِ ملک بھیج دو اور پھر ظہورِ دستگیریٔ قدرت دیکھو کہ وہ پلاٹ جو چند سال پہلے چند صد روپے سے خریدا جا سکتا تھا، لاکھوں میں خریدنے کی استطاعت کیونکر در آتی ہے۔ رنگین ٹیلیوژن دیکھو۔ فرقتِ لختِ جگر میں رونا رجعت پسندی ہے، دقیانوسیت ہے۔ بیٹے کی تصویر دیکھو، ٹیپ شدہ آواز سنو، اسے بیرونِ ملک اپنے ہی ملک میں تشدد پھیلانے کی تربیت دی جا رہی ہے تو کیا ہوا، زرمبادلہ تو آ رہا ہے۔ اپنی سرحدوں پر لاکھ خطرے منڈلائیں، فرزندانِ وطن کو تحفظِ تاج و تخت و سرحداتِ دیگراں کے لئے استعمال ہونے کے لئے نہ سہی، دیارِ غیر کی سرزمین کاشت کرنے کے لئے فارغ رکھو کہ دنیا سکڑ چکی اور ماسوائے ملکِ ما، "ہر ملک، ملکِ ما است کہ ملکِ یارانِ ما است" زمانے نے ثابت کر دیا کہ نہ کوئی نظامِ مصطفٰیؐ کے لئے مخلص تھا نہ ارزانیٔ آسائش ہائے زندگی کے لئے۔ حریصانِ اقتدار کی معاونِ حکومت کے باوجود نہ نظامِ اسلام نافذ ہوا نہ کسی باورچی خانہ کی چیں بجیں مٹی۔ جو اقتدار سے علیحدہ رہے، وہ نظامِ اسلام کے "الوکی" ہونے کا دعویٰ اور مغربی جمہوریت کا تقاضا کرتے رہے اور عوام سے

Marfat.com

کہتے رہے: "جُتی لے دے ستاریاں والی، جے توں میری ٹور ویکھنی" یہی تقاضا رہا کہ ہمیں اقتدار میں لانے کا بندوبست کرو۔ پھر دیکھو، ہر آنکھ میں سرمۂ ڈلوا، سفری عینک لگوا، ہر قمیص کو پاؤں تک پھیلتا ہوا جُبّہ بنا دیں گے۔ ہر جسم سے عروسی عطروں کی خوشبو دور دور تک یوں پھیلے گی کہ پوری دنیا چندہ لئے بھاگی پھرے گی کہ حضور ہمارے ہاں بھی تھوڑی سی تبلیغ اسلام فرما دیجئے۔ کہ تھیچر، ریگن، برژنیف سوزوکی تو کیا متونی ماؤزے تنگ تک اللہ کے حضور سجدہ کناں ہے کہ ایک بار ماڈرن شتر سوار اد کار سیاست کے دامنِ تبلیغ کو چوم آنے دے کہ ایسا خادم اسلام کہاں سے ملے گا جو یہ ضد کر سکے کہ صرف میں آؤں گا تو نظامِ اسلام لاؤں گا۔ اگر میں نہیں آؤں گا تو نظام اسلام بھی نہیں آئے گا۔ جب تک میں نہ آؤں، اسے ہرگز نہ آنے دینا اور اس کے بغیر اگر کوئی نظام اسلام لانے کی معمولی سی ملی جلی تحریک بھی —— کرے تو مغربی پارلیمانی جمہوری آئین کا یہ دستخط کنندہ فتوٰی عالمگیری کے نفاذ اور مغربی جمہوریت کی بحالی کا مدعی بن بیٹھے۔ دوسری طرف لاثانی اسلامی شاہ پرست، جمہوریت نواز، خلافت و ملوکیت کی موشگافیوں کے باوجود نفاذِ نظام مصطفےٰ کو مثلہ ثانوی قرار دیتے تحت مذاکرات سے اُٹھ کر پایۂ تختِ اقتدارِ افلاکی تھام لیں۔ فال نکلنے لگیں کہ پروردہ افرنگ پیر جدت نواز، بتا کر عوام کے منہ لگے بغیر ہم خواص کا ساحلِ اقتدار ۱۹۸۲ء تک تو بموجبِ علم نجوم چلے گا ہی، مزید عرض کریں تو کتنا طول کھینچے گا۔ اسلام کا نظام سیاست وحکومت برپا کرنا توان علمبرادرانِ تفسیر و فقہ متنازعہ کا حق سہی، کوئی تجلیٔ راز ہائے سربستہ پر اصرار کیوں کرے۔ لیکن یہ دریافت کرنے کی اجازت تو ہونا چاہیئے کہ باوجود بین الاقوامی گرانی کے اس شرح منافع کا جو تاجروں کے تین چار طبقے ملکی پیداوار صارف تک پہنچنے سے پہلے وصول کر لیتے ہیں، کیا جواز ہے۔ اور اوسطاً چھ گداگروں کا کیا کریں جو سرِ راہ "سبیل" پر پانی پینے کے لئے رُکتے ہوئے

Marfat.com

مسافر کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ ان کے وہ بچے کہاں سے تلاش کریں جنہیں بیرونِ ملک بھیج کر ان کی غربت کا علاج کیا جا سکے۔ سوچو تو! ملک اگر اپنے افراد کو روزگار مہیا نہ کر سکے تو کہاں کہاں برطانیہ جیسے نسلی فسادات کی نوبت آئے گی۔ ہم خطبۂ حجۃ الوداع کے نفاذ پر جائز اصرار کرتے رہیں گے۔ سر منڈے عیسائی اور یہودی ہمارے گھر جلاتے رہیں گے اور مسز تھیچر کی نصف بہتر ربڑ کی گولیاں چلاتی ہمیں "ماٹنڈ یور لینگویج" دکھاتی رہے گی۔ کیا سرکاری سرمایہ کاری، صنعتی اجارہ داری، بھاری کارخانہ سازی، ناجائز منافع خوری، ذخیرہ اندوزی، "استحصالِ آجر و ہنر مند، اسٹاک ایکسچینج، تجارتی سٹہ بازی، "نظامِ آڑھت" باعثِ گرانی حاضر نہیں ہیں۔ ان بدعتوں کا مستقل اور مؤثر علاج جس عالمِ دین کو معلوم نہیں، وہ طالبِ علمِ قرآن نہیں۔ اور اگر معلوم ہوتے ہوئے اس نے علماء کانفرنس میں بیان نہیں کیا اور شاید اُسے اپنے قاضی یا رکن مجلس مشاورت نامزد ہونے تک اُٹھا رکھا تو کیا روزِ حشر پندرھویں صدی کی اس عید الفطر پر اپنی خواہشوں اور تمناؤں پر پتھر رکھے ہوئے باعزت سفید پوش اور ان سے بھی پسماندہ افراد اور ان کے اہل و عیال روزِ حشر خالقِ قرآن کے دربار میں عرض نہیں کریں گے کہ بہشتِ شرابِ طہور و حور میں ان عطر آلودوں کو نہ بھیجنا کہ انہوں نے نہ صرف تیرے دین کو مخفی رکھا بلکہ آمدنِ چندہ پر بھی کبھی زکوٰۃ واجب قرار نہ دی۔ قسم ہے خالقِ قرآن و حدیث کی! اگر آج شرکت میانۂ حق و باطل منسوخ کر دی جائے تو عید الضحیٰ سے پیشتر تمام اشیاء کی قیمتیں ۱۹۷۰ کے معیار پر لائی جا سکتی ہیں۔ اگر نہ آئیں تو مجھے بد دعا دیں کہ بذریعہ تشدد پسنداں ہائی جیک ہو جاؤں۔

Marfat.com

مُشتری ہوشیار باش

صاحبو! فقیرِ پُرتقصیر، کہ نہ مدعیِ دانش ہے، نہ سزاوارِ سیاست۔ زندگی کے آخری ایّام کا گرفتار، گرتی ہوئی دیوار کا سایہ، نا معلوم کب اپنے ہی ملبہ تلے دب جائے، کیا خبر کون سی تحریر آخری قرار پائے، کون سی تقریر مُہر بہ لب ثابت ہو۔ صبح و مسا اپنی ہی فاتحہ خوانی کا منظر پیشِ نظر ہے۔ کاروبارِ حیات سمٹ رہا ہے۔ رختِ سفر بندھنے کے آثار نمایاں ہیں۔ پاؤں رکاب میں پھنسے ہوئے ہیں لگام ہاتھ سے چھوٹتی جا رہی ہے۔ کوئی ملنے آئے تو معلوم ہوتا ہے، عزادار افواہِ مرگ پر اعتبار کرکے بھاگا چلا آیا ہے۔ تنہائی ہو تو عالم نزع از خود طاری ہو جاتا ہے۔ دن میں کئی بار اپنے سے ہی دریافت کرنا پڑتا ہے۔ کہو! اچھے تو ہو، زندہ ہو۔ سامانِ سفر سوائے حذر کے کچھ اور بھی ہوتا تو شاید سمیٹنے میں دل لگا لیتے۔ جو کچھ جھولی میں ہے، نہ وصیّت کیا جا سکتا ہے نہ مالِ وراثت قرار پا سکتا ہے۔ اللہ نے جو دیا، ناقابلِ تفریق و تقسیم ہی دیا۔ زندگی فرقت شناسائی اور قسمت ستائی میں ہی کٹ گئی۔ نہ دوستوں سے کوئی گلہ ہے نہ زمانہ سے کوئی شکایت۔ زندگی خدا کو آوازیں دیتے تھک گئی، اب منتظر ہوں کہ کب خدا آواز دے۔ اس سہم کے ستم میں بھی عجیب کیفیت ہے۔ موت آنے میں دیر تو ہو گئی، اندھیر نہیں ہو گا۔ زندگی میں کسی غرض سے دوستی

Marfat.com

کی ہو یا کسی کو دشمن تصوّر کیا ہو، یاد نہیں آتا۔ پھر بھی بغیر کوئی عذر کیئے کوئی دلیل لائے، ہر لغزش ہر خطا، ہر سہو، ہر کوتاہی کے لئے غیر مشروط معافی کا طلبگار ہوں۔ جنہیں موت کے بعد معاف کرنا ہے زندگی میں ہی عفو فرمائیں۔ تو سے "جبیں پر عرق ہے وقتِ آخر آئینہ لاؤ۔ ہم اپنی زندگی کی آخری تصویر دیکھیں گے" کا لمحہ سہل ہو جائے۔ زمین پر بوجھ نہ بن جانے کی کاوش کے باوجود، کیا معلوم کتنی صدیاں مٹی کے بوجھ تلے دبا رہنا ہوگا۔ انسان زندگی میں ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا، مرقد پر بھیڑیئے بھی لیٹے رہیں تو خاموشی سے برداشت کر لیتا ہے۔ ہر چند کہ یوں تخیلاتی عالمِ نزع میں گرفتار ہیں مگر کیا کیجیئے کہ نظر پھر بھی حالات و وارداتِ زمانہ کی سمت اُٹھ جاتی ہے۔ آمدِ مرگ کا حُسن عالمگیر بہت دلکش ہے مگر حجلۂ عروسِ اقتدار میں سجائے ہوئے خود مستوں، ایوان اقتدار کے خواجہ سراؤں اور حرصِ اقتدار کے سگ پرستوں کے عہد آفریں غمزے بھی کوئی کم دل فریب نہیں اور پھر "نظر بند اقتدار"، جو رقیبانِ اقتدار کو کبھی نظر بند رکھے تو کبھی "نذر بند" کبھی ناز اُٹھا مارے، تو کبھی نیاز چڑھا دے، مرتے مرتے بھی دیکھنے کی چیز ہوتا ہے کہ داورِ محشر بھی دورانِ عرصۂ محشر اسے دیکھ دیکھ کر خلق کو دیکھے گا۔ پاکستان میں ذاتِ بے ہمتا کی سروری کو غصب رکھنے کے لئے ایسے بتانِ آزر نے جو سیاسی عشوہ و ناز و ادا روا رکھے، اُن کی خود سری نے کتنے آیئنے یوں شکستہ کیئے کہ نگاہِ آیئنہ ساز تک میں مکروہ قرار پا گئے۔ ایک ناگفتہ بہ داستانِ طویل ہے۔ بات کریں تو وہ افراد مزید مُبہم ہو جائیں گے، جنہیں بفضلِ حق اپنے نام کے گرام اور صرف و نحو کے سہو سے آگاہی تو نہ ہو سکی مگر مارون گھٹنا پھوٹے آنکھ کے عوامل برپا کرنے میں ماہر ہو گئے۔ چھپنے والی شے تھے مگر شومئے قلم ہی جانیئے کہ چھپنے لگے۔ جلوتوں کے

Marfat.com

مایوس، کاش خلوتوں کو اپنے خالی اذہان میں محفوظ رکھتے تو خود ساختہ بیزاری ان کا مقدّر نہ ہوتی۔ قلوب پر جو مہریں سکّوں کی چکا چوند نصب کیا کرتی ہے وہ ازل سے ہی اذہان کے تپش خانوں میں تپائی جاتی رہی ہیں۔ کائنات کی جملہ تخلیقات پر نگاہ ڈالیں تو سلّمو اتسلیما کہ اس نظام میں انسان ہی ایک ایسی تخلیق ہے، جس میں غیر مسلم بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ انسان ہی ہے جو لمحاتِ پیدائش و موت پر کوئی قدرت رکھے بغیر انتہائی خود سری سے اپنے لئے معروف و نہی خود تجویز کرتا ہے اور ضوابطِ کائنات سے باغی ہو کر کبھی مادر آزاد بن جاتا ہے کبھی پدر برہنہ۔ اور اپنی ہی حاکمیت کے قیام کے لئے وہ سیاسی عمل برپا کرتا ہے، جیسے کوئی سربراہِ خاندان مادر زاد برہنہ، خواب گاہ سے نکل' صحن میں آکھڑا ہو اور گرجنے لگے، کہ بے شرمو! دیدوں کا پانی پی گئے ہو کیا؟ نگاہ پست کرو اور خلعت لاؤ کہ دربارِ شاہی میں خالی تخت مابدولت کے انتظار میں ہے۔ میرے عقب میں چلو۔ اپنے احساسات و جذبات و عقائد کو میرے ہی اشاروں کے تابع کرو کہ تمہاری سالمیت و عافیت میرے ہی قدمِ بے دم سے ہے۔ میری حاکمیت کے نفاذ کے لئے مجھے زندہ باد کہتے بے نام راہوں پر مارے جاؤ تاکہ تمہاری مجروح نعشوں کے واسطہ سے تحریک کو متحرک رکھا جاسکے۔ میں تمہارا خون آلود کفن دکھا کر کثیر رقوم برائے اجرائے سیاستِ خود جمع بھی کر لونگا، انسانوں کے مسکن بھی جلواؤں گا۔ کرائے کے قاتلوں کے ہاتھوں فرزندانِ وطن کے لاشے تڑپ جائیں گے۔ میری حکمرانی کے قیام کے لئے بیٹے اپنی ہی ماں کی کوکھ میں خنجر نہ گھونپ دیں، باپ کی کمر توڑ کر نعرہ نہ لگائیں، کہ ابّا! تم نے اپنی لاٹھی کا کمال دیکھا تو پھر، اے میرے سیاسی کارندو' اور پیروکارو! تمہارے جلسہ کروانے اور میرے صدارتی خطبہ اگلنے کا مصرف ہی

Marfat.com

کیا ہوا۔ میں وہ بساط بچھاؤں گا کہ تمام صوبے میری صوابدید کے محتاج ہو جائیں گے۔ میں محرومیاں اجاگر کروں گا، مایوسیاں برپا رکھوں گا۔ گھر گھر پالتو سیاسی بلیاں بسا دوں گا۔ جو زبان کے تحفظ کے لئے ریتیاں چاٹنے کا فن سکھاتی رہیں گی۔ نسلی امتیاز کو یوں سیاست کا طرۂ امتیاز بناؤں گا کہ خطبہ حجۃ الوداع (نعوذ باللہ) کبھی کبھار رفقط بیان کرنے مگر کبھی بھی عمل میں نہ لائی جانے والی عبارت بن کر رہ جائے گا۔ سیاسی صوبائی توازن قائم رکھنے کے لئے وہ بازی گری دکھاؤں گا کہ اللہ کی رسی کو پکڑنے کی بجائے اس پر کھڑا ہو جاؤں گا۔ سر پر یوں گھڑا رکھوں گا کہ لوگ جانیں اس میں میرا سیاسی دماغ ہے، یہ میری سیاسی دانش سے لبریز ہے۔ ہر تماشا گری کے بعد، اپنے کمالِ فن سے متحیر لوگوں کے روبرو جھولی پھیلا دوں گا کہ مہربانو! جان کی بازی لگائی تھی، داد تو دی ہے امداد بھی تو ہو۔ جمہور کو بے حال کر کے جمہوریت کی بحالی رانڈ کے سر پر سرخ دوپٹہ ڈالنے کا عمل ہی سہی، مگر بیوگی کو افتادِ طبع کا دل دادہ بنا دینے کے فن کی داد بھی تو دو۔ میں قائداعظمؒ کا مخالف تھا مگر لڑکوں کے لگائے ہوئے نعرۂ لا الٰہ الا اللہ کا تو مخالف نہیں تھا، زمین پر ناجائز قبضہ کر کے مسجد تعمیر کرنے کا مخالف تھا۔ مسجد تعمیر ہو گئی تو مجھ سے زیادہ امامت کا حق دار کون ہو سکتا ہے کہ مسجدِ ناجائز پر "ناجائز" قابض نہیں ہوں گے تو کیا دَیر کی دربانی کریں گے۔ اگرچہ پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھا، پاکستانیوں کے گناہوں میں شرکت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ شریک ہی نہیں رہا، راہ نما بھی رہا ہوں۔ ایسے گناہوں کی اکثریت چونکہ میرے نام درج ہو چکی لہذا حکمرانی میرا جمہوری حق ہے، جس سے انکار کیا گیا تو باقی ماندہ تمام تر پاکستان کو محرومیت کی دیوارِ گریاں بنا کر رکھ دوں گا۔ اگرچہ پاکستان کی ایک بھی جمہوری حکومت ایسی نہ ہوگی جس

Marfat.com

کی ہیں نے مخالفت نہ کی ہو۔ اور ایک بھی مارشل لاء ایسا نہ ہوگا جس کی ہیں نے راہ ہموار نہ کی ہو، یا خوش آمدید نہ کہا ہو۔ مگر یہ تو محض ادبیانہ سہو تھا، سیاسی مبالغہ تھا، اخلاقی غلو تھا۔ دراصل لوگ لا الٰہ الااللہ پکارتے ہی اسی جوش وجذبہ سے ہیں کہ انسان بے سُدھ ہو جاتا ہے۔ اب کے تو بہت دیر بعد یہ راز کھُلا کہ مارشل کے ساتھ "لا" عربی نہیں انگریزی کا ہوتا ہے۔ بس ایک لغوی چوک ہوگئی تو مسلسل مار پھٹکار سے ہم بھی کچھ کم شل نہیں ہوئے۔ معاونت کی سزا بھگت چکے، تعاون کے مزے کسی اور کا حق کیوں ہوں۔ عوامی لیگ کے بنگلہ بندھو سے بھائی بندی تھی تو کیا ہوا، سقوطِ مشرقی پاکستان کا تعیّن ہونے لگا تو کیا ہم نے تمام بندھن اس انداز سے نہ توڑ دیئے کہ طوطے انسان چشم ہونے کا طعنہ دینے لگے۔ اپنی حاکمیت کا شوکیس بنا سجا کر عوامی کے انگریزی ترجمہ پیپلز کے راستے میں دیواریں لگا اور دریچے کھسکا ہم یا حیّ، یا قیوم کے وردمیں معروف تھے۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ بجلی تاک میں بیٹھا ہے اور انتخابات کے نتائج کو بالائے طاق رکھ کر وہ کچھ کر جائے گا جو اُس کے ہم پیالہ بعدہٗ اس کے ساتھ کر گئے کہ نوالا تر رہا اور پیالہ سوکھ گیا۔ آئینِ پیغمبرؐ کے نفاذ کے مطالبہ کو جن جان جوکھوں سے ہم نے بندوں کی حاکمیت کی بحالی کے بلند بام و تیز گام نعروں میں ڈھالا، اگر کش کے عادی نہ ہوتے تو کشتۂ سوختہ ہو گئے ہوتے۔ ہمار[ی] اعتدال پسندی کو عنوانِ تاریخ بناؤ، کہ ہم نے بھیرے ہوئے بَینوں کے آہ و کرب کے دور میں وہ بِین بجائی، کہ پاکستان کی وہ آستین جو بازو کٹ جان[ے] کی وجہ سے فالتو ہوگئی تھی، سانپوں اور سپولیوں سے اٹ گئی۔ ہم نے اس ہوشیاری سے الزام تراشے کہ ہماری معاونت سے محروم دستِ بالا کو حر[ف] سلام کے الفاظ ازسرِ نو ترتیب دینا پڑے۔ ہم نے زیرزمین عقائد دوز[خ]

کو افواہوں کے وہ مذموم سہارے دیئے کہ یوسوس فی صدور الناس کے خناس نے بھی ہاتھ کھڑے کر دیئے، کہ روزِ ازل اگرچہ سجدہ سے انکار کر دیا تھا، تجربہ و مشاہدہ کے زیرِ نظر ہزار سجدے بھی کہو تو بلا گریز و اکراہ تیار ہوں۔ یا حیُّ کا ورد اگرچہ ناکام رہا، مگر فقط قیوم ہی دونوں طرف اپنا کام دکھا گیا، بمگر وائے! کہ ہم پھر مات کھا گئے۔ سیاست فراست سے پٹ گئی۔ آنکھ کھُلی تو دیکھا کہ ہماری بساط اُن کے ہاں بچھی تھی اور ہم شاطر کی بجائے مُہرہ بن چکے تھے۔ اب کے جو چوٹ ہم پر پڑی ہے، اس سے تو ہمیں بھی احساس ہونے لگا ہے کہ ہم توبے پایہ سیاست دان ہونے کی بجائے بلند آہنگ ڈنکا ہیں۔ دینی استحصال کی غرض سے ہم نئی تحریک کے لئے جو پٹ کھول رہے تھے، وہ تو الٹے ہم پر ہی کھل گئے اور ہماری سیاسی شرارت چوپٹ پڑی نیم بے سُدھ سوچ رہی ہے کہ اب کیا کروں۔ جنہیں جھُوٹ سے متاثر کر لیا تھا، ان کو کیا منہ دکھاؤں، اور اپنے قد کو کس کی چادر میں چھپاؤں۔ اب سوائے بے نیّت مفاہمت اور رنگِ رنگین سے سیاستِ زنگ آلود کو از سرِ نو چمکانے کے اور کوئی چارۂ کار بھی تو باقی نہیں رہا، کہ نظامِ مصطفٰےؐ کے سادہ میر روتے روتے سو گئے۔ جو فقط نعرہ کو مقبولِ عوام جان کر صفوں میں آ کھڑے ہوئے تھے، قشقے دکھلاتے پھر رہے ہیں کہ لو! ہم نے ترکِ اسلام کیا۔ کچھ یہ کہہ کر چلتے بنے کہ رات بہت تھے جاگے، صبح ہو چکی چلتے ہیں، کسی فیڈرل ہاؤس میں آرام کریں گے۔ کچھ در بدر ہو گئے اور کچھ دیس بدر۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے ایک ہمی نامور تو ہیں اور لیکار پر آ گئے ہیں۔ لیکا ڑا جو جی میں آئے کرے۔ مگر پاکستان کے معصوم بابیو! یہ معاہدہ بیع بیعانہ طلب ہے۔ جو پرکار یہ معاہدہ کروا رہا ہے، وہ ہوشیار سود خور قرضدار ہے، جو بہی کھاتہ پر قرضِ محبت کی قینچی سے، تحریر رکھتا ہے۔ پابندیاں اٹھانے

Marfat.com

اور پابندیاں لگانے کا حالیہ عمل اپنی تاریخ کے ان عنوانات کے ابواب کے لئے حقائق و نتائج تلاش کرے، کہ جن لوگوں نے تقدسِ ختمِ نبوّت کو عملاً محفوظ کیا ان کا صلہ کیا ہے۔ اور جو آئینِ اسلام کے نفاذ کو مؤخر بنانے کے لئے ایک سیاسی حربہ کے طور پر اسے استعمال کرنے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے تھے، اُن کا مقدر کیا ہوگا۔ عجیب اتفاق ہے کہ جو سازش بیرونِ ملک اپنے ماخذ قائم کئے ہوئے تھی وہ بھی پکڑی گئی اور جو پرکاری اندرونِ ملک برپا کرنے کے ارادے تھے اُسے بھی "ٹھپی" لگا کر گراہی دیا اور گھومنے پھرنے کی اجازت بھی دے دی۔ اگرچہ "ٹھپی" کافی نہیں تھی، پٹخنی درکار تھی کہ دو شانی ہوتے ہوئے بھی چاروں شانے چت گرتی۔ بہرحال پابند آزادی اور سیاستِ کالعدم مبارک ہو۔ صرف اتنا بتا دیجئے، مجوزہ قومی حکومت میں قیامِ پاکستان کے مخالف سیاست کاروں کی تعداد کتنی ہوگی، اور آئندہ دستورِ پاکستان میں خودکشی کے کتنے نئے طریقے درج کئے جائیں گے۔ سازش ہماری عادت ہے، شرارت ہماری فطرت ہے، اور مارشل لاء ہماری قسمت ہے کی بنا پر سیاست نو کی اجازت مرحمت ہو جائے تو کیا تمام سیاسی و غیر سیاسی وقتی تقاضے پورے نہیں ہو جائیں گے۔ کھیلنا مگر کُھل کر نہ کھیلنا سیاسی زندگی کا طرۂ امتیاز سہی، بندر اور ٹوپیوں والے کی کہانی غیر سیاسی سہی بندر بانٹ تو سیاست کا جزو لاینفک رہی ہے۔ مذاکرات نہ سہی، موافقت کے دروازے تو کُھلے ہیں۔ تخت یا تختہ آمریت ساختہ کہاوت ہے۔ جنازہ ہی کی چارپائی سہی۔ بستر کھولئے۔ تکیہ لگائیے۔ اور ٹیک ہو یا نہ ہو ٹیک لگائیے اور اعلان فرما دیجئے کہ ہم تخت نشین ہو گئے، جمہوریت بحال ہو گئی لہذا بندوں کی درخواست پر

Marfat.com

بندوں پر حکومت کرنا قبول فرماتے اور اعلان اوّل داغتے ہیں کہ مشتری ہوشیار باش، کہ سیاست نہیں مادرِ وطن زیرِ فروخت ہے۔

Marfat.com

کچھ ہم سے سُنا ہوتا کچھ ہم سے کہا ہوتا

قلب و ذہن، فکر و احساس کے تضاد میں مثلِ پرندِ بے پَر، بال بال جکڑا ہوا، اساسِ دانش سے بے بہرہ و نابلد معاشرہ مادرِ وطن کے سینے پر مولودِ بے جان کا بوجھ بنتا جا رہا ہے۔ سیاستِ بے فراست بوجۂ سیاست کاری اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتیں بھی اقتدار کے سٹہ بازار میں داؤ پر لگا چکی ہے اور خسارے تفریق کرتے کرتے نکتہ داں ہونے کی بجائے نقطہ ساں ہو کر رہ گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر قومی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی اور جزا کیا ہوتی، کہ نکتہ نابینی در بدر نقطہ دکھاتی پھر رہی ہے مگر کہیں سوئم فاتحہ خواں ہوتا ہے تو کہیں چالیسویں کی چادریں دراز ہو رہی ہوتی ہیں۔ غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے دکھاتے اور منہ سے کچھ نہ بتاتے ہوئے سیاسی اداکار کوچۂ رقیب سے سر کے بل ہو آئے مگر ہر دروازے پر یہی تحریر پایا کہ مغلوبِ خستہ کے بغیر کوئی بھی کام تو بند نہیں۔ ہر سبزہ خط کے در و دیوار پر سبزہ اُگ رہا ہے تو کیا ہوا۔ دشت کو دیکھ کر گھر کا یاد آنا کوئی بُری بات تو نہیں۔ چادر و چار دیواری کی حفاظت حکومت کے ذمہ آ لگی ہو، تو صحرا نوردی میں کیا خطا ہے۔ لوگ تو خطاوار نہ ہونے کی خطا پر بھی پِٹ جاتے ہیں، ہم رنگے ہاتھوں پِٹ گئے تو کیا ہوا۔ تعمیرِ فکر اس قدر بودی ہو چکی کہ سیاسی

Marfat.com

بیانات پڑھو تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی رنڈوا پڑوسن بیوہ کو خضاب لگانے کے نوایجاد طریقے بتا رہا ہو، جیسے کوئی داشتہ ضرورت رشتہ کا اشتہار شائع کرنے کے دام دریافت کر رہی ہو۔ میاں مٹھو چوری مانگ رہا ہو۔ جیسے کوئی بلبل نوحہ کناں ہو کہ طاقِ قفس کھلا رہ گیا ہے، ہر شاخِ گلستان پر اونگھتے ہوئے پہرہ دار، کوئی درندہ میرے قفس میں گھس آیا تو پنجرے کا کیا ہوگا۔ جیسے کوئی پاگل مہتمم کو للکار رہا ہو کہ تم نے اپنے حواس بجا نہ کئے تو ما بدولت تالی بجائیں گے اور ہمارے خواجہ سرا " بندہ ہے کوچہ گرد ابھی خواجہ بلند بام ابھی " گنگناتے ہوئے آئیں گے اور طبل تک تمہارا ہاتھ پہنچنے سے پہلے اپنا طبلہ تمہارے گلے میں ڈال ہمیں تمہاری کرسی پر بٹھا دیں گے۔ قدم قدم جائے ماندن ہوگی اور پا در پا رفتن کی گھنگھریاں بجنا شروع ہو جائیں گی۔ تو بے حال ہو کر آئین بحال کر دے گا، انتخاب ہوں گے اور آہا جی آہا! اس کے بعد مُت ہماری ہوگی اور حکومت تمہاری ہوگی۔ سیاست کا جمعہ بازار لگے گا، دلوں کو پیغام فتور یاد آ جائے گا۔ ہر پیالی رنگین بطن ہو جائے گی اور چمچے جل ترنگ بجائیں گے۔ اس لئے جان لے، اور آنکھ بند کر کے مان لے کہ کی "فقط ہم" سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں۔ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں، اور اگر تو نے حواس بجا رکھے تو اپنا ہی کچھ بگاڑے گا۔ ہم اسی تنخواہ پر کام کرنا شروع کر دیں گے، جو ہمیں قیام پاکستان سے پہلے نیشنلزم کے صنم کدوں سے ملا کرتی تھی۔ ہم لاکھ پاگل جانے جائیں، ہم نے آم کھائے ہیں، گٹھلیاں ضائع نہیں کیں۔ ہر دیوانہ بکار خود ہوشیار ہوتا ہے، سو ہم بھی ہیں۔ دریائے سندھ کا تو پاٹ وسیع تھا اور پانی گہرا تھا۔ ہم نے مگرمچھ چھوڑے، ڈوب گئے۔ لاکھ آنسو بہائے مگر اس کی سطح بلند نہ ہوئی۔ اب ہم راوی و چناب کو آزمائیں گے۔ ہماری عجم ساز بوتلوں میں جتنے دیو بند ہیں، انہیں ہم بریلی کے بانسوں پر الٹے لٹکا کر ڈرانے والوں

Marfat.com

کے لئے تحریف و تفریق کے وہ ماہرانہ کرتب دکھائیں گے کہ گلی گلی "عش عش" ہو گی اور گھر گھر عطش عطش پکار اٹھے گا۔ ہمیں متفقہ اسلام نہیں چاہیئے۔ ہم نے اسلام کا رشتہ مغربی جمہوریت اور سوشلزم سے یونہی نہیں جوڑا تھا۔ ہمیں ماوزے تنگ کی طرح تضادات سے تغیر پیدا کرنا مقصود تھا۔ تو اُن تضادات کو ختم کرے گا تو ہم اسلام کو اختلاف کی نذر کر دیں گے۔ نہ نظر ہو گی نہ نظریہ رہے گا۔ ہم اس سجدے کے روبرو ہزار کھمبے کھڑے کر دیں گے جو ہزار سجدوں سے نجات دلانے کا دعویدار ہے اور ہر کھمبے کو وقت قیام آنے پر یوں سجدے میں گرا دیں گے کہ ہر محراب مسجد میں یا کوئی ہلاکِ جادوئے سامری جلوہ افروز ہو جائے گا یا قتیل شیوۂ آزری آ لیسے گا۔ ہر کعبۂ دل کے پاسبان کو ذہنی صنم خانوں کے محکمہ اوقاف کا ملازم قرار دے دیا جائے گا۔ ادھر تسبیح کے دانے بکھیر دیئے جائیں، اُدھر زنار پوشوں کو حیٌ، حیٌ کہا جائے گا، کہ دیکھو، اعتقادِ مسلمان اور نظریہ پاکستان کی کلیرنس سیل لگی ہے۔ جو شرابی، زانی، سمگلر، وطن دشمن کو اہل الرائے نہیں گردانتا، اُس پر یہودی امداد کے جو دروازے بند ہو جائیں گے، ہم میرے مولا مدینے بلا لو مجھے کی صدائیں لگاتے اُنہی کا رخ کریں گے اور یوں آہستہ کُھل جا سِم سِم پکاریں گے کہ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو گی کہ ہم نے کیا کہا۔ ہر صیہونی سے سرگوشی میں کہیں گے، غیروں سے کہا تم نے، غیروں سے سنا تم نے۔ کچھ ہم سے کہا ہوتا، کچھ ہم سے سُنا ہوتا۔ تو ہم بتا دیتے کہ لفظاً اسلام سے یوں ہراساں ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ کس کی مجال ہے کہ تمہارے سرمائے اور نظام سرمایہ داری سے جان چھڑا سکے، جب تک تمہارا طریق انتخاب نافذ ہے۔ بس تم فقط یہ مطالبہ کرو کہ انتخاب کراؤ، باقی ہم سنبھال

Marfat.com

لیں گے ۔ اس کی بھی پروا نہ کرو کہ وہ جماعتی ہوتا ہے یا غیر جماعتی ۔ جب تک تمہارے نظامِ سیاست کا لگایا ہوا یہ پودا پھل دیتا رہے گا، جو آم بھی ٹپکے گا، ہماری جھولی میں ہی ٹپکے گا ۔ جو انتخاب سرمائے کے بل بوتے پر لڑا جائے گا، جو جماعت سازی دام و درہم کی محتاج ہوگی، اُس کی قلمرو میں فقط قارون کے اونٹ ہی کروٹیں بدلیں گے، فقط فرعون ہی کی خدائی ہوگی ۔ ہر صالح لاکھ علیہ السّلام ہو، اس کی اونٹنی ذبح نہیں بھی ہوگی تو کونچیں ضرور تڑوا بیٹھے گی ۔ جب تک اصول عہدہ طلبی اور رمز تبنت کے لئے دھم جوئی کارفرما رہے گی، ہماری اجارہ داری محفوظ ہے ۔ بس یہ اہتمام رہے کہ اسلام کا اصولِ مشاورت و بیعت واضح نہ ہونے پائے ۔ مشاورت کے لئے انتخاب ہوتے رہیں، انتخابی امیدواری کو بانجھ پن نہ آئے، پھر بھی کوئی خطرہ نہیں، اگر کہیں مشاورت کے ذریعہ انتخاب کا عمل جاری ہو گیا تو ہمارا ہر فرعون غرق ہو جائے گا ۔ اگر مشاورت سے یک جہتی و یک سوئی کے ذریعہ اختلاف مٹا کر اصول بیعت رو بہ عمل آگیا، تو جانو، کسی نے عصائے موسوی پھینک دیا ۔ یوں ہوا تو ہمارا ہر سانپ رسّی بن کر ہمارے ہی گلے کا پھندہ بنے گا ۔ مغربی جمہوری طریقِ انتخاب کے ہوتے ہوئے تحریف شدہ قرآن ارسال کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی ۔ ہم جو چلتی پھرتی جیتی جاگتی مسلسل و متواتر تحریف ہیں، پھلتا پھولتا الحاد ہیں ۔ جو مال ہو ہم پر لگا، امداد بند نہ کروا ۔ ہم سے پوچھ، اس امداد کا صراطِ مستقیم کیا ہے ۔ ہم مسجد میں کھڑے ہو کر بھی وہ کچھ کر سکتے ہیں جو ابولہب سے نہ ہو سکا، ابوجہل نہ کر سکا ۔ ہمیں قاضی الحاجات ارسال فرما، ہم تیری فکر کے الف سولہ ثابت نہ ہوں تو طعن دینا، کہ تم سے تو دلقِ اویسؓ و چادرِ زھراؓ

نہ بک سکی۔ میری فکر کو کیا فروخت کرو گے۔ اپنے ہی یہودیوں سے سرمایہ داری کے خلاف کمیونسٹ انقلاب برپا کروایا جاسکتا ہے تو مسلمانوں سے اسلام کی نفی کیا کوئی مشکل کام ہے۔ مسلمان تو غدار بھی ہو تو بھی بڑا قابلِ اعتماد ہوتا ہے۔ تیری فکر تو پھر لکاؤ ہے، اسے عام کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ یار لوگوں نے تو بھرے بازار میں بارہا خدا کو بھی بیچ ڈالا ہے۔ اور یہ متوسط طبقہ، اس کے دامن میں سوائے توسط کے اور رہے ہی کیا۔ اسے تو پڑاؤ کا پُل بن جانے کی لت ہے۔ یہ راہرو کو پہچاننے کا عادی نہیں، راہبر ماننے کا عادی ہے۔ بس ایک اسلامی اصول مشاورت و بیعت کا علاج درکار ہے۔ اُسی طرز کا، جو تیرے یہودی مفکر نے لیس للانسان الا ماسعیٰ اور قُل العفو کا تلاش کیا تھا کہ اُخوّت و مساوات و حرّیت کی تمام تعمیری راہوں کو اللہ، اخلاق، فرد اور خاندان کی نفی کر کے اُن خونیں انقلابات کی راہوں پر ڈال دیا کہ صرف انسانوں کے جسم اور اعضاء کی سعی باقی رہ گئی، انسانوں کی ذات "مینوں لے چلے بابلا لے چلّے وے"، چلّاتی نہ معلوم کن اتھاہ گہرائیوں میں گرا دی گئی کہ لاکھ تلاش کرو ملتی ہی نہیں کہ مٹ جانے کے نشان بھی تو مٹاتی چلی گئی۔ مسلمانوں پر انتخاب بربنائے مشاورت اور بعد از مشاورت عمل بیعت کے بنیادی اصول اگر کہیں واضح ہو گئے اور یوں اللہ تعالیٰ کے اہل کاروں نے احکامِ خداوندی کے نفاذ کے ذریعہ اللہ کی حاکمیت قائم کر کے زمانے کو اسلام کے فکری و قلبی انقلاب کی راہِ فکر و عمل سے آگاہ کر دیا۔ تو نہ صرف یہ کہ تیری بساطِ سیاست پر کوئی مہرہ باقی نہیں رہے گا، سمرقند و بخارا پر بھی تیری میری

Marfat.com

دسترس باقی نہیں رہے گی ۔ الحذر کہ کائنات میں صرف انسان ہی منکرِ الٰہی ہے۔ یہ معتقد ہوگیا، تو ہائے ہم پاکستان میں کہاں رہیں گے ۔۔۔۔!

Marfat.com

فقیرانہ آئے صدا کر چلے

آزادیٔ افکار کہ ایجاد ابلیس ہے، ماسوا الحاد کے اس کی کوکھ سے کسی اور فکر نے آج تک جنم نہیں لیا۔ متصادم حالات پیدا کرنا اور تضادات سے تغیّر برپا کرنا اس کا خاصہ رہا ہے۔ لاتعداد خونیں انقلاب اور فکری زلزلے تاریخ انسانیت کو اسی قطّامہ کی جھانجھر کی جھنک نے عطا کئے۔ اس نے جب رقص کیا، تلواریں لہرا اٹھیں۔ اس تشنہ لب نے جب پیا، انسانوں ہی کا خون پیا۔ تھرکی تو انسانی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے، لرزی تو انسانوں نے اپنے ہی گوشت میں اپنے دانت پیوست کر لئے۔ اس نے قلم اٹھایا تو ہر ذہن میں رقصِ ابلیس کے لئے چاندنی بچھ گئی، بولی تو انسانی خیالات نے "کالی شلوار" پہن لی، تصوّر اپنا ننگ چھپانے کے لئے "لحاف" میں دُبک گیا۔ غزل میں آئی تو معاشرہ کی ہر ماں، بہن، بیٹی نے اپنی تولید و ولدیت سے بیزار ہو کر خودکشی کر لی۔ ادب نے ذوقِ رومانیت میں اس سے یارانہ گانٹھا تو ہر بے حیا و بے غیرت ہیروئن بن بیٹھی، معاشرتی اقدار کا ہر دشمن "ہیرو" قرار پایا۔ جس کسی نے احتجاج کی جسارت کی۔ اُس کی پیشانی پر شہوتِ انسانی میں تپلاٹے ہوئے قلموں نے "ویلن" تحریر کر دیا، یوں کہ منہ چھپائے تو چھپائے نہ بنے۔ سماج دشمنی دستورِ عاشقاں ٹھہری

Marfat.com

اور جن سرپھروں نے معاشرتی، اخلاقی اقدار سے ٹکر لی، نگاہِ دانش ادب میں وہ عزیز و سرخرو ٹھہرے۔ اطوارِ تخلیقات ادب نے ہر یوسف پر طنز کی کہ جو کرتہ تو نے دیدۂ یعقوب کی بینائی لوٹانے کے لئے اتارا وہ زلیخا کے لئے کیوں نہ اتارا۔ ادب و دانش کا ہر شیر افگن نورجہاں کا ہاتھ دیکھ کر جہانگیر بننے کے خواب دیکھنے لگا۔ شہزادوں نے دھوبنوں اور کمہارنوں کے در پر بستر بچھا دیئے تو ادب کا زعم تخلیق گنگنا اُٹھا۔ نغماتِ شبِ وصال اور ظلمتِ شبِ ہجر کے نوحے تحریر کرنا اور پھر جوان اولاد کا باپ بھی ہونا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ جن خیالات کے اظہار کے بعد انسان کا آئینہ رو ہونا دوبھر ہو جانا چاہیئے، نہ معلوم لوگ کیوں کر بہنوں بیٹیوں کے رو برو آجاتے ہیں۔ اگر بیٹیا گنگنانے لگے "جس کے شانوں پر تری زلفیں پریشاں ہوگئیں" بیٹی "عشق پہ زور نہیں" کی قائل ہو جائے، والد محترم "میری جان زار اب چلی بھی آ" کا مصرع اولیٰ تلاش کر رہے ہوں۔ والدہ محترمہ "وفا کیسی کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا، تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو" کے کلیہ کو متاع حیات قرار دے رہی ہوں، تو کیا گھر کے صدر دروازہ پر فاؤنٹین ہاؤس تحریر کرنا حکومت کی آئینی ذمہ داری ہوگی یا اس کارِ خیر کے لئے مخبوط الحواس کاتب تلاش کرنا ہوں گے۔ جو گالی سرِ بازار نہیں دی جاسکتی وہ غزل اور عشقیہ نظموں میں قافیہ بند کر دی جاتی ہے۔ اس مد میں دانشوروں نے نظم و نثر میں جتنی دانش تراشی ہے، وہ کسی بھی معاشرہ کسی بھی شریف خاندان کے لئے ناقابل قبول بھی ہے، ناقابلِ عمل اور ناقابلِ برداشت بھی۔ جس بات پر تلواریں سونت لینی چاہئیں، ادبی محفلوں میں اُن پر سر دھنے جاتے ہیں" ذکر شبِ وصال کیا ہو فقط مختصر" کی مخفیات پر

Marfat.com

داد سخا ور کرنے والے اجڈ دہقان نہیں دانشور ہی ہوتے ہیں۔ مذہبی و مسلکی تفرقات فاطر العقل لوگوں کی ایجاد نہیں ہیں۔ سیاسی عیّاری، مکر و فریب، جھوٹ، دروغ گوئی، تشدد، قتل و غارت، فکری و جسمانی استحصال کی روایتیں معصوم اور غیر تعلیم یافتہ دیہاتیوں نے رواج نہیں دیں۔ دینِ الٰہی کے موجد دربارِ اکبری کے دانشور نہیں تھے تو اور کون تھا۔ میکاولی سادہ لوح ان پڑھ نہیں تھا، دانشور تھا۔ چانکیہ بکریاں نہیں چرایا کرتا تھا اور نہ مارکس نے بھینسیں پال رکھی تھیں۔ یہ سب انسانی دانش گاہوں کی پیداوار تھے۔ اگر دانشِ لادین اور عقلِ مصلحت بین ہی برپا رہتی اور اطاعت الٰہی اور عشقِ رسول کارفرما نہ ہوتا تو مسیلمہ کذّاب کے خلاف جہاد خلافِ شرعِ حقوقِ انسان قرار پا گیا ہوتا اور نظریہ جہاد فی سبیل اللہ کو کالعدم قرار دینے کے لئے مسلمانوں نے ہی سیکورٹی کونسل کا اجلاس طلب کر لیا ہوتا۔ اس لئے اگر ہم دانشوروں نے آئینی تقاضے پورے کرتے ہوئے کسی قانون کے نفاذ کی تعریف و ثنا سے انکار کر دیا ہے تو یہ کوئی اتنی بڑی لغزش نہیں ہے کہ بے دلی کا باعث ہو۔ ہم مصلحت بینوں نے ایسا تحریف حُبِّ رسول کے لئے نہیں کیا محض اظہار بُغض کا دانشمندانہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ آج کے دانشمند تو دین و سیاست کے اختلاط و متزاج سے نکیر کو ترویج دے رہے ہیں۔ ہم دانشوروں نے تو پاکستان میں بنیادی حقوق کے تعطل اور آئین درآئین کی منسوخی پر بھی بارہا ماشاء اللہ، سبحان اللہ اور لبیک کہا ہے۔ ہماری موجودہ خطا پر نہ حیرت بجا ہے، نہ تاسف۔ ہم دانشور ہیں، عشاق نہیں۔ عقل اگر مصلحت اندیش نہ ہو تو اس کا مقام مفکرِ پاکستان کی نظر میں ناپختہ ہوتا ہے اور عشق اگر مصلحت بیں ہو تو خام قرار پاتا ہے۔ بہتر ہے کہ پختگی عشق اور ناپختگی عقل

Marfat.com

میں الجھنے اور اظہار ناپسندیدگی و ناراضی کئے بغیر فیصلہ تاریخ کے سپرد کر دیا جائے اور ہم دانشوروں کی تحریر و تقریر پر سر دھننے میں کمی نہ کی جائے ورنہ دانش و ادب زنگ آلود ہو جائیں گے۔ دانش کو زنگ آلودگی سے محفوظ رکھنے کے لئے اسے جنس آلود و مصلحت آمیز رکھنا ضروری ہی ہوگا ۔ اسی لئے تو زمانہ قدیم و جدید میں اسی اسلوب کو روا رکھا گیا اور پھر اگر کوئی " میکدے کے موڑ پر رکتی ہوئی ، مدتوں کی تشنگی تھی میں نہ تھا" کہہ کر معذرت کر لے تو قبول کر لینا چاہیئے کہ ابن الوقتی جنگ کرنے کی نہیں خریدنے کی چیز ہوتی ہے۔ وہ معاشرہ جس کی عبادت گاہوں تک میں دانش فروخت ہو رہی ہو جس طرف نگاہ اٹھائیں دانش کا جمعہ بازار جما ہو، وہاں کے سیاسی سیلز مین اگر دانش کی کلیرنس سیل شروع کر دیں تو کوئی بین الاقوامی گالی دینے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ کوئی فریب سرزد ہو جائے گا تو گاہک خود ہی نپٹ لیں گے ۔ اگر شرعِ قرآن پر رسّہ کشی کی جا سکتی ہے ، وحدتِ ملتِ اسلامیہ کو پارہ پارہ کرنے والے برداشت کئے جا سکتے ہیں۔ شرحِ آیات کی دکانیں کھولی جا سکتی ہیں ، سرکاری زکواۃ سے فرقہ بندی کی پرورش کی جا سکتی ہے تو مصلحت بینی کا مول کیوں نہیں لگایا جاتا ۔ خبر بک سکتی ہے تو علم کیوں خریدا نہ جائے ۔ دانشِ ذہنِ انسان کا ضمیر نہیں ہوتا ۔ یہ کوئی سربستہ راز نہیں ہے کہ بستوں میں ضمیر نہیں ہوتا اور نہ آج تک کسی نے ضمیر کو بستوں میں رکھا ہے ۔ پیغمبروں کے مخاطب اگر انسانی ذہن ہوتے ، قلوب نہ ہوتے تو مفکرِ پاکستان " میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر" نہ پکار اٹھتے ۔ کاذب اور حقیقی پیغمبروں کی پہچان اگر انسانی اذہان کے سپرد کر دی جاتی تو ابوجہل ، ابولہب کو یوں دانشور تسلیم کر لیا جاتا کہ تاریخ حشر تک کراہتی اور بلبلاتی رہتی ۔ دوزخ

Marfat.com

کا جغرافیہ کرۂ ارض تک وسیع ہوگیا ہوتا اور ہر سربراہ حکومت نے دعویٰ
نبوّت بھی کرلیا ہوتا۔ کوئی باعث تو ہوگا کہ جب کبھی انسان ساختہ دانش کا
واسطہ پیغمبروں سے آپڑے تو دانش انسان بدنام ہوجاتی ہے۔ باطل
ہوتی ہوگی! کوئی بات تو ہے کہ جس زمانہ نے پیغمبروں کی تعلیم سے انحراف کیا
زمانۂ جہالت کہلوایا۔ فقیر کو اصرار ہے کہ اس کی ناخواندہ ماں کی تربیت کے
فیض سے اُس کا ذہن منافقت، تعصب، کدورت اور خصومت آلودگی
سے پاک رہا۔ جناب صدر مملکت سے مجھے اختلاف بھی ہے، گلہ بھی،
اور شکوہ بھی۔ مگر مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ تقدس رسول ؐ
اکرم ؐ کی غرض سے حالیہ قانون نافذ کرکے انہوں نے ایک صالح عمل کیا
اور ایک عظیم سازش کو جو برپا ہوا ہی چاہتی تھی۔ عملِ سرکوبی سے آگاہ
بھی کیا۔ دراصل تحریک کی حرکت پکڑی گئی اس لئے کچھ افراد پریشان ہیں
کہ اب کسی کو فسادبانی قرار دے کر عوام کو کس طرح گمراہ کریں گے۔ شکوہ فقیر
کو یہ ہے کہ اب تک آئینی تضادات ختم کیوں نہیں کئے گئے۔ مغربی جمہوریت
کی نفی کے اعلان کے باوجود اسلام کے نظامِ مشاورت کے اصولوں پر انتخابی
قوانین کیوں نافذ نہیں ہورہے۔ ان قوانین کے نفاذ کے بغیر انتخابی منشور
پر عمل کیوں کر ممکن ہوگا۔ اگر مروّجہ انتخابی قوانین کالعدم قرار نہ دیئے گئے
اور مشاورتی انتخاب نہ ہوا تو عقل آتشِ نمرود بھڑکا دے گی اور عشق
لبِ بام محوِ تماشا ہی رہے گا۔ ملک سیکولرزم، سرمایہ دارانہ پیشہ ورسیاست
اور خاندانی اجارہ داریوں کا باڑہ بازاربن کر رہ جائے گا۔ گرم پانی کی لہریں
سر اُٹھا اُٹھا کر دیکھیں گی اور حیران ہوں گی کہ خُدا کے ہوتے ہوئے ہمارے
سینے پر یہ نئے ناخدا کیوں کر مسلط ہوگئے کہ خدا سے بھی مطالبہ کرتے ہیں

Marfat.com

کو تسلیم کیجئے "خدا نہیں ہے،" اگر مغربی جمہوری نظام کے تحت انتخاب کروا کے سرمایہ داروں کی جنگ زرگری کا تماشا ہی مقصود ہے، اگر روشن چہرے کو اس کے چنگیز سے تاریک تر اندرون سے قطع نظر "غنچۂ نا شگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں" ارشاد فرماتا ہے تو پھر اسلام کا اتنا ذکر نہ فرمایا جائے کہ لوگوں کو اس سے آشنائی ہو جائے اور شرح پیغمبرؐ آشکارا ہونے لگے۔

اس لئے کہ یوں قلب و ذہن کا تضاد اور بڑھے گا اور سیاست غزل آلود ہو جائے گی۔ سیاست غزل گو ہو جائے تو فراست کو لوگ یوں دفن کرتے ہیں جیسے زمانہ جہالت میں بنام غیرت زندہ بیٹیوں کو زمین میں گاڑ دیتے تھے اور "گر نہیں وصل تو وحشت ہی سہی" دستورِ زمانہ ہو جایا کرتا ہے۔ مانیں نہ مانیں خوشی آپ کی، ہم تو فقیرانہ آئے صدا کر چلے۔

Marfat.com

رُکو! کہ یہ چال قیامت کی چال ہے

پاکستان کی سیاست و قیادت اتنی پر پیچ ہو چکی ہے کہ سورۃ "والناس" کی پناہ گاہوں میں چھپ جانے کے چارہ سازوں کو بھی کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ ہم مزید تضاداتِ خود ساختہ میں اُلجھ گئے ہیں۔ عسکری اہلیت کہ فوری صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت اس کی بنیاد ہوتی ہے، سُرخ فیتوں میں لپیٹ گئی ہے اور سیاست کہ بالغ نظر طویل غور و فکر اس کا اثاثہ ہوتا ہے، ہنگامہ پسند اور احتجاج نواز ہو گئی ہے.... چھ سال کی متواتر احتیاط، مسلسل غور و فکر اور مشاورت کے بعد ۱۲ اگست ۱۹۸۳ء کا سورج نہ صرف بے گمن طلوع نہ ہو سکا بلکہ بادل چھٹ جانے کی بجائے اور گہرے ہو گئے۔ اعادہ حقوق جمہوریت کے عوامی تقاضا کا جواب یہ ملا، کہ باوجود ہزار احتیاط ضبطِ تولید اور کابینہ، مجلس شوریٰ، اسلامی مشاورتی کونسل، دستور کمیشن اور سپریم کونسل کی ماہرانہ نگرانی کے محترمہ امید سے پائی گئی ہے۔ سفر والپسی خالی از خطر نہیں لہذا ۱۹۸۵ء تک صعوبت ہجرِ حقوق سے سوکھا ہوا لیلیٰ جمہوریت کا ہر مجنوں اپنا ڈھانچہ دیکھتا رہے۔ اور پیش کردہ ڈھانچے کے خدوخال پر یہ جانتے ہوئے بھی کہ کسی ڈھانچے کے خدوخال نہیں ہوتے، غور کرتا رہے۔ اگر کوئی اُسے چھونے، چھیڑنے یا اس کی عفت میں خلل ڈالنے کی کوشش کرے گا تو نتائج کی ذمہ داری اسی پر ہو گی۔ عسکری سیاست

Marfat.com

کی قوت فیصلہ کی یہ سُست کاری افسوس ناک بھی ہے اور تشویش ناک بھی۔ اگرچہ اسے سمجھ سے بالاتر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ عمل اصلاً عسکری ہے ہی نہیں۔ یہ عرضِ اقتدار کو غلط پیمانے سے طول کی طرف سے ناپنے اور گنتی میں عمداً غلطی کرنے کی کاوش ہے۔ تاکہ قیمت خرید سے بھی کم جو قیمت فروخت خریدار کو بتا بیٹھے اس کا ازالہ خریدار کو یہ کہہ کر کیا جائے کہ ہمارے پاس جس طول و عرض کی دستار میسّر ہے وہ آپ کے ناپ کے لئے بہت کم ہے۔ دستارِ اقتدار تو مثلِ جامِ جم ہوتی ہے۔ کوئی جامِ سفال تو نہیں کہ اور لے آئے بازار سے جو ٹوٹ گیا۔ لہذا نیا مال آنے تک "انتظار فرمایئے"۔ اگرچہ اذان مغرب ہو چکی ہے، آپ روزے سے بھی ہیں، افطاری بھی فرما چکے مگر نماز تراویح بھی تو لازم ہے اور پھر رات کے اندھیرے میں انتقال اقتدار کبھی صالح عمل نہیں رہا۔ اس میں تو انتقال کا خطرہ ہوتا ہے۔ لہذا عاشقی صبر طلب ہے، تمنا بے تاب ہی سہی مگر زلف کے سر ہونے کا انتظار فرمایئے۔ غالب نے تو شراب کے نشے میں یہ کہہ دیا ہوگا کہ اس وقت تک کون جیئے گا" خون جگر ہونے تک دل کا کیا حال کروں"، بھی کوئی مشورہ طلب بات ہے۔ وہی کیجئے جو جگر کے ساتھ ہوا۔ آپ خواہ مخواہ چیں بجبیں ہوئے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کو کس کافر نے چھیڑا ہے۔ بالکل وہی ہے۔ ضُعف و تعطّل، آپریشن برائے ترمیم اور چھیٹے ضمن کی خرابیٔ ہاضمہ کی وجہ سے ڈھانچہ سا رہ گیا ہے تو غم نہ کیجئے۔ صدر کے اختیارات بڑھا کر اور سُپر دستوری کونسل بنا کر لاغری کا علاج بھی کر دیا گیا ہے۔ یہ جو کچھ ہوا تھا۔ چودھری فضل الٰہی کی بددعا کا نتیجہ تھا۔ اب ہماری نیک نیتی لاریب ہے۔ قرارداد مقاصد اور خواتین کو روبہ اسلام کرنے کے عمل کو مؤثر کر کے سیاسی لادینی منافقت کی متمرنانکہ کا غازہ اتار دیا گیا ہے۔ ڈھانچہ مکمل ہے، صرف امرِ ربی نفخ نہیں ہو سکا

Marfat.com

کہ یہ کارِ خداوندی ہے، بندوں کے بس کا روگ نہیں۔ پھر اس میں امرِ ربی داخل ہوگیا تو ہم آپ کہاں جائیں گے۔ ڈھانچہ دیکھتے ہی یہ آوازیں اٹھنا شروع ہوگئی ہیں کہ یہ خون بہائے گا، فساد پھیلائے گا۔ ان کی پروا نہ کرو۔ یہ پرانے نعرے لگانے والے نادانستگی کا شکار ہیں۔ ہمارے فرشتے ہمارے حکم سے اس کے روبرو سجدہ بجا لائیں گے اور یوں ۱۹۸۵ء میں خلافتِ ارضی کا قیام عمل میں آجائے گا۔ پھر اگر کوئی وسوسہ کا شکار ہوگا تو یوں ارض سے آسمان پر پہنچا دیا جائے گا جیسے آدم و حوّا آسمان سے زمین پر اتارے گئے تھے۔ بحالی جمہوریت کے لئے ہمیں مجبور کرنے والے یہ تو سوچیں کہ مجبور ہوکر تو یہی کچھ کیا جاسکتا ہے۔ برضا و رغبت کوئی بات ہوتی تو شاید صورت حال مختلف ہوتی۔ اگرچہ برضا و رغبت یہاں جمہوریت کو خود بھی بحال ہونے کی عادت نہیں۔ جمہوریت کی جمہور کشی نہ ہوتی تو بھی شاید صورتِ حال مختلف ہوتی۔ دعویٰ دائر کرکے صلح کرنے اور باہمی افہام و تفہیم سے معاملات طے کرنے میں کچھ فرق تو ہوتا ہی ہے یہ صورتحال سمجھ سے بالاتر اس لئے نہیں کہ اختیارِ سنگین اگر سوچے گا تو دانش کا لاشہ ضرور تڑپے گا "دارمی شود" کا عمل اگر نہ دہرایا جائے تو حقیقت تو یہی ہے کہ حاصل گردش شب و روز یہی رہا کہ پہلے سات سال محنت کش خراب کئے گئے، مابعد سرمایہ دار بحال ہوگئے۔ عزیزانِ مصر نے خواب تو دیکھے، کسی یوسف نے تعبیر نہ بتائی، عوام ذہنی سکون اور قلبی اطمینان سے محروم ہی رہے۔ حکومت کے ذمہ مشینوں کی ہی نہیں انسانوں کی نگہداشت بھی ہوتی ہے۔ آج کا انسان بالخصوص دانشور متوسط طبقہ جس چکی میں پس رہا ہے اس کے پاٹ نہ اتارے گئے تو لوگ اپنے نکاح نامے پھاڑ ڈالیں گے اور پیدائش کی پرچیاں ثبوتِ ولادت نہیں رہیں گی۔ تاسف تو یہ ہے کہ بے قصور عوام کے زخم بھرنے تک چارہ سازوں کے ناخن بڑھ جاتے ہیں۔ اور جواں مارشل لاء کی دھمکیاں ملنا

Marfat.com

شروع ہو جاتی ہیں۔

سیاست ہے کہ شرِ وسواس کی طرح یوں عمل میں لائی جا رہی ہے کہ کچھ لوگ وہ کتبے اٹھائے ہوئے ہیں جو صرف قوموں کی سالمیت و احترام کی قبروں پر نصب کئے جا سکتے ہیں۔ رجسٹرڈ، ان رجسٹرڈ، دائیں بائیں بازو کی سیاسی جماعتیں، مذہبی، مسلکی، بے مسلک، روس نواز، امریکہ پرست جماعتیں، بے ضابطہ رابطہ جماعتیں، پیرو جماعتیں، ہیروئین جماعتیں، مزاحیہ سربراہیاں۔ اس تمام صورتحال کو ایک ہی ڈرامہ میں سمو دینے کا کام اگر انڈین شیکسپیئر آغا حشر مرحوم کے سپرد بھی ہوتا تو ان کا بھی حشر ہو گیا ہوتا۔ ان کے لئے بھی فضائیں پکار اٹھتیں، تم کیا سمجھے کہ یوم الدین کس کو کہتے ہیں۔ نشۂ قوت خطرناک ہوتا ہے مگر حرص اقتدار جو آج کی سیاست کا پیدائشی نام ہے، اس سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ ''آخر اقتدار کس کے سپرد کیا جائے،، سیاسی سوچ نہیں۔ جلال الدین اکبر اعظم متفکر تھے کہ ولی عہد کس کو مقرر کروں۔ اس قسم کا ذوقِ عالمگیری شاہ جہانی دیدے پھوڑ دیا کرتا ہے۔ وقت کے دھاروں کو روکنے یا ان دھاروں میں بہہ نکلنے کو نہیں، اپنی ذات کی نفی کر کے ان دھاروں کو پڑھ لینے کی صلاحیت کو سیاست کہتے ہیں۔ چوکیدار کا گھر کے صدر دروازے کے سامنے خندق کھودنا تاکہ گھر والے باہر نہ نکل سکیں، اتنا ہی خطرناک غیر سیاسی عمل ہے، جتنا کسی خزانہ پر پہرہ دینے والے کی نیت کا خراب ہو جانا۔ راہ زن نہیں راہ نما کی سوچ سیاست کی بنیادی اساس ہو تو کارواں منزل آشنا ہوا کرتے ہیں۔ چالباز سیاست کے لیبل صرف وہ لوگ لگایا کرتے جو شاہراہوں پر گداگروں کا روپ دھارے ''اللہ کے نام پر کچھ دے جاؤ بابا!'' کی صدا صرف اس لئے لگاتے ہیں کہ مغلوب الجذبات مسافر جیب میں ہاتھ ڈالے تو اس کے پاس اثاثہ کا اندازہ ہو سکے۔ سیاست دانوں کا سپیروں کے انداز

Marfat.com

اپنا لینا کہ جب پٹاری کھولیں، سانپ ہی نکلے، کسی خاص مجمع کے لئے دلچسپ ہو سکتا ہے، خلق خدا کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ کیا خبر پٹاری کھلی رہ جائے اور سانپ بھاگ نکلے۔ کامیاب اور لاجواب بیرونی سیاسی دورے ہر محب وطن کے لئے قابلِ فخر ہوتے ہیں۔ مگر رعبِ اختیار سے اگر رعایا کو ہذیان اور مرگی کے دورے پڑنے لگیں اور بے اختیار اس کا علاج یہ تجویز کرنے لگیں کہ اس سے نعرہ لگواؤ اور گرفتار کروا کر اندر بھیجو تو یہ طعنہ تو ملے گا ہی کہ زیر حراست سیاسی وکلا کو پندرہ سو روپیہ اور موکلین کو پانچ صد ماہانہ معاوضہ دیا جا رہا ہے۔ کرائے کے سپاہی تو سُنے ہی تھے اور ان کے کارنامے بھی دیکھے تھے، یہ کرائے کے قیدی دیکھنا بھی ہمارے ہی مقدر میں تھا۔ جملہ معترضہ ہی سہی مگر بلا خوف تردید و بلا ضرورتِ تائید عرض ہے کہ قیدیوں کے خاندانوں کی کفالت اسلامی حکومت کے فرائض کا اہم حصّہ ہے۔ اور شاید تحریک مخالف کو بے جان کرنے کا یہ سیاسی طریقہ بھی ہو۔ گستاخی معافی کی مستحق ہے کہ زمانہ فرائض کا احساس دلانے کا نہ ہوتے ہوئے بھی یہ بات قلم کی گرفت میں آگئی۔ اس لئے نہیں کہ گرفتاریوں کا اثر ہے، اس لئے کہ ہم نے سیاست کے دیولی کیمپ دیکھے ہیں اور "تاریوں" کے دلائی کیمپ بھی، سیاست کی دیوالی بھی دیکھی ہے اور حرصِ اقتدار کا دسہرہ بھی۔ انتظار عید میں روزے بھی رکھے ہیں اور رضائے الٰہی میں قربانیاں بھی دی ہیں۔ زلف سیاست کے خم و پیچ سنوارے بھی ہیں اور بال بکھرائے سیاسی سیاپے بھی دیکھے ہیں۔ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹروں کو سیاسی جماعتوں کا صدر بنتے بھی دیکھا ہے اور ائیر مارشلوں کے پیراشوٹ سیاسی میدانوں میں بھی اترتے دیکھے ہیں۔ غیر سیاسی سنگلاخ زمینوں سے پھوٹے ہوئے سیاست دانوں کو سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنتے ہوئے دیکھتے رہنے کے بھی ہم ہی گنہ گار ہیں۔ اختیار کُلّی سے بے اختیار تعاون کرتے ہوئے قُلّی بھی

Marfat.com

دیکھے ہیں اور اوّل احتساب کی سرخیاں بھی پڑھی ہیں۔ تحریک پاکستان کو سازش قرار دینے والوں کی بیمار آنکھوں کا علاج ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری سے نظامِ مصطفٰےؐ کے متلاشی سیاسی فوجیوں سے بھی تعارف ہے۔ ہم نے احمقوں کی جنت بھی دیکھی ہے اور دانشوروں کا دوزخ بھی۔ طالب علموں کو مسلح کرنے والے بھی دیکھے ہیں اور آوارہ کرنے والے بھی۔ یہ زمانہ بھی ہمارے مقدر نے ہی دیکھنا تھا کہ جرائم پیشہ طالب علموں سے دریافت کریں، اچھی سٹین گن کونسے یونیورسٹی ہوسٹل میں ملے گی۔ آئندہ نسل کے معاملات میں انتظامیہ کی بے بسی اور سیاست دانوں کی یہ سیاست بھی ہمارا ہی مقدر تھی کہ ہر نوزائیدہ کے کان میں اذان دینے کی بجائے "معصوم جانیں مردہ باد" اور "گرگان کہن زندہ باد" کے نعرے لگائے جائیں "ظالمو جواب دو، خون کا حساب دو" گنگنا کر پالنے ہلائے جائیں.... خبر آتی ہے کہ مٹھی بھر شرپسند عناصر تشدّد آمیزیاں کر رہے ہیں مگر ہم مٹھی نہیں کھولیں گے۔ ان کی سرکوبی ہوگی، پھر ان سے بات ہوگی۔ نہ، نہ، نہ، صاحبِ صدر، نہ، سر کا زخم بڑا بُرا ہوتا ہے۔ سرکوب ہوگئے تو کیا ڈھانچوں سے گفتگو فرمائیے گا۔ ہوسکتا ہے صرف ڈھانچوں ہی سے بات کرنا دانش سیاست ہو۔ ہم نے تو سیاسی آسیبوں سے باتیں ہوتی بھی دیکھی ہیں۔ آپ اپنی چھڑی روک لیں۔ جو کل سیاست دانوں نے روا رکھا تھا، وہ آج آپ روا نہ رکھیں۔ اگرچہ پردہ سیاست میں غارت گریٔ آدم کتنی صدیوں سے روا رہی ہے اور رہے گی بھی۔ کیونکہ انسان جب تک انسانوں پر حاکم ہے، یہ حاکمیت انسانی کے مسلّمہ اجزائے لاینفک ہیں، اٹوٹ انگ ہیں۔ اگرچہ حاکمیت انسانی کا درس یہی ہے کہ عروس سیاست لاکھ کہے کہ میرا اٹوٹ انگ ٹوٹ رہا ہے، اسے ادائے محبوب ہی گردانا جائے اور مزید شدت کا راختیار کی جائے۔ پاکستان

Marfat.com

کے لئے بہترین سیاسی منصوبہ بندی یہی ہے کہ اسے بانجھ کردیا جائے۔ اقتدار کی منتقلی کو یہ کہہ کر رد کر دیا جائے کہ یوں تو اقتدار کا انتقال ہو جائے گا۔ لوگوں کے اصل مسائل کیا ہیں، ان کا ذکر نہ کیا جائے۔ قومی مسائل پر چادر ڈال کر جنازہ گاہ کی چاردیواری میں رکھ دیا جائے اور عوام کو ڈھانچے پر غور کرنے کا مشورہ دیا جائے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ نہ بر ڈھانچہ ہے نہ فریم ورک، فقط ایک خطوط وحدانی ہے جس میں "بہ نوک خارمی رقصم" کی عبارت پر اپنے کسی غیر ماہر صادقین سے "سیاست مردہ باد" یوں لکھا لیا گیا ہے کہ بین الحروف کے تمام فاصلے غیر متواتر ہیں۔ اس تضادِ فکر و سیاست کا آخر حل کیا ہے فلسفہائے بیچ بیچ یا عوامی مسائل کی نشاندہی، قومی مسائل کا ادراک یا صرف قومی کی اداکاری' تشدد یا مخلصانہ غور و فکر۔ سپر طاقتوں کے مفادات کا تحفظ یا اپنے اندر کے بیرین کی پاسداری۔ سیاست و اقتدار کا ٹکراؤ یا بے لوث افہام و تفہیم۔ محمد علی کی مکر بازی یا محمد علی جناحؒ کی سیاسی دانش، تضادات میں مزید اضافہ یا یک سوئی۔ یہ ملت بیضا جو آج تک غرباء کے دم سے زندہ رہی، سرمایہ داروں کی یہ جادوگری کب تک دیکھتی رہے گی۔ کیا ۱۹۸۵ء میں زرعی زمین پر کاشتکار کا اسلامی حق تسلیم کر لیا جائے گا۔ کارخانے کے مزدوروں کو صنعت کار تسلیم کر کے نفع و نقصان میں انہیں برابر کا شریک مان لیا جائے گا۔ کیا آئین میں یہ ضمن درج ہو جائے گا کہ ہر شہری پیدائشی طور پر ایک سا مکرم ہے۔ عزت نفس کی حفاظت اور کفالت حکومت کا فرض قرار پائے گی، سیاست پر سرمایہ دار کی اجارہ داری ختم کر دی جائے گی۔ سیاسی خاندانی گٹھ جوڑ کی جس بندر بانٹ کی وجہ سے انسان صرف کیک کی طرف دیکھتی بلیاں بن گئے ہیں، باقی نہ رہے گا۔ ناجائز ذرائع سے کمایا ہوا اور بیرون ملک جمع شدہ سرمایہ قومی خزانہ کی ملک قرار پا جائے گا۔

Marfat.com

مراعاتی زمینیں، پلاٹ، بنگلے، کاریں، سفارشی قرضے واپس لئے جائیں گے۔
جہاد و مجاہد کی صحیح توضیحات و ترجیحات واضح ہو جائیں گی، شہریوں اور سرحدی محافظوں کے محبت و عزت و توقیر کے رشتے بحال و استوار ہو جائیں گے۔ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی راہ میں ناکارہ افراد کی سفارشیں سدِّ راہ نہیں بنیں گی۔ انسانوں کو فقط ان کی اہلیت کے مطابق معاشرہ میں مقام مل جائے گا۔ حکم صادر ہو جائے گا کہ لوگ حکومت کے غیر اسلامی احکامات کی اطاعت سے آزاد ہیں۔ حکومت خالق کے احکامات کی سب سے زیادہ پابند ہے۔ حاکم کے اعمال کا حساب مانگو تو دیا جائے گا۔ خالق کی عبدیت کے علاوہ تمام سرچشمے بند کر دیئے جائیں گے۔ صوبائی، لسانی، نسلی رقابتیں ختم ہو جائیں گی، یا ۱۹۸۵ء میں صرف موجودہ اقتدار کے لئے بے خطر ایک سیاسی انتخاب ہو گا۔ اگر ایسا ہے تو پھر موت کا منتظر رہنا کہیں بہتر ہے کہ خرابیٔ دنیا کے باوجود عاقبت تو سنور جائے گی۔ ۱۹۸۵ء میں کیا ہر انسان کے وسائل اتنے ہو جائیں گے کہ وہ پھلوں کی دکان کے سامنے سے ترستا ہوا نہ گزر جائے۔ باپ عیدین پر معصوم بچوں کو اپنے تصوّر کے جوڑوں میں سجا دیکھ سکیں گے۔ غریب کی بچی بھی گڑیا سے کھیل سکے گی۔ افرادی قوت بنام ترقی بطرز غلامی فروخت نہیں ہو گی۔ مفلسوں کی عزّت کے دام بہ اندازہ ذوقِ سرمایہ داری تو نہیں لگیں گے۔ یا ہم یہی سنتے رہیں گے کہ خود اختیار جلاوطنی لبغرضِ گرفتاری حاضر آ گئی ہے۔ کیا خبر کہ لائی گئی ہے۔ ۱۹۸۵ء میں انتقال اقتدار ہو گا یا انتقال فساد یا انتقال ملت۔ کیا واقعی زندگی جو گھٹ کر جوئے کم آب رہ گئی ہے، بحرِ بیکراں بن جائے گی۔
صاحبانِ اقتدار اور سیاستدانوں کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ آج گدھوں تک کو پیٹ بھر کر خوراک میسّر نہیں۔ اس لئے سیاست دان از راہِ کرم اپنے

Marfat.com

اپنے سیاسی منشور کو پڑھیں۔ یہ سب ترمیم طلب ہیں، ضمیر طلب بھی ہیں۔ حکومت مجوزہ ڈھانچہ پر خود غور کرے اس کے خدوخال مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں قائم کرے۔ صرف اپنے زاویہ قائمہ پر ہی نگاہ نہ رکھے.... سیاست دانوں کو فکری حفاظت میں لے کر حفاظتی حراست صحیح عمل نہیں تھا۔ نہ کوئی تخت نشین رہے، نہ کوئی پایہ تخت کھینچے۔ پھر اکٹھے مل بیٹھیں۔ لیکن گول میز کانفرنس کے لئے نہیں کہ ایسی تجویزیں صرف جیٹ بیٹے چٹخارے ہی دے سکتے ہیں۔ اپنے ساتھ ملک کے واقعی دانشور اصحاب کو بھی بٹھائیں۔ فریقین کھل کر اپنا ما فی الضمیر بیان کریں۔ دانشور غور و فکر کریں۔ سیاسی منزل متعیّن ہو مگر معروضات بالا کی روشنی میں۔ اس منزل کے لئے لائحہ عمل مرتب ہو۔ فریقین اپنا اپنا کام سنبھالیں۔ فوج بھی، سیاست دان بھی، دانشور بھی، اور افرادِ قوم بھی۔ خلوص نیت کارفرما رہے تو صرف ہفتہ دو ہفتہ کی کاوش درکار ہے۔

ورنہ رُکو! کہ روزِ ازل نہ آئے گا پھر کبھی۔ رُکو! کہ یہ چال قیامت کی چال ہے۔

Marfat.com

شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

اگرچہ نیا سیاسی ڈھانچہ، جو لبعد مشکل اب کہیں کہیں نیا خاکہ کہلوانے لگا ہے، عطا ہو چکا۔ بلدیاتی انتخابات کے لئے تازہ کبوتر چھوڑے جا چکے۔ باوجودیکہ نئے سیاسی اتحاد میں فکری و عملی تضادات موجود ہیں۔ باوجود الزام علیہان کی اذانِ استغاثہ کے، باوجود رئیس سیاست دانوں کی فرداً فرداً علالت قلب و چشم و دیگر اعضائے رئیسہ وغیر رئیسہ اور ان اعضا کے جو انسانوں کے ہوتے ہی نہیں" مثلاً ایک بذلہ سنج سیاست دان کہہ رہے تھے، میں دُم کے معائنہ کے لئے بیرون ملک جا رہا ہوں" باوجودیکہ سیاست گیسٹ روم میں زیرِ گلوکوز ہے۔ اخبار نویس سرہانے کھڑے ہیں کہ مریضانِ اقتدار کچھ بڑبڑائیں تو شفقِ سیاست پر اپنی سرخی جما دیں۔ دانشور وکلا، کان لگائے بیٹھے ہیں کہ شاید کوئی وصیت ہو جائے..... ڈاکٹر کوئی موجود نہیں، کہ ان کے علم و دانش کے مطابق جسے اقتدار نے دبا لیا ہو اس کا کوئی علاج نہیں ہوتا.... اسے صرف قومی گناہوں کی معافی مانگنا چاہئے..... دریچے کے روزنوں سے سرکاری ملازم جھانک رہے ہیں کہ طبیعت سنبھلے تو سیاسی "وگین ٹیکس" کا مطالبہ کریں، فکرِ سیاست کی زکوٰۃ وضع کریں۔ کارکنوں کی تعداد کا حساب لگا کر عُشر طلب کریں، جو اگرچہ

Marfat.com

تشکیل مجلسِ شوریٰ کے وقت وصول کرلیا گیا تھا۔ مگر پھر واجب الوصول ہوگیا ہے۔ اگرچہ سیاسی گھروں اور سرکاری استراحت گاہوں کو ایمرجنسی وارڈ قرار دے دیا گیا ہے اور ہر نوکی ملاقات پر پابندی لگادی گئی ہے" سرکاری کارندوں کا انہیں سب جیل قرار دینا سرکاری دشمنی ہے۔ کیونکہ اس سے سرکاری عزلت کا پہلو نکلتا ہے لہذا ترمیم فرمائی جائے۔" دو تین سیاسی جماعتوں اور کئی ایک خود رو سماجی جماعتوں نیز احتیاطی تخم ریزی سے نشوونما پائی ہوئی تحریکوں کو حیلے بہانے شعبہ حادثات میں داخل کرکے مشوروں اور ہدایتوں کی معمولی مرہم پٹی کے بعد فارغ کردیا گیا ہے۔ جو ہر الا اللہ کو اللہ کہہ دینے کی عالمی سازش کا شکار ہوکر لارنس آف پاکستان کا کردار ادا کررہے ہیں۔ ہاتھوں میں کنگھی صاف کرنے کا نوایجاد آلہ لئے کھڑے ہیں کہ شاہی دیندار کی گھن دار و رنگ دار سیاست کا کوئی موئے متبارکہ اٹک کر رہ گیا ہو تو معاف کردیں کہ اب یہ کنگھی شاید گنجے سروں پر استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ تاہم منتقلیٔ اقتدار کے لئے ہنگامہ اور مہم جوئی شروع ہوچکی۔ داویلا چونکہ ابھی دھیمی سروں میں ہے، کہیں ڈھول نہیں بجا، ڈھمکے سے ہی کام لیا جارہا ہے اس لئے بگل بجانے میں فی الحال احتیاطی تاخیر ہی مناسب قرار دی گئی ہے۔ سیاست جو کبھی حفاظتی حراست میں تھی، اب حراستی حفاظت میں ہے۔ قابل فروخت سیاست کی شاہراہ کے ایک کنارے" ہمیں نہیں رہنا ہے، مگر ہم جانے والے نہیں ہیں" اور دوسری طرف" ہمیں نہیں آنا ہے، مگر ہم چل پڑے ہیں" کے نوٹس بورڈ ایستادہ ہیں۔ ایک طرف" ۱۹۷۳ء کا بلاترمیم آئین" لکھا ہے دوسری طرف" صدر آن است کہ ہر جا نشیند صدر است" کی ضرب المثال تحریر ہے۔ ادھر سے آواز آتی ہے" ترمیم لازم ہے" دوسری طرف سے شور اٹھتا ہے" ترمیم غیر ضروری ہے"۔ ادھر تقاضا تھا توج

Marfat.com

کا کردار چہ معنی دارد" جواب آیا " سپر کانسٹی ٹیوشنل جانتے ہو کیا ہوتا ہے" کہ یہ اصطلاح تو تمہارے ۱۹۷۷ء کے بین السیاسی مذاکرہ کی دریافت ہے جو اس لئے اپنانا ضروری ہے کہ ماہرین نفسیاتِ سیاست کی رائے میں سابقہ جنون کا پھر عود کر آنا بعید از امکان نہیں ہے ..... اگر سیاسی متحارب نمائندے آئین میں کسی سپرا دارہ کو داخل کرنے پر رضامند ہو سکتے ہیں تو پھر اقتدارِ بے اختلاف آئین میں ترمیم کیوں نہ کرے ..... یہ مطالبہ فوج کا نہیں تھا کہ انتخابات فوج کی نگرانی میں ہوں ..... یہ کسی فوجی نے نہیں کہا تھا کہ آئین سے بھی فوق تر کوئی صورت حال پیدا ہو گئی ہے، الیکشن کمیشن ناکارہ و بے معنی ہو چکا ہے۔ معاملات لاکھ آئینی ہیں مگر سپر آئینی طریقوں سے طے ہوں گے ..... یہ سیاست دانوں کا اعتراف شکست تھا کہ آئینی ذرائع ہماری عادتوں کا، ہماری مغربی جمہوریت کا، ہماری حرصِ اقتدار کا، ہماری سیاسی اخلاقی پستیوں کا، ہماری کارستانیوں کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ہم نے اپنے ہاتھوں سے پہلے آئین کے انتخابات سے متعلق ضمنات کو ناکارہ کیا۔ پھر مغربی جمہوری تقاضے تسلیم کروانے کے لئے فسطائی اور سوشلزم و کمیونزم کے انقلابی طریقے اختیار کئے۔ ہم نے از خود نظام مصطفےٰ ؐ کو ثانوی قرار دے کر سیاست اسلام کے اصولوں کی نفی کی۔ ہم نے تشدد، بدکرداری، ظلم، بے راہ روی و فحاشی کے خلاف نظام اسلام کے نام پر حملا کر ماؤں کی آنکھوں سے وہ دیدے نکال لئے جن میں نوجوان، خوبرو، شریف، خدا پرست عاشقانِ رسول ؐ کے مسکراتے چہرے بسے رہتے تھے۔ ہم ان بھائیوں کو قتل گاہوں میں لے آئے جن کی غیرت پر ان کی بہنوں کی حیا ناز کرتی تھی۔ حبِ رسول ؐ میں گریبان چاک، سنگینوں کے سامنے سینہ تاننے والے، بے نام راہوں پر خاک و خون میں

Marfat.com

لت ہو گئے۔ خون کے آنسو روتی ہوئی ان ماؤں، سینہ کوبی کرتی ہوئی ان برہنہ
سر بہنوں نے جنہوں نے اپنے دوپٹے پھاڑ کر بھائیوں کے زخموں پر باندھ رکھے
تھے۔ باپ جن کی ریڑھ کی ہڈیاں بیٹیوں کے غم میں آناً فاناً دوہری ہو گئی تھیں،
بھائی جو بے بازو ہو کر رہ گئے تھے، بچے جو جوان ابّو کے کھلونے لے کر آنے کا
انتظار کرتے کرتے روتے ہوئے سو گئے تھے، سہاگنیں جو آخر شب تک مدھم دیئے
جلائے چوکھٹوں سے لگی بیٹھی تھیں، یہ جان کر کہ جہاد فی سبیل اللہ کے مترادف
نفاذِ نظامِ مصطفےٰ کی تحریک کو نہایت ہوشیاری سے فقط بحالیٔ مغربی جمہوریت
کی تحریک میں تبدیل کر دیا گیا ہے، اس میں کمیونزم کے مارو، جلاؤ، فنا کر
دو کے طور طریقے استعمال ہونا شروع ہو گئے ہیں، چولہوں میں پانی ڈال کر بھیگی
ہوئی راکھ نکل لی، کہ صرف اپنے اقتدار کے بھوکو! اب نہ چولہے میں آگ جلے
گی نہ سینے سے کوئی لو اُٹھے گی۔ نفاذِ نظامِ مصطفےٰ کی پیش کش کو رد کر کے جہادِ فی
سبیل اللہ کے سیاسی علمبردار مغربی جمہوریت کی لگائی ہوئی اُن سبیلوں پر
اپنی پیاس بجھانے میں لگ گئے ہیں جن کے گلاس زنجیروں سے باندھ
دیئے گئے تھے۔ اتنا اعتبار بھی باقی نہ رہ گیا تھا کہ یہ گلاس نہیں چرائیں گے۔
مثال قائم ہو چکی تھی کہ یہ تو اور بھی بہت کچھ چرا لیتے ہیں۔۔۔۔ ویسے بھی
مغربی جمہوریت کا فکری منتظم سرمایہ دار پانی پلا دیتا ہے، گلاس کا اعتبار نہیں
کرتا۔۔۔۔ سیاسی نقاہت اور اقبالی مجرم ضمیری نے چھ سال نکال دیئے۔۔۔
مجوزہ اور موعودہ انتخابات کے التوا کے الزام کا کوئی معتبر جواب آج تک
میسّر نہ آسکا۔۔۔۔ تاریخ یوں ہے کہ ۱۹۴۷ء میں نظامِ لا الہ الا اللہ کے
لئے پاکستان آنے والی ہر شاہراہ کو اپنے عزیزوں کی لاشوں سے اٹ دینے
والی قوم کو ۸½ سال تک بے آئین رکھ کر ۱۹۵۶ء کا بیوروکریٹ دستوری عمل

وارد کیا گیا، جس نے محمد علی جناح رح اور چودھری محمد علی میں، یعنی سیاست و بیوروکریسی میں فرق واضح کر دیا۔ یہ بھی واضح کر دیا کہ سیاست دان گورنر جنرل ہو کر بھی کتنا بے لوث عظیم ہو سکتا ہے اور بیوروکریٹ صدر ہو کر بھی کتنا حریص بونا رہتا ہے ..... ۱۹۵۸ء آیا تو سائنٹیفک اسلام، کنفیڈریشن، جائنٹ ڈیفنس کے فلسفوں نے سرگوشیاں شروع کر دیں اور آواز اٹھوا دی گئی کہ اصل سیاست تو یہ جاننا ہے کہ لفظِ پاکستان کے چھ نقطے ہوتے ہیں۔ لہذا چھ نکات ہی ذریعہ نجات ہیں۔ پوری سیاست ہی نکتہ دان ہونے کی بجائے نقطہ بین ہو گئی اور ملک اندھے سیاست دانوں کی درس گاہ بن کر رہ گیا۔ ۱۹۶۲ کا صدارتی نظام جمہوریت کی بنیادوں میں ان لوگوں سے پانی ڈلوانے لگا جن کے مشکیزے اخلاقی قدروں نے خونِ ناحق سے بھرے ہوئے تھے۔ اس نظام نے بائیس ۲۲ خاندانوں کی ہر اُس کھیتی کی آب یاری کی جس کی روزی وہ عوام کے لئے حرام قرار دیتے تھے۔ ہر خرصفت نے احتجاج شروع کر دیا کہ کتاب سیاست صرف مجھ پر ہی لادنے کی چیز ہے..... آج کے کتنے سیاستدان اس نظام کے محافظ اور مددگار اداکار رندے تھے، اس کی نشاندہی کی ضرورت نہیں۔ یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ سب سیاسی عیوب جیت گئے اور مادرِ ملت نہیں۔ قائداعظم رح کی بہن، نہیں! فاطمہ ہار گئیں۔ جو لوگ کمینگی کی حد تک اس بے لوث ماں کی تذلیل کا باعث بنے، وہ سرفراز بھی ہوئے، وزیر بھی بنے اور وزیراعظم بھی، ہیں بھی، اور شاید ہوں گے بھی۔ پھر ۱۹۷۳ء کا سول چیف مارشل لائی صدارتی عبوری نظام آیا..... اور تب کہیں ۱۹۷۳ کا وہ آئین نافذ ہوا جس کے حقوق اللہ سے غیر متعلق مجسّم سیکولر عوامی بنیادی حقوق سے متعلق تمام ضمنات بھی تابع رضائے انتظامی سربراہِ حکومتِ وقت

Marfat.com

رکھے گئے ..... اگر کوئی تردید کر سکتا ہو تو کرے۔ اس آئین کی عملداری میں کروائے گئے انتخابات میں جو دھاندلی ولاقانونیت روا رکھی گئی اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس وقت کے مقتدر پارلیمنٹ میں اتنی اکثریت حاصل کرنا چاہتے تھے کہ آئین میں ترمیم کروا کر اسے صدارتی نظام کا آئین بنا دیا جائے ..... اس کی بھی اگر کوئی تردید کر سکتا ہے تو کرے اور اس کی وجہ بھی بتائے کہ مارچ ۷۷ء کے انتخابات میں مختلف جماعتوں کے صرف سربراہ ہی کیوں کامیاب ہوئے۔ ماسوا معدودے چند کے باقی امیدوار کیوں ناکام رہے۔ حالانکہ اصل دھاندلی تو ان سربراہوں کے حلقہ ہائے انتخاب میں ہونا چاہیئے تھی۔ جبکہ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جن کے اپنے ذاتی اثر ورسوخ کا کوئی ایک حلقہ انتخاب بھی نہ تھا۔ دھاندلی ہوئی اور بے مثال ہوئی، مگر غیر سربراہی حلقوں میں۔ اس لئے نہیں کہ اصل مخالفین کو اس وقت کے مقتدر اسمبلیوں میں نہ پاکر اداس ہو جاتے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ سودا بازی بھی ۱۹۷۳ء کے آئین کو صدارتی آئین بنانے کے لئے تھی کہ صدارتی آئین میں حزب اختلاف کو موج میلہ کرنے کے جو مواقع ہوتے ہیں، وہ پارلیمانی وحدانی یا وفاقی نظام میں میسّر نہیں ہوتے۔ واضح رہے کہ بے آئینی نظام میں کالوں کے ٹھیکے اور سرمایہ دارانہ اجارہ داریاں حاصل کرنے کو موج میلہ نہیں کہتے۔ سیاسی موج میلے بڑے پُرفضا ہوتے ہیں۔ ناچتی گھومتی کرسیاں اور مترنم میزیں بڑی دلکش ہوتی ہیں۔ انسان کے گھنٹی بجانے پر اسی وضع قطع کا دوسرا انسان فرشی سلام کرتا سامنے آ کھڑا ہو تو انسانی جسم میں جو خدا نمودار ہوتا ہے وہ اسے متذکرہ قسم کی سودا بازی و خیال آرائی پر لگا دیتا ہے۔ عوام الناس نے اسلام کے دلدادہ ہونے کا مظاہرہ کیا، سیاست دانوں نے مغربی جمہوری

Marfat.com

صدارتی نظام کے لئے سودا بازی کی ..... اب جو اعلان ہوا کہ ہر دو حاضر کرتے ہیں تو مہم جوئی و محاذ آرائی آسن باندھے آہستہ آہستہ پاؤں تھر کا رہی ہے۔ تاکہ سیاست دانی کا ثبوت مہیا ہوتا رہے ..... ایک شیر جنگلی تالاب کے کنارے پانی پینے لگا۔ بیری کے ایک درخت پر گلہری دیکھ رہی تھی۔ اس نے بیر پانی میں پھینکا۔ پانی میں جنبش پیدا ہو کر لہریں پھیلیں تو شیر نے اوپر دیکھا اور پھر پانی پینے لگا۔ گلہری نے پھر وہی حرکت کی۔ شیر نے پھر دیکھا۔ گلہری اپنا عمل دہراتی رہی۔ شیر ان وقفوں کے باوجود سیر ہو کر چل دیا۔ ایک دوسری گلہری نے جو شیر کو جنگل کا بادشاہ تسلیم کرتی تھی۔ پوچھا! اس شرارت سے تمہیں کیا حاصل ہوا۔ شیر کا کیا بگڑا۔ گلہری بولی "ڈیک لگا کر تو نہیں پی سکا!" تم کیا جانو اسے ہی سیاست کہتے ہیں۔ آج کا سیاسی ارتعاش اگرچہ بظاہر ایسا ہی عمل دکھائی دیتا ہے۔ لیکن دراصل نوّے دن میں وعدہ پورا کرنے کے اعلان میں ۲۱۳۹ دن کی تاخیر، اسلام کے نظام کو بتدریج نافذ کرنے کا بے اثر و بے نتیجہ عمل، اسلام کو صرف سزاؤں کے قوانین تک محدود رکھنا اور قانونی حق و باطل کی آمیزش، عادی سیاست دانوں کی نشہ سیاست سے طویل محرومی اور سیاسی گداگری، ناروا پابندیاں، اسلام کے متعین کردہ بنیادی اصولوں سے قطعی انحراف، اسلامی اقتصادی، معیشی اور معاشرتی نظام کی زمانہ ملوکیت کی توضیحات و تصریحات کو اپنانا، "جنریشن گیپ"، کو کم کرنے کی بجائے مرد و زن تک میں تفاوتِ فکری کا پیدا کیا جانا، عوام کے اصل مسائل سے آنکھیں بند کر کے باوسیلہ لوگوں کے مفادات کو یہودی عینک سے دیکھنا، ہر دفعہ بغیر شیشہ کی دوربین استعمال کرنا، اس کی بنیادی وجوہات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے اور ایسا بے مثل نظامِ تخلیق قائم کیا ہے کہ ہر ماں کے تصور کا بچہ اشرف المخلوقات

Marfat.com

ہی ہوتا ہے۔ کوئی ماں گھٹیا یا چھوٹا آدمی جننے کا کبھی تصور بھی نہیں کرتی، وہ ہمیشہ مثالی بچہ جنتی ہے۔ ہم اُسے وہ بناتے ہیں جو مابعد بن جاتا ہے۔ ہر باپ اپنے بیٹے کو اپنے سے بلند مقام پر دیکھنا چاہتا ہے، ہم اُسے مایوس کرتے ہیں۔ فطرت ہر انسان میں اپنی تجدیدی قدرت کا مظاہرہ کرتی ہے۔ ہر انسان میں ایک نیا موجد خلق ہوتا ہے۔ ہم اُسے مثبت تجدید کی طرف راغب نہیں کریں گے تو وہ منفی تجدید کرے گا۔ جو خرابیاں ہم اپنے معاشرہ کے انسانوں میں پاتے ہیں، وہ دراصل اس نظام کی خرابیاں ہیں جو ہم برپا کرتے ہیں۔ ہم سزائی محکم ہیں، اصلاحی حاکم نہیں۔ اور تاریخ اقتدار کے عرصے ناپ کر فیصلے کرتی تو عمر بن عبدالعزیز کا نام اتنے احترام کے ساتھ تاریخ اسلام میں درج نہ ہوتا، محمد بن قاسم کو عمر کے لحاظ سے ووٹ دینے کا نااہل قرار دے کر تاریخ نے اس کے کاغذاتِ نامزدگی مسترد کر دیئے ہوتے۔ شیر شاہ سوری طویل مغلیہ دور کے باوجود بھی منفرد حیثیت کا مالک نہ ہوتا۔ قائداعظمؒ کی اتنی مختصر حکومتی سربراہی کو لوگ آج تک یاد نہ کرتے ہوتے اور عشرہ منانے والے گمنامی کی غاروں میں دھکیلے نہ جا چکے ہوتے۔ اگر ہر ماں کو اس کے تصور کا اشرف المخلوقات بچہ میسّر نہ آیا، ہر باپ کے سامنے اس سے بہتر بیٹا سچ مچ کر کھڑا نہ ہوا تو تحریکیں چلیں گی، چلتی رہیں گی۔ کوئی مثبت تحریک کبھی مکمل طور پر ناکام نہیں ہوا کرتی۔ جو کام ۱۸۵۷ میں نہ ہو سکے، وہ ۱۹۴۷ میں ہو جایا کرتا ہے۔ آرنلڈ، گوئٹے، نطشے ہار جایا کرتے ہیں اور اقبال جیت جایا کرتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کو قید کیا جا سکتا ہے مگر محمد علی جناحؒ کو قید ہوئے بغیر نئی اسلامی مملکت کو وجود میں لانے سے نہیں روکا جا سکتا، چاہے لیڈی ماؤنٹ بیٹن ڈیانا سے بھی زیادہ حسین ہو اور نہرو کتنا ہی حسن پرست حسین کیوں نہ ہو۔ اس لئے تحریک چلانے والے اور تحریک

Marfat.com

چلوانے والے اصل مسائل کو سمجھیں اور ان کے حل کی طرف متوجہ ہوں۔ منفی روّیہ اختیار نہ کریں، اثبات کو اپنائیں ورنہ ہر دو طرف اشخاص ہی بدلیں گے، حالات نہیں بدلیں گے۔ کیا حکومت وسیاست کے کوئی باہمی فرائض نہیں ہوتے؟ مفکّرِ پاکستان اگر آج زندہ ہوتے تو دریافت کرتے کہ سیاست سے دین جُدا ہو جائے تو تسلیم کہ چنگیزی رہ جاتی ہے، لیکن سیاست سے حکومت کو جُدا کر دیا جائے تو کیا باقی رہے گا۔ اور سیاست وحکومت میں ٹھن جائے تو ایوانِ عام پر آپ کا کون سا شعر لکھا جائے اور دیوانِ خاص میں در آنے والے کے رو برو خودی بلند کرنے کی پاداش میں سزا کھاتے وقت مردِ مومن کو کراہنا چاہیئے یا نہیں۔ حکومتِ بے سیاست اور سیاستِ بے حکومت کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ انسان کی تکریم بحال کریں۔ بے وسیلہ افراد کو اوّل درجے کا شہری تسلیم کریں۔ محنت وسرمایہ میں فطری رشتے قائم کریں۔ ہر انسان کا مقام اس کی اہلیتوں کی بنا پر متعین کریں۔ انسان کو انسان کے تسلّط سے آزاد کریں۔ جانیں کہ متوسط طبقہ معاشرہ کا ذہن ہی نہیں، شہ رگ بھی ہوتا ہے۔ معاشرہ کو اس کی سیاست نہیں، معصومیت لوٹا دیں۔ چالاکی یا شرارت کو دانش نہیں کہا جاتا۔ اہتمام کریں کہ اپنے خالق کے سوا انسان کسی اور کا دستِ نگر نہ رہے۔ پھیلے ہوئے انسانی ہاتھ اللہ کی رزاقیت کے لئے طعن ہیں۔ دین کو ملوکیت، آمریت اور سلطانی کی عطا کردہ منافقت وجہالت وتحریف سے آزاد کرائیں۔ عوام کو اگر ملاوٹ، مہنگائی، رشوت، چور بازاری، عدم تحفظ، بے انصافی، تشدّد اور سزاؤں کے مگرمچھوں کے کھلے دہانوں میں دھکیل دیا جائے تو ان کے مردہ جسموں پر جھپٹنے کے لئے جنگلوں سے درندے اور فضاؤں سے کرگس اُتر آیا کرتے ہیں۔ فرصت کے لمحات میں کرگسوں کو بلند مینار اور اونچے

Marfat.com

کلس بہت پسند ہوتے ہیں۔ جو معاشرہ اپنے شاہینوں کو بے پر کر دے، وہ کرگسوں کی من مانیوں کا شکار تو ہو گا ہی۔ اگر فریقین اقتدار عمیق گہرائیوں میں نہ بھی جھانکیں، پس پردہ حسینوں کو بے پردہ نہ بھی کریں اور فقط یہ حساب لگائیں کہ صرف پولیس کے اہل کاروں کی زبان زدِ عام بددیانتی، قانون شکنی اور فرعونیت کی وجہ سے کتنے معصوم گھرانوں کی عزت لٹی، مستقبل تباہ ہوا۔ کتنی چادریں داغ دار ہوئیں، کتنی سفید پگڑیاں ان کے پاؤں تلے روندی گئیں اور جب کبھی پولیس آفسر "ماخوذ" ہوئے تو مدعیان وگواہان و وارثان کے آنسوؤں دُھلے ضمیر بالآخر کیوں کر تُل گئے، تو پاکستان کا ہر سابقہ حکمران آج تاریخ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جائے گا کہ میرا نام "جملہ حقوق محفوظ ہیں" والی سطر میں بھی نہ لکھنا۔ جس معاشرہ میں بے سود کتابوں کے جملہ حقوق تو محفوظ ہوں مگر انسانوں کا ایک بھی حق محفوظ نہ ہو، اس معاشرے میں دنیا بھر کے رائج الوقت آئین بھی نافذ کر دیئے جائیں تو زندہ نہیں رہے گا۔ خدا خود گواہی دیتا ہے کہ ایسے معاشرے زندہ نہیں رکھے جا سکتے۔ مثبت روی اور خالقِ کائنات کی نیابت کے سوا انسانیت کے ان زخموں کا درماں کسی اور انسانی نظامِ حکومت میں موجود نہیں۔ خواجگی مسکرات ڈھالتی رہتی ہے۔ جہانگیروں کے ہاتھ میں جام سجا رہتا ہے۔ نور جہانوں کا ید بیضا بیٹھے تھپکتا رہتا ہے اور انصاف ہوتا رہتا ہے۔ اللہ اور رسولؐ کی نیابت وخلافت کے اصول دیباچوں میں نہیں، دل و نگاہ و دماغ میں سجانے سے بات بنتی ہے..... حاکم اور رعایا سب اسی دھرتی کے وسائل کے مرہونِ احسان ہیں۔ ہر دو کی پیدائش و مرگ ایک ہی ہستی کے اختیار میں ہے..... دونوں کے مفادات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کو اٹھا کر

Marfat.com

بحیرہ عرب میں نہیں پھینک سکتا۔ کوئی معاشرہ دوامی اختلافات ومحاذ آرائی و
حرصِ اقتدار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔" ندا و لُھا" کائنات کا بنیادی اصول ہے،
یہی کائناتی تحریک ہے۔ اجسام پر حکومت حاصل نہ بھی ہو تو دلوں پر حکومت
کی جاسکتی ہے۔ اس مملکت خدا داد میں یہ کیا کیا نظام نافذ کرتے آئے ہو، کہ
ہر بچہ جو" بادشاہ" ہوتا ہے، بالغ ہونے تک مجرم و بے حکم بن کر رہ جاتا ہے۔
گزشتہ ۳۶ برسوں میں ان گنت اہلیتوں کے خزانے لئے ہوئے لوگوں
کو اس ملک کے سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے بے نام وگم نام مرتے دیکھا
ہے۔ متوسط طبقہ کے افلاک پر کتنے آفتاب سرمایہ داروں کے پھیلائے ہوئے
اندھیروں نے نظر نہ آنے دیئے۔ کتنے محبانِ وطن سرمایہ دار سیاست کے
گٹھ جوڑ کی مکروہ سازشوں کا شکار ہو گئے۔ انسانی توقیر، تکریم، اخلاص
حب الوطنی اور بالغ نظری پر کن کمیں گاہوں سے تیر چلے.....
پیشتر اس کے کہ خدا اپنے انتظام سے ان حقائق کو واضح کر دے اور آج
کی منوّر شرارتوں کی وجہ سے معاشرہ کسی مثالی عتاب کا شکار ہو جائے،
دانشورو! فریقین کو باور کراؤ کہ جن راہوں پر تم چل نکلے ہو یہ کسی آبادی
کی طرف نہیں جاتیں، اندازِ فکر و عمل بدلو اور اس وقت سے ڈرو جب
لوگ چلّا اٹھیں" ہمیں فریقین میں سے کسی کی بھی ضرورت نہیں"

Marfat.com

جنابِ صدر/ شرحِ صدر کار ہے

انعقادِ انتخابات کے وعدہ کو دو مرتبہ طلاق کے بعد تیسرے وعدہ کی قطعی تاریخ دفا
مقرر کیے بغیر یہ اقرار بار بار دہرایا جا رہا ہے کہ مارچ ۱۹۸۵ء تک جملہ انتخابی مراحل طے
کر لیے جائیں گے۔ ایک ذیلی وعدہ یہ بھی ہے کہ ہوسکتا ہے ایک بڑا انتخاب اسی سال
میں وارد ہو جائے۔ اس وعدہ کی ساخت میں دھمکی زیادہ ہے اور وعدہ کم۔ یہ بھی نشر
ہو چکا کہ طرزِ انتخاب اسلامی ہوگا۔ مگر ان اعلانات کے مافی الضمیر میں اس قسم کی
لغزش کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ اقتدار بھی منتقل ہو جائے گا۔ لہٰذا جملہ حریفانِ
اقتدار، وطن باقیماندہ کے سیاسی لبسیارِ کار، منفعت ملّت کے منفی نویس، امریکی ٹیکئے،
فرنگی مُہرے، روسی بساطیئے، سرمایہ مجتمع کرنے، غنڈے اکٹھا کرنے، اسلحہ کا انتظام کرنے،
جعلی ووٹ بنوانے، نئی دھاندلیاں ایجاد کرنے اور سادہ لوح عوام کو احمقوں کی
نئی جنت میں بسانے کی تدابیر سوچنے سے پہلے جان لیں کہ حالات و رفتار کے پیشِ نظر
موجودہ مدت میں ان کی ذہنی ریاستوں پر شاید ایسا انتخابی حملہ تو ہو جائے جس
میں انتخابات شکست کھا جائیں۔ لیکن انکے تصوّر کے انتخابات اولاً تو ہزار نیک نیتی،
کاوش و کشمکش کے باوجود ہوں گے ہی نہیں۔ اس لئے کہ اگرچہ بروا بھی ہونہار ہے، پات
بھی چکنے ہیں مگر حالات کی نیت مثبت نہیں۔ بین الاقوامی سیاست کا اندر، پوف
"جہانِ آں" میں ہے اور "جہانِ این" میں ریگن رینگ رہا ہے۔ نہ معلوم سرخ

Marfat.com

سویرے کے سفید ہاتھی کب چنگھاڑنے لگیں، سفید ریچھ بلوچستان کی طرف بیٹھ گئے اُلٹے پاؤں چلنے لگے کہ لو واپس جارہا ہوں۔ انتخابات اگر سرزد ہو بھی گئے تو اقتدار منتقل نہیں ہوگا۔ انتخابات اِیتائے زکوٰۃ اقتدار کے لئے کروائے جائیں گے، عطائے اقتدار کے لئے نہیں۔ انتخابات کا جو خواب سیاسی اذہان کے خلا میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے، نہ صرف یہ کہ شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا، تعبیر پر شرمندہ بھی ہوگا۔ ہوسکتا ہے کسی خاص قسم کے انتخابات سے نئی پرانی آسامیاں پُر کرلی جائیں۔ ایوان اقتدار کی بلند و بالا دیواروں کے سائے تلے سیاسی استراحت میسّر آجائے۔ مور پنکھ ہلانے پر مامور کرلیا جائے۔ قطاروں میں کھڑے ہوکر دید آمد و رخصت بالانشین کے نظارے کروا دیئے جائیں، تدبیر کو سر بھرا اور فکر کو مفلوج کرکے قلمدانِ وزارت کو دیکھتے رہنے کی اجازت مِل جائے۔ لیکن اگر کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ تمنّا کہیں گوشہ نشین ہے کہ وہ اقتدار نشین تو کجا، قدر نشین بھی ہوسکتا ہے تو چراغ گُل کر لے اور چٹخنی چڑھا لے کہ عافیت اسی میں ہے۔ ورنہ ہر سیاسی جواری اپنے خانۂ کار کو کسی نہ کسی شبخون کی زد میں پائے گا۔ آج کے سیاست دان کوئی یوسفانِ وقت نہیں کہ آج قید خانے میں ہیں تو کل خزانوں پر مامور کر دیئے جائیں گے۔ یوسفؑ یعقوبؑ جلائے تھے، یہ عقب سائے ہیں، وقت عصر کے مسافر ہیں، محلّوں کے متمنّی ہوں گے مگر وقت مغرب آلے گا اور سراؤں میں قیام پر مجبور ہو جائیں گے۔ جو یہ بھی نہ جان سکے کہ بندوں کی فطرت میں اقتدار لینا ہوتا ہے، اقتدار دینا نہیں ہوتا، بندے اقتدار بانٹا نہیں کرتے گنوا دیا کرتے ہیں، میدان سیاست کا نہیں صحرائے قباحت کا پیاسا شہ سوار ہوتا ہے۔ ہر شہ سوار کی عقل اتنا دھوکہ تو بہرحال کھا ہی جاتی ہے کہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور سمجھ بیٹھتا ہے کہ شاہ پر سوار ہوں۔ جو بندوں سے خدائی صفات کے طلبگار رہتے ہیں، بندوں کو خدا مان

Marfat.com

لینے پر مجبور ہو جایا کرتے ہیں ۔ سیاسی فکر اگر فقر سے عاری ہو جائے تو انسان فقط وہ عمروعیّار بن کر رہ جاتا ہے جس کی زنبیل گم ہو گئی ہو ۔ لہٰذا موجودہ انتخابات کی ساحری آج کی سیاست کو مؤخر و کالعدم قرار دینے کا موجب ہوگی جس کو دکان بڑھانا ہو بروقت بڑھالے ۔ یہ دعویٰ کہ انتخابات اسلامی ہوں گے اور آئندہ حکومت کی تشکیل اسلامی بنیادوں پر ہوگی، اگر انتہائی نیک نیتی پر بھی مبنی ہے تو جان کی اماں مانگے بغیر گزارش ہے کہ مسلمان ہونا اتنا آسان بھی نہیں ۔ بالخصوص جب کہ چاروں طرف تاریک پر پھیلائے ہوئے فرزندانِ عجم اپنے فکری پیشواؤں کو یقین دلائے ہوئے ہیں کہ ہم اسلام کا نظامِ حکومت، آئینِ قرآن و شرع پیغمبرؐ واضح ہی نہیں ہونے دیں گے ۔ جب تک ہم ہیں اسلام کو مغربی مکتبِ فکر کی چٹائیوں پر دو زانو بٹھائے رکھیں گے ۔ تفصیل کی باریکیوں کی نشان دہی کئے بغیر بھی اگر عرض کیا جائے کہ از روئے نظمِ اسلام سربراہِ انتظامِ مملکت کا بلا واسطہ منتخب ہونا لازم ہے تو کیا انکار ممکن ہوگا ۔ اور پھر یہ کہ اسلام میں سب سے پہلا انتخاب تو سربراہ کا ہوتا ہے ۔ جس کی اولین شرط یہ ہے کہ جو عہدہ کا طالب ہو، اُسے عہدہ نہ دیا جائے ۔ عہدہ کے حریصوں اور طلبگاروں کو صدائے عام دینا، نامزدگیاں طلب کرنا، اس کے لئے مہم جوئی کروانا، انتخابی مہم کے لئے وقت دینا، وسائل و مواقع مہیا کرنا، ماسوا سرمایہ داروں اور اجارہ داروں کے ہر کسی پر تمام دروازے عملاً بند کر دینا ۔ اے فقیہانِ شرعِ نو اور مشیرانِ سیاستِ تازہ، ہمیں بھی تو بتاؤ کون سی آیتِ قرآن اور حدیثِ رسولِ مقبولؐ میں درج ہے ۔ یہ رازِ عمیق کون سی فقہ کی دریافت ہے، تاریخِ سیاستِ اسلام کے کون سے باب میں اس کا تذکرہ ہے ۔ دانشِ افرنگ کے یہ متحرک اسلامی غلاف پوش جو نہایت پرکاری سے ہر ذہنی خلوص کی قوتِ ایمان کے روبرو شمعِ عجم روشن کئے تخلیقات یہود و نصاریٰ

Marfat.com

کے منظوم عربی ترجمہ کو نغمۂ حجاز قرار دے کر طبلۂ یہود کی تال پر تانیں اٹھانے میں ماہر ہیں، نہ معلوم کیوں آ دھمکتے ہیں اور کس کے اشارے پر ان کی کوکھ سے برآمد شدہ نت نئی الحادی تاویلات اجتہاد کے جھولنے میں جھلانے کے لئے لٹا دی جاتی ہیں، کہ مادر وطن تلاش درماں میں حکما کی مشاورت سے ہی فارغ نہیں ہو پاتی۔

ہر چند کہ خدا ان کو خوب سمجھ رہا ہے اور بالآخر ان سے بھی سمجھنے والا ہے، مگر پھر بھی نہ معلوم انہیں کیوں خوف نہیں آتا اور کیوں واضح نہیں کر دیتے کہ اسلام میں سربراہ کا انتخاب ہی امر اوّل ہے جسے باہمی مشاورت سے طے کرنا ہوتا ہے اور مشاورت تبادلۂ خیالات، ما فی الضمیر کے دیانت دارانہ اظہار، بے رشک و بے حسد و بے رقابت رائے دہی اور پابندئ احکام قرآن، نیز بالآخر متفق و یک رائے ہو جانے کے عہد کے بغیر نہ تعمیری ہوتی ہے نہ اپنے مقاصد حاصل کر سکتی ہے۔ تسلیم کہ اسلام میں حق رائے دہی یونیورسل ہے۔ ہر انسان پیدائشی طور پر مکرّم، باشعور اور اہل رائے پیدا کیا گیا ہے لیکن اولاً تو یہ واضح فرمائیے کہ ازروئے اسلام شعور اور رائے کا سرچشمہ انسانی دماغ ہے یا قلب۔ اور دوم یہ کہ جو شخص اعمال بد سے اپنے شعور کو اپنے ہاتھوں قتل کر چکا ہو، کیا اسے بھی اہل رائے کہیں گے۔ جو خود اپنی حفاظت نہ کر سکا، کیا معاشرہ کا محافظ منتخب کرنے کا حق اُسے تفویض کیا جا سکتا ہے۔ شادی کا اہل ہو جانا اور اہل رائے ہو جانا کیا ایک ہی کیفیت کے دو نام ہیں۔ جسے اتنا بھی شعور نہیں کہ جنسی تسکین کے لئے معاشرتی اجازت لازم ہے، کیا وہ بھی اہل رائے ہی ہے۔ جو اپنی عقل کے بوجھ تلے اتنا دب گیا کہ شعور سے فرار حاصل کرنے کے لئے شراب پینے لگا، ذہن کو خمارزدہ رکھنے کا عادی ہو گیا، کیا اُسے بھی اہل رائے ہی قرار دیں گے۔ جو اللہ کے رازق ہونے سے مایوس ہو کر چور ہونے کی حد تک قنوطی ہو گیا، وہ بھی بالغ الرائے

Marfat.com

ہے۔ جو ارتداد کا مرتکب ہوا، اُسے بھی اہل رائے ہی کہیں گے۔ اچھائی کا دشمن اور برائی کا ساتھی ہے، کیا وہ بھی اہل رائے ہے۔ جو معروف کا منکر اور منکر کا معتقد ہے، کیا اس کے شعور کو بھی زندہ تسلیم کر لیا جائے۔ جو یہ بھول گیا کہ اس زیاں خانے میں حالیہ زندگی اُخروی زندگی کے انعامات کے لئے اس کا امتحان ہے، جو نزولِ قرآن کے باوجود اقرارِ رسالتِ محمد مصطفےٰ ﷺ اور اس کی تصدیق بالقلب سے گریزاں رہا کیا وہ بھی اہل رائے ہے۔ اس سے بھی دریافت کرنا ضروری ہے کہ سربراہ نظامِ مملکت اسلام کون ہونا چاہیئے۔ اس کی رائے بھی اہل ہو گی۔ نہیں! کیا اسلام کسی رُوسو، کسی لینن، کسی کارل مارکس کو اہل رائے تسلیم کرتا ہے۔ کیا یہ سبھی پرکار یہودی مفکّروں کے کارندے نہیں تھے۔ کیا انہوں نے انسانوں کو انسانوں کی حاکمیت ہی نہیں، ملکیت کی زد میں نہیں دیا۔ ہو سکتا ہے ہمارے علم میں نہ ہو، کچھ رازہائے سربستہ صرف مفتیانِ دربار کو ہی معلوم ہوں۔ بتا دُنا! ان کا بھی اہل رائے ہونا کہاں تحریر ہے۔ جو ہم نہ پڑھ سکے، چلو یہ ہمارا سہو ہی سہی لیکن اگر یہ قانون رائج ہو جائے کہ ہر انسان کو اہل رائے تسلیم کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ جس کے اعمال اللہ کی حدود پھلانگ جائیں اس کا حق رائے دہی معطل کر دیا جائے گا۔ جرم ثابت ہو جائے تو منسوخ کر دیا جائے گا۔ کسی مسلّمہ زانی، شرابی، چور، راہزن، عصمت فروش، عفت زن مرتد کو رائے دہندگی کا حق نہیں ہو گا۔ تو خدا کی نہیں۔ اے سادہ لوحوں کے مشیرو! "جو اصلاً رقیبوں کے نامہ بر ہو" اپنے ہی نفسِ امّارہ کی قسم کھا کر کہو، کیا یہ عمل و دستور ناجائز ہو گا۔ غور کرو، تم شرفاء کے محافظ ہو یا بدکرداروں کے راہ نما ہو۔ کیوں یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ سب سے بڑا انتخاب جو ہونے والا ہے، سربراہ مملکت کا ہونا چاہیئے اور اس بنیاد پر ہونا چاہیئے کہ تم میں سب سے بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ نیک اور دانشور ہے اور سب سے زیادہ نیک۔

Marfat.com

اور دانشور وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے خائف ہے۔ سیاستِ دورِ حاضر جس کی دریافت و ایجاد ہے، اس کا نام تو مفکرِ پاکستان سے پوچھ لینا۔ ملّتِ اسلامیہ کے مفاد میں اتنا ہی کر لو کہ گزشتہ ۳۶ سالوں میں جس کے نام شراب کا پرمٹ جاری ہوا ہو، سیاست میں حصّہ لینے کے اہل نہ رہے۔ کیا یہ زیب دیتا ہے کہ سیاسی راہ نما چرس و افیون و شراب و کوکین، جوئے، سٹّے اور گھوڑ دوڑوں میں شرطیں لگانے کے رسیا بھی ہوں۔ کیا سیاست کا اخلاقی قدروں کا دشمن ہونا بھی رَوا ہے۔ اگر اسلام دخل در معقولات ہونے کی اجازت دیتا ہے تو ہمیں بھی آگاہ کرو کہ ان نیکو کاروں کی مخالفت کر کے ہم سے سہواً کوئی گناہ سرزد نہ ہو گیا ہو۔ ہمیں توبہ کرنے کا موقع دے دو ہم شکر گزار رہوں گے۔ ہمیں توبہ بھی نہ کرنے دو، سزا دے دو مگر جان رکھو جو اپنے نفسِ امارہ سے شکست کھا چکے ہیں، مارشل لاء ان سے شکست نہیں کھائے گا۔ جو اتنی بڑی بڑی سیاسی شرارتیں سوچ سکتے ہیں ایسے قوانین کیوں تجویز نہیں کر سکتے جس سے مغربی طرزِ انتخاب مشاورتِ امور کے واضح اصولوں میں ڈھل جائے جن کے تحت واقعی اہل کارِ خدا و رسولؐ کا انتخاب ہو سکے۔ راہ گم گشتہ کارندو۔ اللہ کے اہل کار تلاش کرنے کے لئے شرابیوں، زانیوں اور دیگر بدکاروں سے رائے طلب کرنے کے عمل پر حق رائے بالغ دہی کا گرگٹی رنگ پردہ ڈال کر کس برتنے اور کس جرأت سے اِسے اسلامی کہتے ہو۔ نہ کہو، ڈوب جاؤ گے، غرق ہو جاؤ گے، بے نام و نشان ہو جاؤ گے۔ یہ زمانے کو اسلام کے مطابق نہیں، اسلام کو زمانے کے مطابق کرنے کا عمل ہے۔ اسلام کے نافذ کرنے کا نہیں، اسے محتاج کرنے کا عمل ہے۔ اس سے باز آؤ۔ یہ بھی گزارش ہے کہ مجالسِ شوریٰ کے ذریعہ امیر کا انتخاب نہ کبھی وقت کا تقاضا تھا، نہ آج ہے۔ قرونِ اولیٰ کے سیاسی ارتقا کو بھینگی آنکھ سے

Marfat.com

نہ دیکھو۔ مجلس شوریٰ کا امیر نہیں ہوتا، امیر کی مجلسِ شوریٰ ہوتی ہے۔ امیر تو مومنین کا ہوتا ہے۔ امیر کے انتخاب کے بعد مجلسِ شوریٰ کا انتخاب صحیح طرزِ عمل و طریقِ کار تشکیلِ حکومت ہے۔ امیر کے لئے لازم ہے کہ امورِ مملکت کا تعین کرے، مسائل قوم و ملک کو یکجا کر کے پھر مجالسِ مشاورت قائم کرے۔ مختلف امور سے متعلق تجربہ کار، اہل رائے، نیک اور متقی دانشور منتخب کرنے کے لئے قوم سے امداد طلب کرے۔ اور قوم خلوص نیّت سے بے لوث ہو کر تمام مخالفتوں، رقابتوں، رنجشوں اور گروہی تفریق و تقسیم سے بالاتر ہو کر اللہ اور رسولؐ کی پسند و معیار کے نمائندے مشاورت کے لئے مہیّا کرے۔ کیا یہ صالح عمل نہیں ہوگا کہ مزید اطمینان کے لئے تمام ارکان مجالسِ مشاورت، عہدیدار اور اہل کار ایک ہی روز ایک ساتھ حلف اٹھائیں کہ وہ شراب کو رجزِ شیطان جان کر اس سے اجتناب کریں گے، ہر معروف پر کاربند رہیں گے اور منکر کی نہی کریں گے۔ ان کے سپرد کی گئی امانت میں خیانت نہیں کریں گے۔ آخر کیوں ان سے حاکمیت الٰہی اور تقدّس رسولؐ کی قسم نہ لی جائے۔ ایسا کرنے سے پوری قوم کا کھویا ہوا اعتماد بحال نہ ہو جائے گا۔ اصل مرض یہ نہیں کہ معاشرہ نیک نہیں، اصل مرض یہ ہے کہ چند لوگ معاشرہ کو نیک نہیں کرنا چاہتے۔ علم دستورِ آئین امرِ مشکل سہی، علمِ قانون کو ہی جانا ہوتا۔ زکوٰۃ کے نظامِ نشو و نما ہونے کی بات تو شاید محض فلسفہ کہہ کر رد کر دی جائے لیکن اگر یہی قول صادق پیشِ نظر ہوتا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے یا بہ الفاظِ دیگر عدم ادائیگی پر حفاظت اس کی ذمہ داری نہیں۔ تو قانون یوں رائج ہوتا کہ جس نے زکوٰۃ ادا نہ کی، حکومت اس کے مال کی ذمہ دار نہ ہوگی، لُٹ گیا تو مقدمہ درج نہ ہوگا، تو آئندہ ہی روز گھروں کے باہر تختیاں نہ لٹک

Marfat.com

جائیں کہ اس گھر سے زکوٰۃ ادا ہو چکی ہے۔ پھر سال بھر میں دو ہفتوں کا خرچ عطا کر دینے سے اسلام کا نظامِ زکوٰۃ نافذ نہیں ہو جاتا۔ جمع شدہ رقم سے ہر بستی میں ایک صنعتی ادارہ قائم کر کے یہ شرط عائد کر دینا کہ اس میں صرف محتاج و مسکین ہی کام کریں گے، تمام تر آمدن ان ہی کا حق ہو گی، کیا تعمیری فلاحی اقدام نہ ہوتا۔ تھانوں میں بدکاروں کے لیے رجسٹر "الف" و "ب" کھولے جا سکتے ہیں تو ناداروں کی فہرست کیوں نہیں بن پاتی۔ سڑک پر بائیں ہاتھ نہ چلنا اگر لائق تعزیر ہے تو ہمسایوں اور اقربا کی شادی وغم میں شرکت نہ کرنا، اُن کے بھوکا سو جانے، بے علاج و تیمارداری رہنے پر تعزیر لگانا کیا ناممکن العمل ہے۔ صرف اتنا ہی اسلام نافذ کر دو کہ عدالتوں میں مقدمات کی پکار کرنے والے اللہ تعالیٰ بنام ۔۔۔۔۔ کی آواز لگائیں۔ پھر اثر دیکھو۔ کتنے خوابیدہ ضمیر جاگ اُٹھتے ہیں۔ اگر رسولؐ اللہ بنام ۔۔۔۔۔ پکار ہو تو آج بھی کسی مردہ ضمیر کے لیے ممکن نہیں کہ وہ زندہ نہ ہو جائے۔ لوگ عدالتوں کے برآمدوں میں ہی توبہ کے لیے سربسجدہ ہو جائیں گے۔ احساس تو دلاؤ کہ وہ اللہ اور رسولؐ کے مجرم بن گئے ہیں۔ تسلیم کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھا لیتے ہیں۔ ان سے ذرا رسولؐ اللہ کی قسم اٹھواؤ، پھر دیکھو، رقّتِ قلب کیا رنگ لاتی ہے۔ عادل نہ سہی، منصف ہی سہی، سماعت سے پیشتر فریقین کو رسول اللہؐ کی ضمانت دے کہ وہ انصاف کرے گا۔ خلافتِ رسولؐ محض زبان سے ہی قائم نہیں ہو جاتی۔ اگر یہ مداخلت فی الدین ہے تو شرائطِ ملازمت میں یہ شرط بھی شامل کر دو کہ جس منصف کے سال بھر کے فیصلوں میں تین فیصلے اس کی اعلیٰ عدالتوں نے کالعدم قرار دے دیئے تو اُسے اختیارِ انصاف سے محروم کر دیا جائے گا۔ جس پولیس آفسر کے چالان کئے گئے ملزم کو عدالت نے بے گناہ اور بلاوجہ ملوث کیا گیا، قرار

Marfat.com

دے دیا، اُسے اس بے گناہ کو ہرجانہ اپنی جیب سے ادا کرنا ہوگا۔ یہی کر دو کہ تعداد سے زیادہ سواریاں ہوں گی تو کوچوان اور ڈرائیور کے علاوہ ان سواریوں کا بھی چالان ہوگا۔ یہ تو معمولی قوانین کی باتیں ہیں۔ یہی کر دیجئے اور جنوری ۱۹۸۵ء تک کر دیجئے۔ پھر انتخابات کروائیے اور مان جائیے کہ سب سے بڑا انتخاب سربراہِ انتظام مملکت کا انتخاب ہے، اسے اوّلیت دیجئے۔ مسلمانوں کو بلاواسطہ اپنے امیر کے انتخاب کا حق ہے۔ امیر اگر مجلس شوریٰ کے ووٹوں کا محتاج بن گیا تو جنابِ صدر مغربی جمہوریت کی تمام ترخرابیاں اسلام میں سمو دینے کا عمل جاری ہو جائے گا اور تمام راہیں تاریک ہو جائیں گی جن پر یہ پرکار مشیر اپنی مرضی کی شمعیں روشن کرنے کی فکر میں ہیں۔ ہم فقیروں کو تو عہدۂ صدر نہیں، شرحِ صدر درکار ہے۔ ہم فقط بدّو ہیں اور چادر کا طول و عرض دریافت کرنے کا حق مانگتے ہیں۔ فقیر اتنے کمین نہیں ہوتے کہ عہدے طلب کریں۔ اور جو عہدہ طلب ہوں، امانت مشاورت کے اہل نہیں ہوتے۔ حصولِ مرتبت کے لئے خوشامد کرتے ہیں، حاصل ہو جائے تو سازش۔

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایمان ہے

انتخاب کے تمام مراحل مکمل ہو کر آئین کی مکمل بحالی کے منتظر ہیں۔ مغربی جمہوریت کے چولے کو نظام اسلام کا غلاف بنانے کے لئے آئینی ترامیم اور اسلامی انتخابی منشور کی قطع و برید بھی ہو چکی۔ جو کچھ منظرِ عام پر لایا گیا، مستقبل تحقیق کرتا رہے گا کہ اسلام اور جمہوریت کے امتزاج سے جو سیاسی نور فضاؤں میں پھیلانے کی نوید سنائی گئی ہے وہ میدان سیاست کے اُفق پر پھیلے گا، یا شفق پر۔ حق و باطل کی آمیزش سے منع کرنا مفکرِ پاکستان کی کوتاہ نظری تھی یا عبرت ہماری تلاش میں ہے، قوم حکمرانوں کی ساحری کی زد میں آگئی ہے یا سروری اُسی ذاتِ بے ہمتا کو زیبا قرار دی جاتی ہے۔ جمہوری قبا میں پائے کوب دیو استبداد رقص کناں ہوتا ہے یا آزادی کی نیلم پری کے حضور عامۃ الناس عرض گزار ہوتے ہیں کہ ساقی گری کا لحاظ کرو۔ ۴۰ سال ہوئے انسانوں کی حاکمیت کی زکوٰۃ پر گزارا ہو رہا ہے۔ روشن روشن چہرہ ہی بے سدھ کئے رکھتا ہے یا اندرونِ چنگیز کی تاریکیوں کا بھی کوئی مداوا تلاش ہو پاتا ہے۔ رند و فقیہ و میر و پیر خلق خدا کو اپنی گھات میں لے آتے ہیں یا بندگانِ کوچہ گرد کو بھی بلند بامی نصیب ہوتی ہے۔ بندۂ مومن کا دین سرمایہ داروں کی زرگری کی جمہوری جنگ میں سفید جھنڈا لہراتا ہے یا طبلِ جنگ کی

Marfat.com

کارفرمائیاں اپنے ذمہ لیتا ہے۔ ترامیم کی ترامیم ہوتی ہیں۔ یا الم تا والناس کے جملہ رشتہ و پیوند شکست و ریختگی سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ سرمائے، مسلح و زرہ پوش بیوروکریسی اور بائیکاٹی سیاست نے انتخابات کے مثبت نتائج کی جھولی سے ایک ہی جھپٹ میں، ایک ہی انداز میں اتنا کچھ چھین لیا کہ میدان سیاست میں کرگس و شاہیں ہم خود ہم سایہ نظر آنے لگے اور نہ صرف امیدیں بیٹھ گئیں اعتماد بھی اٹھنے لگا۔ اسلامی انتخابی منشور جسے مغربی جمہوری طریق انتخاب کے صدر دروازے پر تحریر کیا گیا تھا، کس حد تک پیش رفت آزما ہوا اور کس کس سمت اس نے محفوظ پسپائی اختیار کی۔ ہر "انسان" شہری کو اپنی ہی آنکھ سے اندازہ کرلینا چاہیئے کہ اقتدار یا حرص اقتدار کی آنکھ ان معاملات میں غیر جانبدار ہی نہیں، نابینا بھی ہوتی ہے۔ کہیں ساون کے اندھوں کو ہرا ہی ہرا دکھائی دیتا ہے تو کہیں بیساکھ کے اندھوں کو گندم کٹی ہوئی ہی نظر آتی ہے۔ اور جو لوگ پوس کی رات دیدے نکلوا بیٹھے، یہی پکاریں گے، روشنی نہ تھی، نہ ہے، نہ ہوگی۔ یہ تمازت جو محسوس ہوتی ہے آفتاب کی نہیں چولہے کی آگ کی ہے۔ مفکر پاکستان نے بجا فرمایا تھا کہ زمانے میں زندہ قوموں کا نشان ہوتا ہے کہ ان کی تقدیریں صبح و شام بدلتی ہیں۔ کاش وہ یہ بھی فرما جاتے کہ صبح و شام اگر تقدیریں بدل جائیں تو قوموں کے نشان کس طرح ڈھونڈھے جائیں۔ نظریہ پاکستان کی حفاظت ضرورت کے نظریات کی زرہ پہن کر نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے اس پر تیر آزمائی بیرون سے محض نمائشی ہے۔ حقیقی نشانہ باز تیر افگن تو اندرون جسم مورچہ بند ہیں۔ عوام نے خلوص نیت سے نظام اسلام کے نفاذ کے حق میں فیصلہ دیا۔ دستاویز اختیار جن ہاتھوں میں تھمائی گئی، وہ ناخنِ تدبیر سے آراستہ بھی ہیں اور گتھیاں

Marfat.com

سلجھانے کے اہل بھی۔ مگر مدت کے نخچیروں کا انداز نگاہ بھی بدلا یا نہیں طریقِ شاہبازی ان پر فاش ہوا یا صدا بصحرا ہو کر رہ گیا، ابھی دیکھنا باقی ہے۔ اور نیک نیتی کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ عملاً مشاہدہ کے بغیر کسی کی نیت پر گمان نہ کیا جائے۔ قوم اسلام کے نفاذ کی منتظر ہے اور دین اسلام صرف سجدہ کی اجازت کا ہی نہیں، انسانی اہلیتوں اور ان کے ارتقا کے نظام کا علمبردار ہے، تسخیرِ انسان نہیں شرفِ انسان و تسخیرِ باطل کا دعویدار ہے۔ وسائل ارضی کی متوازن و مساوی تقسیم، محرومیت کشی اور قلب و ذہن کے تضادات کو مٹا کر انسانوں کو یکسو و مطمئن کرنے کا ضابطہ کار ہے۔ جو دنیا کو انسانوں کے لئے جنت اور ہر شہری کو جنت کا حقدار نہ بنا دے، وہ مکمل نظامِ اسلام نہیں۔ مملکت کا شہری اور شہری کی مملکت ہونے میں سب سے پہلے اسلام نے ہی خطِ امتیاز کھینچا۔ سیاست اسلام میں نمائندے آئندہ نمائی کے لئے ہوتے ہیں، سروری اور حکمرانی کے لئے نہیں۔ ورنہ اہل الرائے کی قدغن نہ ہوتی۔ لوگوں نے اپنی آئندہ نسلیں جن افراد کی دانش کے سپرد کر دی ہیں، وہ اگر اپنی نیندیں بھی اپنے فرائض سے غافل رہے تو لکھا ہے، ایک ہستی ایسی بھی ہے جسے نہ نیند آتی ہے نہ اُونگھ، اور اُس کی کرسی ارض و سمٰوات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کاش لوگ کرسی کے مفہوم سے آگاہ ہوتے۔ تو کرسیوں کے لئے محاذ آرائی اور گروہ بندی کے وطیرہ کو نہ اپناتے۔ شکوہ صرف یہی نہیں ہے کہ معروف کے امر اور منکر کی نہی کا نظام برپا نہیں، یہ بھی ہے کہ لوگ جس قدر مغربی جمہوریت آگاہ ہیں، اتنے قرآن آشنا نہیں۔ صرف یہی نہیں کہ لوگ رزقِ حلال پر اکتفا نہیں کرتے، یہ بھی ہے کہ مروجہ نظامِ معیشت میں رزقِ حلال ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ یہی نہیں کہ شرفِ انسانی پر

Marfat.com

حرف آرہا ہے، یہ بھی ہے کہ کسی حرف میں شرف انسانی پنہاں نہیں ہے۔ یہی نہیں کہ قانون کو گویائی نصیب نہیں، یہ بھی ہے کہ قانون ازخود قانونگو ہے۔ اور یہی انسانی غلامی کی وہ کیفیت ہوتی ہے جس سے نجات کا واحد ذریعہ اللہ کی حاکمیت کا نفاذ ہے۔ کاش کوئی پارلیمان اقتدارِ اعلیٰ کی بجائے اعلیٰ اقدار کی پاسبانی کا مطالبہ کرتی، قدرت کی بجائے قدر کی متمنی ہوتی، عہدہ طلب کی بجائے عہدہ برآ ہوتی۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا پارلیمان کا دائرہ کار نہیں۔ اختلافِ رائے کو اللہ اور رسولؐ کے متعین کردہ اصولوں کی روشنی میں ختم کر کے یک رائے ہو جانا اس کا دستور نہیں۔ تو ابھی نظامِ اسلام کے نفاذ کی راہ میں سنگِ میل مغربی جمہوری میکاولی مکتبۂ فکر کے نصب کردہ ہیں۔ اگر الّا ما سعیٰ پر انسانی اجارہ داری کا تسلّط موجود ہے، العفو سے قانون گریز کر رہا ہے۔ اتقا ناپید ہے۔ اللہ اور روزِ آخرت پر یقین کامل نہیں، تعلیمات قرآن میں انسانی فکری ریب دخل انداز ہے۔ پیغمبرؐ خدا کا دانائے سبل، مولائے کل، ختم الرسل ہونا عملاً و فکراً آئینی و قانونی طور پر تسلیم نہیں تو بندہ نواز و! مسلمان کی رگِ جان ابھی پنجۂ یہود میں ہے۔ وہ مارکس ہو، ہیگل ہو، روسیو ہو کہ شیلے۔ جس کی آمد پر، جس پر ایمان لے آنے پر دیگر تمام پیغمبروں کی شرعی اطاعت ختم نہ کر دی جائے اُسے ختم الرسل کا حقیقی درجہ دینے میں انسانی عقل کوتاہی کی سزاوار ہو رہی ہوتی ہے۔ آج کے امیر مملکت اور اراکین مجلسِ شوریٰ کے بھی وہی فرائض ہیں جو خلفائے راشدین کے تھے۔ دین میں شخصیتیں بدل جانے سے فرائض نہیں بدل جاتے۔ فرائض انسانوں کے نہیں اللہ کے مقرر کردہ ہیں۔ جس کے روبرو جواب دیتے وقت انتخابی عمل میں رائے عامہ کے استحصال اور مہم جوئی کے تمام حربے بے پیندے

Marfat.com

گلاس کی طرح ناکارہ ولاحاصل ہوں گے۔ دین سے سیاست کو جدا نہیں کیا جاسکتا تو دین کو دنیوی زندگی سے بھی جدا نہیں رکھا جا سکتا دنیوی زندگی میں آج کا انسان کن مصائب اور پریشانیوں کا شکار ہے اس کی نشان دہی اگر کسی اور کو ہی کرنا ہے تو پھر کیا نمائندگان اپنے فرائض منصبی سے آگاہ تسلیم کرلئے جائیں۔ متوسط طبقہ کا انسان روزمرہ کتنی دفعہ مرتا ہے، کیونکہ زندہ درگور ہے۔ نوشتہء دیوار ہے۔ اس کی کیفیت انہی دیواروں پر تحریر ہے جن پر انتخابی اشتہار تحریر کئے گئے اور اُس غریب فن کار نے یہ تحریریں ضرور پڑھی ہوں گی جس نے یہ اشتہار راتوں کی سیاہی میں دنوں کے اجالے کے لئے تحریر کئے۔ نمائندگان وہ چہرے ہی پڑھ لیتے تو تمام عبارتیں واضح ہوگئی ہوتیں۔ رازِ سلطانی سے آگاہ ہونا ہی کافی نہیں ہوتا، فرائض و مقدرِ سلطانی بھی زیر نظر رہنے چاہئیں اپنے زخموں کو چھپاتے مگر درد سے کراہتے ہوئے انسانوں کو اپنا مخالف سمجھ لینا انسانی حکومتوں کی کوتاہی رہا ہے۔ انسان اگر اللہ کے احکام کے مطابق نظام حکومت قائم نہ کریں نوشتۂ قوت کے لئے سامانِ انسدادِ منشیات فطرت کے پاس کبھی کمیاب نہیں ہوا! جو التجا نہیں سُنا کرتے، ان کے لئے کبھی کسی نے دعا نہیں کی۔ خوف کی اطاعت کا نظام اطاعت مندوں سے خوف کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور جسے اطاعت مندوں سے خوف آنے لگے وہ شاہ و فقیر تو ہو سکتا ہے۔ راتوں کی خواب گاہیں، دنوں کی نشست گاہیں اور قصر و ایوان کے درمیان راہیں بدلتا ہوا، کھجور کے سائے تلے دوپہر کو سستاتا ہوا عمر فاروق رض تاریخ نے نہ اُسے کبھی پایا، نہ تسلیم کیا۔ اور آخر میں اے زمام بردارِ

Marfat.com

کارِنو! اللہ اور رسول اللہؐ کے احکامات کی وفاداری بشرطِ استواری اصل ایمان ہے۔ اور اگر سر پھوڑنا ہی راٹے دہندگان کا مقدّر ٹھرا دیا گیا تو پھر تمہارا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو۔

Marfat.com

چلے بھی جاؤ، کہ گلشن کا کاروبار چلے

چار روزہ عمرِ عزیز جس کے دو دن آرزو میں کٹ جانے اور دو انتظار میں بیت جانے کی مثل مشہور ہے، انسان مانگ کر لاتا اور قرض چکائے بغیر چلا جاتا ہے، اگر منفی سیاست کی نذر ہو جائیں تو دانشِ ملّی کے سازش و شرارت گزیدہ ہونے 'تیغ و سناں سے ہارنے اور طویل شب غم گزارنے کے کانٹے لرزنے لگتے ہیں۔ دانش و دانست پر منفی سیاست کا وہی عمل ہوتا ہے جو اذہان پر منشیات کا۔ جس فرد یا قوم کو اس کی لت پڑ جائے، کھجور سے کودنا اور ببول میں اٹک جانا اُس کا مشغلہ بن جاتا ہے۔ بھیڑوں کی خفگی سے گھبرا کر قیامِ امن کے لئے شیروں کو دعوتِ عمل تو وہی چرواہے دے سکتے ہیں جو بھنگ کے کھیتوں میں چرنے والی بھیڑوں کا تازہ دودھ پیئے ہوئے ہوں۔ منفی سیاست نااہلوں کی حرصِ اقتدار کی عطا ہوتی ہے۔ اس قسم کے اندھے بھکاریوں سے ہوشیار لوگ جعلی نوٹ بھنوا ہی لیا کرتے ہیں۔ ان ہتھکنڈوں سے اقتدار پر ہاتھ جا بھی پڑے تو فقط اندھوں کے دیوالی منانے کے مناظر برپا ہوتے ہیں' ۔ نااہلوں کی حرصِ اقتدار اتنی سوجھ بوجھ بھی باقی نہیں رہنے دیتی کہ انتقالِ اقتدار تاج منتقل کرنے کا عمل ہے' پاجامے تبدیل کرنے کا نہیں۔ حرصِ اقتدار کے طفیل دنیا بھر میں وہ دن گئے کہ سیاست آگاہ ہونے کے لئے لوگ دانشِ ارسطو

Marfat.com

وافلاطون وسقرط وبقراط سے استفادہ کرلیا کرتے تھے۔ وہ دن بھی نہ رہے جب فطرت آشنا ہونے کے لئے نظامِ کائنات پر غور کیا جاتا تھا۔ فکر و تدبر کے سلیقے سیکھنے کے لئے خالقِ کائنات کے حضور دست بستہ قیام، رموز دانش سے آگاہ ہو کر سبحان ربی العظیم کے کیف میں رکوع پذیر ہو کر ربنا لک الحمد کا اقرار کرتے، سبحان ربی الاعلیٰ پکارتے، جبینوں کو سجدہ آشنا کرکے، حضور پیغمبر دوزانو بیٹھ کر تکمیل فکر کو "تم سب پر سلامتی ہو" پر منتج کیا کرتے تھے۔ وہ دن یوں نہ رہے کہ خلافت نے ملوکیت کی قبا پہن لی۔ انسانوں نے رکوع وسجود سے کنارہ کرلیا۔ اعمال وافکار کی بجائے تجوریاں تکنے لگیں۔ سیاسی سہارے بدل گئے۔ گردنیں اس لئے اکڑ گئیں کہ جھکے تو تاج شاہی نہ لڑھک جائے۔ خصائل کی بجائے وسائل سیاسی اثاثہ قرار پائے۔ دانشوروں نے دستارِ فضیلت کے تہبند سلوالئے۔ طرّہ بقدر علم کی بجائے جیب بقدر رُتبہ کا رواج چل نکلا۔ سیاست پر فارغ العقل قارون اجارہ داریاں قائم کرنے لگے۔ عقل نے عیاری کو بطور پیشہ اپنا لیا۔ بے فکروں کے غول مراتبِ حکومت کے نیلام گھروں میں بولیاں بڑھانے لگے۔ یہ حقیقت فراموش کردی گئی کہ جو کان کی لوؤں کو چھو کر اللہ اکبر نہ کہیں، ان کے ہاتھوں میں تلوار کا آجانا ایسے ہی ہے جیسے کوئی ابنِ زیاد میدانِ کربلا میں در آیا ہو۔ بندوں کی حاکمیت کا قیام حسینؓ پر یزید کو کھلا چھوڑ دینے کا عمل ہے۔ بندوں کی حاکمیت کے سائے میں فقط وہی سیاست پنپتی ہے جو اہلِ کوفہ نے روا رکھی تھی۔ اللہ کی حاکمیت میں اگر سنگلاخ زمین سے زم زم پھوٹتا ہے تو بندوں کی حاکمیت میں اللہ کے بندوں پر تشنگی، کربلا وارد ہوجاتی ہے۔ شرفِ تخلیق کے سینے میں نوکِ سناں، خلافتِ ارضی کے ہاتھ میں کاسۂ گدائی، استبداد واستحصال کی دستار بندی کا رواج کونسی بزعمِ خود آزاد مملکت

Marfat.com

میں ساری نہیں۔ ترقی یافتہ و ترقی پذیر ممالک میں ان اشیاء کی فقط چمک دمک اور نقش و نگار مختلف ہیں، ان کے عوامل و نتائج میں کوئی فرق نہیں۔ درِ میخانہ کی پیشانی پر ہذا من فضل ربی تحریر کر دینے سے یا صراحیوں کی گردنوں میں تسبیحاں لٹکا دینے سے نہ سرورِ مے میں کمی آجاتی ہے، نہ میخوار عارف بن جاتے ہیں۔ صرف سادہ لوح دھوکا کھا جاتے ہیں، صرف پیرِ میخانہ کا فریب چل جاتا ہے۔ تاریخِ انسان تو ہی بتا، اپنے ہی سینہ پر ہاتھ رکھ کر بول! اللہ کی ملک یہ کرّہ ارض ملکوں ملکوں نو بہ نو ریاستوں اور راجدھانیوں میں کیوں تقسیم ہوا۔ سلطنتیں کیوں تاراج ہوئیں، خلقِ خدا کو ہاتھیوں اور گھوڑوں کے پاؤں تلے کیوں لتاڑا گیا۔ انسان ساختہ ٹینکوں، توپوں، بموں، میزائیلوں نے انسانوں کے خون کی ہولی کیوں رچائی۔ خاندانی منصوبہ بندی ہو، دختر کشی ہو کہ محاذ آرائی موت کے گھاٹ کون اتارا جاتا ہے، کون اتارتا ہے۔ انسان اپنی حاکمیت کے لئے اپنے ہی ہم نسلوں، اپنے ہی ہم جدّیوں کو نابود کرنے پر کیوں تُلا رہتا ہے۔ قوم، رنگ، نسل، سلطنت، تہذیب بلکہ انسانی معاشرہ کا سبھی کچھ غارت گری و آدم کُشی کو وطیرۂ حیات کیوں بنائے ہوئے ہے۔ انسان نوعِ انسان کا شکاری کیوں ہے۔ ملک و سربراہی کی مدہوش دھن میں یہ انسان جس گھر کے صحن میں کھیلتا، پلتا اور پرورش پاتا ہے، اُسی گھر کو تقسیم کرنے کے لئے اپنے ہی ماں بھائیوں کا دشمن بن کر جان پر کھیل جانے اور جانوں سے کھیل جانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ جس خاندان کے تعلق سے جانا اور پہچانا جاتا ہے، اسی کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔ اے ذوقِ حاکمیت کیا تیری کوکھ سے صرف سانپ ہی جنم لیتے ہیں کہ کاٹیں تو تریاق نہیں اور نہ کاٹیں تو معاشرہ کا نشہ ٹوٹنے لگتا ہے۔ سُرورِ اوّل و شرابِ آخر کا دستورِ میخانہ حاکمیتِ انسان کیا کیا نگنی کے ناچ نچوا گیا کہ پائل کی بجائے پاؤں بجنے لگے۔ جدھر دیکھو تقویم احسن اپنے ہاتھوں اسفل ہونے میں

Marfat.com

مصروف ہے ۔ اور سنتے ہیں، انسان ترقی کر رہا ہے ۔ نوبت بہ ایں جا رسید
کہ جو انسان تقسیم زمین پر وہ نجی ہو یا ملکی، تیغ زن تھا اب خود ساختہ مفروضات
کو ازم کا نام دے کر اس کی بالا تری کے لئے اپنے خالق سے یا منکر یا لاتعلق
ہو کر اس قدر سیکولر ہو گیا ہے جیسے آج کا انسان اللہ سے بہتر دانشمند ہو چکا
ہے ۔ اسے یہ یقین ہی نہیں رہا کہ اللہ بھی بندوں کو موت آشنا کر سکتا ہے ۔
لہذا نو بہ نو طریقہ ہائے ہلاکت انسان ایجاد کر رہا ہے ۔ جسے از خود مرجانا ہے،
اُسے ہلاک کرنے کے لئے خزانے خالی کر رہا ہے ۔ زمین کو برباد کرنے کے لئے خلائی
جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے ۔ جو جتنا زیادہ مہلک ہے ، اتنا ہی سُپر تسلیم
ہے ۔ ظلم ایجاد کر کے حاکمیت ارض حاصل کرنا دستور زمانہ بن گیا ہے ۔ کہیں کوئی
ریچھ گرم پانیوں میں کھل کھیلنے کے لئے دم ہلاتا پنجے جھاڑتا ، پھنکار رہا ہے ۔ تو
کہیں کوئی سفید ہاتھی اپنے استعماری اعضا کی مالش کے لئے تیل کے چشموں پر اپنی
سونڈ جمائے بیٹھا ہے ۔ جرمن نازیوں نے حرص حاکمیت میں دنیوی ملکی تقسیم کا
نقشہ بدل ڈالا تھا ۔ عبرت انگیز ہلاکت کے خوف نے اقوام متحدہ کی بنا تو ڈالی
مگر اس کی تمام ذہنی و فکری جبلتیں یہود ساختہ اور لادین پرداختہ ہیں ۔ اللہ
نہیں ہے اور اللہ ہی کے انسان ساختہ مکتبہ ہائے فکر نے اس کے حفاظتی ادارے
تشکیل دے رکھے ہیں ۔ لا الٰہ الا اللہ پر یقین رکھنے والوں کے لئے جنگ ہائے
عظیم کی نتائجی مجبوریوں کی وجہ سے جو ممالک وجود میں آئے، وہاں خاص اہتمام
سے اللہ متعین کر دیئے تاکہ ان جنگوں میں صرف شدہ سرمایہ پر یہودیوں کو
عند الطلب سُود ادا کرنے کا فرض ان کے وسائل کے ذمہ لگایا جا سکے اور انسانی
حاکمیت کے برانچ آفس من مانے انتظام کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرتے رہیں ۔
برطانوی جمہوریت نے "ڈیوائن رائٹ آف کنگز" کی تولید یعنی "کنگ از دی

Marfat.com

ہیڈ آف چرچ اینڈ دی سٹیٹ" کے اجزائے خصیم سے جنم لیا۔ اور لا الٰہ الا الٰہ اس کی فکری بنیاد ہے جسے پارلیمانی سپریمیسی اور" کنگ کین ڈو نو رانگ" یعنی بادشاہ خطا سے مبرّا ہے کے مشترکہ جھولنے میں لیٹ کر" شاہ فوت شد شاہا زندہ باد" کی لوریاں سننے اور اونگھتے رہنے کی عادت ہوگئی ہے۔ اس نظام میں دارالامرا اور دارالعوام کے مشترکہ جمناسٹک کے دوران جو جوہر دکھائے گئے، وہ تاریخ کی پیشانی پر نقش ہیں۔ تاریخ کا یہ اشتہاری ملزم جس نے انسان کو خود شناس و خودنگر ہوتا دیکھ کر راہ نمائی سنبھال لی تھی پکڑا جا چکا۔ نوک خنجر بھی اور آستین کا لہو بھی پکار پکار کر کہہ رہا ہے، یہی وہ دیو استبداد ہے جس نے اپنی حاکمیت کے لئے انسانی اقدار کے خون کے دریا بہا دیئے۔ یہی وہ سراب رنگ و بو ہے جس نے اخلاق و دیانت کو تشنہ لب رکھا۔ اس نظام کی کارکردگی سے تنگ آکر اشتراکیت و مزدکیت اس پر لپکی تو سہی مگر انسانی ذہنی استعمار نے لا الٰہ کی بجائے لا اللّٰہ کا نعرہ بلند کر دیا۔ ہر کعبۂ دل میں الٰہ" واحد" کی بجائے لات و منات ایستادہ ہو گئے اور یہ راز افشا ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ اگر خالقِ کائنات کے الٰہِ واحد ہونے سے ہی نہیں، اس کے وجود سے بھی انکار کر دیا جائے اور گروہی خدائی کا تصوّر برپا کر کے، کائنات کے از خود رو ہونے کا اعلان کر کے، زمین اور اس کے وسائل پر ہی نہیں انسانی اہلیتوں پر بھی اجارہ داری قائم کر دی جائے تو جانو! نظریہ کمیونزم عمل میں لایا جا رہا ہے۔ مغربی جمہوریت کی سربراہی برطانوی مہاجروں کے ہاتھ جا لگی اور کمیونزم کے پنجے پاکستان کی سرحدوں تک پھیل چکے۔ ان نظریات کی جنگ کے دائرے کو اب اس حد تک پھیلا دیا ہے کہ امریکی صدارتی انتخابات میں دخل انداز ہونے کے لئے روس پاکستانی سرحدوں پر افغانستان سے بم باری کروا رہا ہے۔ یہ بمباری پاکستانی سرحدوں کے علاوہ

Marfat.com

امریکہ میں کسی کی انتخابی مہم پر بھی ہے۔ غیر ملکی انتخابات میں دخل اندازی کا یہ نرالا ڈھنگ تو اس بھیڑیئے کو بھی نہ سجھائی دے رہا تھا جو پانی کے گدلا ہونے پر معترض تھا۔ سجھائی بھی کیونکر دیتا کہ بھیڑیئے اور انسانی بھیڑیئے کی سمجھ میں اتنا فرق ہوگا ہی۔ جو کچھ بھی ہو، واضح ہے کہ انسانی حاکمیت کی دو سُپر طاقتیں نبرد آزما ہیں۔ نہ بمباری حسین مذاق ہے، نہ کسی کا لاؤڈ سپیکر ٹیسٹ کرتے وقت اعلان جنگ کرنا محض تمسخر تھا۔ ہر دو کے پس پردہ عمیق مقاصد پنہاں ہیں۔ حاکمیت انسان کیلئے ہلاکتِ انسانیت کے، وطن عزیز کے واسطے علاوہ متذکرہ دلو پیچ آزمائی کے یہ امر بھی غور طلب اور اندیشہ آمیز ہے کہ پاکستانی روس نواز، وہ حُبّ علی میں ہوں یا بغضِ دیگراں کی وجہ سے، افغانستان اور دیگر روس پروردہ ممالک کے علاوہ برطانیہ میں کیوں کر پناہ گزین وجا گزین ہیں۔ روسی ٹینکوں پر بیٹھ کر پاکستان آنے اور بلوچستان کے راستے گرم پانیوں تک روس کو لے آنے کی تخیلاتی گھاٹیاں ہموار کرنے کے لئے برطانیہ کی سرزمین کیوں استعمال ہو رہی ہے۔ یہ لوگ دیارِ غیر میں کس کی مالی امداد سے زندگی بسیار بسر کر رہے ہیں، کھُل کھیل رہے ہیں، عشرت کی گود میں بیٹھے عیش کو گلے لگائے ہوئے ہیں۔ یہی نہیں، اندرون ملک سیاسی ڈوریں کیوں کٹ رہی ہیں۔ سیاسی کمیں گاہوں سے قیام پاکستان کے مخالف سیاست دان حالات کے رخ پر گھات لگائے کیوں اور کس کے ایماء پر بیٹھے ہیں۔ جو امریکی انتخابات پر اثر انداز ہونے کے لئے پاکستانی سرحدوں پر بمباری کروا رہا ہے کیا پاکستان کے انتخابات میں جانبدار رہے گا اور اگر اس کی جانب داری پر نگاہ نہ رکھی گئی تو کیا آئندہ انتخابات کسی کے روسی ٹینکوں پر سوار ہو کر آنے کے لئے نہ سہی، روسی نظریات کے گھوڑوں پر سوار ہو کر آنے کی راہ ہموار نہ ہو جائے گی۔ پاکستان کے ایک طبقہ کا بظاہر مغربی جمہوریت نواز اور

Marfat.com

اور بباطن پروردۂ اشتراکیت ہونا پاکستان کے سیاسی جسم پر ایک ایسا ناسور ہے جس کا رِسنا اگر بند نہ ہوا تو سیاسی فضاؤں کا بُودے اُٹھنا لازم ہے۔ یہ طبقہ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۳ء میں دو کامیاب چالیں چل چکا۔ اب تیسری چال چلی جا رہی ہے اور وہ یہ کہ اسلام کی آفافیت وافادیت کو مغربی جمہوری اور اشتراکی نظریات سے پینٹ کر کے یوں مخفی کر دیا جائے کہ اسلام کا ہر کلیہ تجریدی آرٹ کی شکل اختیار کرے۔ یہ میکاولی و مارکسی انداز یہودیوں سے ادھار لیا گیا ہے۔ اس صورت حال سے نبرد آزما ہونا کوئی آسان کام نہیں۔ شاہیں کا جگر اور چیتے کا تجسّس درکار ہو گا۔ بارہ اگست کا اعلان کہ انتقال اقتدار کی نفی اور انعقاد انتخاب کا اثبات ہے، ایک دم مسترد کر دینے کے باوجود اب اگر مطالبہ بن گیا ہے۔ پہلے احتساب اور بعدہٗ انتخاب کے نعرہ زن، صوبائی محرومیوں، لسانی و نسلی محرومیوں کے علمبردار بن کر علیحدگی پسندی کو ناکام ہوا دینے کے بعد اب جو جلد از جلد انتخابات کا تقاضا کر رہے ہیں تو اس لئے نہیں کہ انہیں اپنی کامیابی یا اپنے حق میں انتقال اقتدار کا یقین ہے۔ صرف اس لئے کہ یوں روس کے انتخابات پر اثر انداز ہونے کے مواقع فراہم ہوں گے۔ جغرافیہ ہی روس کے حق میں نہیں ہے، پاکستان کے تاریخ ساز معدوم ہو جانے کے بعد پاکستان کے سیاسی جغرافیہ کار، پاکستان کے اتنے ہی بہی خواہ ہیں جتنے حضرت عیسیٰؑ کے حواری تھے یا اہل کوفہ شہید کربلا کے ساتھی تھے۔ صرف ابھی نہ جاؤ چھوڑ کر کی محفلیں جمالینا ہی اس مخدوش صورت حال کا مکمل علاج نہیں۔ ہمارا ایک مختصر سا سیاسی طبقہ افرنگ زدہ بھی ہے اور افرنگ گزیدہ بھی۔ زنارِ اغراض میں جکڑا ہوا تلواریں میان سے نکالنے کے لئے بے تاب ہے، نبرد آزما ہونے کے لئے نہیں کسے لئے نہیں، غنیم کے قدموں میں رکھنے کے لئے۔ الارض اللہ، الحکم اللہ الملک اللہ سے منحرف ہو کر مغربی جمہوری انداز میں انسانی بنیادی حقوق اور آزادی

Marfat.com

کا ذکر کرنا، پنجرے میں بیٹھ کر صیاد کے ایماء پر آزاد پرندوں کو جال میں پھنسانے کے لئے ترانے گانے اور تانیں اٹھانے کا عمل ہے۔ لیس للانسان الا ماسعیٰ اور العفو کا عمل اگر فی سبیل اللہ کے عنوان کے تحت قائم و جاری نہ کیا جائے تو اس کا نتیجہ قارون کی چابیاں لادنے کے لئے مزید اونٹ خریدنے کے عمل کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ اللہ کی حاکمیت میں درخت اپنے سائے انسانوں کے مقام کو دیکھ کر پھیلاتے اور سکیڑتے نہیں۔ سورج کا رُخ اُن کا تعین کرتا ہے۔ سورج جو اپنی کرنیں بکھیرتے وقت محلوں اور جھونپڑوں میں امتیاز نہیں کرتا۔ یہ ہوائیں، یہ بارش، یہ موسم نہ اپنی نہ انسانی خواہشات کے محتاج ہیں۔ ایک مستقل و غیر تبدیل نظام ان کو اپنی تنظیم میں سموئے ہوئے ہے جو ان کا استعمال فی سبیل اللہ کروا رہا ہے۔ تمام کائنات کے لین دین میں اصول فی سبیل اللہ کار فرما ہے۔ اے حاکم و محکوم انسانو! بیک وقت اللہ اور بندوں کی حاکمیت کے علمبردارو! سورج، چاند، ستاروں کی روشنی کے بل کیا تم ادا کرتے ہو۔ پانی و ہوا کی فراہمی کے لئے فطرت نے کیا کوئی اُجرت یا ٹیکس عائد کر رکھے ہیں۔ چاند، سونا، ہیرے، جواہرات کیا قدرت تمہیں مفت مہیا نہیں کرتی۔ یہ دریا، یہ نالے جو زمین کو زرخیزی دے جاتے اور اس کی مردا ہٹ کو بہا کر لے جاتے ہیں کیا انہیں مہیا کرنے کے لئے فطرت تمہارے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہے جو واپڈا اور واسا کا ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اگر حکومتوں کو برف جمانا ہوتی، سمندروں سے بادل بنوانے اور اٹھوانے ہوتے، میدانوں میں ہوا اگر انسانی ذرائع نے رواں رکھنا ہوتی تو دنیا بھر کے کسی بھی مطلق العنان بادشاہ کی حکومت پہلے دن ہی دیوالیہ ہو گئی ہوتی۔ یہ سبھی بھاؤ بندوں کی حاکمیت کے لگائے اور بڑھائے ہوئے ہیں۔ آزادئ تحریر کا مطالبہ کرنے والو! اس حاکم کی بھی سنی ہوتی، جو عَلَّمَ بالقلم کا دعویدار ہے۔

Marfat.com

آزادی تقریر پر مُصر ہونے سے پیشتر اس کی طرف بھی دھیان دیا ہوتا۔ جس نے تمہارے سامعین کو کان عطا کر رکھے ہیں۔ جو علم البیان کا مدعی ہے۔ یہ بھی سوچو۔ اس نے زبان تمہیں دل کی ترجمانی کے لیئے دی ہے، روس، امریکہ یا حکومت ہائے وقت کی بااُجرت ترجمانی کے لئے نہیں۔ اور اس لئے بھی نہیں کہ دل کی بات زبان پر نہ آنے پائے اور جو دل میں ہے، زبان پر نہ ہو۔ لم تقولون مالا تفعلون کی رمز پہچانو۔ قلم بدست دوست مالیسطرون پر بھی نظر رکھیں۔ ادیب وہ نہیں جو اپنی ناقص عقل کے غیر مکمل تجربات و مشاہدات تحریر کر کے عوام الناس کو وسوسوں کا شکار کرتا رہے۔ ادیب اس کو کہتے ہیں جو اس توکل کے ساتھ نوک قلم کاغذ پر رواں کرے کہ اُسے تو خود اپنی تحریر سے راہ نمائی حاصل کرنا ہے صریرِ خامہ نوائے سروش نہ ہو تو آزادی تحریر معاشرے پر ظلم ہے۔ اور جو نوائے سروش پر پابندی لگائے وہ بہت بڑا فسطائی ہے۔ قلم اگر انسانیت کو وہ علم نہ دے رہی ہو جس سے انسان نا آشنا تھے تو اس پر پابندی ازبس لازم ہے۔ علم جس کی بنیاد محقق تشکیک پر اٹھا رہا ہو، تحریراً ہو یا تقریراً اس سے پناہ مانگو کہ ماسوا وسوسوں کے ایسے علم نے نہ کبھی کچھ عطا کیا ہے، نہ کر سکے گا۔ اے دنیا بھر کے بندوں کی حاکمیت قائم کئے ہوئے حاکمو! بہت ہو چکی۔ اب چلے بھی جاؤ، کہ گلشن کا کاروبار چلے۔ جن کے آنے سے گلشنِ فطرت میں غیر اللہ کا کاروبار در آیا ہو، جن کی آمد نے بندوں کی حاکمیت کے باڑا بازار کھول دیئے ہوں، گلشن کا کاروبار چلنے کی بجائے جنگل کا کاروبار چل نکلا ہو، اُن کا چلے جانا ہی انسانیت کی بقا ہے۔ فقیر نہ کسی خاص صاحبِ اقتدار سے مخاطب ہے، نہ محروم و طالبِ اقتدار سے۔ اُن سرچشموں سے مخاطب ہے جو اللہ کی حاکمیت غصب کرنے کا درس دیتے ہیں۔ تمنائے فقیر صرف یہ ہے کہ حرصِ اقتدار چلی جائے۔ بندوں کا ذوق و

Marfat.com

شوقِ حاکمیت چلا جائے، تفرقات چلے جائیں۔ کدورتیں، رقابتیں، اختلاف برائے اختلاف۔ فرقہ بندی، گروہ سازی، پارٹی بازی، پیشہ ور سیاست، اجارہ داری، تقلیدِ طریقِ غیر، غلامانہ ذہنیت، افترا پردری، اقربا نوازی اور اقربائی سازشیں، لسانی و نسلی تعصب، طبقاتی تقسیم، خود غرضی، سیاست کاری، سیاسی سرمایہ داری، انسانوں کا زعمِ قانون سازی، مغربی جمہوریت، اشتراکیت و مزدکیت کے فروعی مفروضے، حاکمیتِ الٰہی پر بے یقینی اور اس کے ساتھ روا رکھی ہوئی دورُخی حق و باطل کی آمیزش، سبھی چلے جائیں۔ سبھی انسان یہیں رہیں۔ انسانوں کی عبدیت، اللہ کی حاکمیت، انسانوں کی انسانوں سے حریت باقی رہ جائے تاکہ گلشن کا کاروبار اُس سپریم طاقت کی رضا کے مطابق چل نکلے جو کائنات کی ناظم ہے۔ ہم سبھی اُس سپریم طاقت کے اہل کار ہوں، احکامِ الٰہی کے پابند۔ اگر ان اصولوں پر مبنی خلافت و مشاورت کا نظام نافذ نہ ہوا تو ہم انتخاب نہیں کروا رہے ہوں گے، یہ ترانہ گا رہے ہوں گے کہ چلے بھی آؤ کہ جنگل کا کاروبار چلے۔ ہم نہ بدلے تو امریکی انتخاب کے نتائج ہم پر لازم اثر انداز ہوں گے۔ ایک جیت گیا تو ہمیں مفلوج کر دے گا۔ دوسرے کی بن آئی تو کسی پر ایسی بن جائے گی کہ بن آئے نہ بنے گی۔ میرے ہم وطنو، دانشورو، سیاست کارو اور زمام بدستو! سرخروئی کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ انسانی حاکمیت کو دستورِ پاکستان میں کالعدم قرار دے کر حاکمیت صرف اللہ ہی کو زیبا ہونے کا اقرار کرو۔ کوئی سپر طاقت اللہ کی سپریم طاقت سے زیادہ طاقتور نہیں۔ یہ جذباتی بات نہیں، حساباتی حقیقت ہے۔ پاکستان کے دفاع میں ہم کمزور پائے جا سکتے ہیں۔ اللہ کی حاکمیت کا دفاع کرنے والوں نے آج تک شکست نہیں کھائی۔ سنبھالنا ہے تو اس کی خلافت کا منصب سنبھالو۔ فقیر اللہ کے ہر خلیفہ کو سلام کرتا اور اللہ کے ہر رقیب کے

Marfat.com

خلاف اعلانِ جہاد کرتا ہے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا راستہ وہ جہاد بالسیف ہو یا جہاد بالقلم یا باللسان، اپنی پلکوں سے صاف کرے گا۔ ہم وطنو! اپنی حاکمیت قائم کرنے کے خواہش مند ہر انسان کی راہ ہیں، وہ سیاست دان ہو یا سیاست کار، سیاست شعار ہو یا سیاست پناہ دین اسلام کے ستون کھڑے کر دو کہ ان ستونوں پر اُن غیر مرئی قوتوں کا پہرہ رہتا ہے جو سینہ تاریخ پر وارداتِ بُت خانۂ آزر تحریر کرنے کی منتظر رہتی ہیں۔

Marfat.com

بتوں سے امیدیں خدا سے نومیدی

عزیز ہم وطنو! دوقومی نظریہ اور مطالبۂ قیام پاکستان کو برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی یا اقتصادی آزادی تک ہی محدود کر دینا، کوتاہیٔ دانش بھی ہے، سہو بالحظا بھی اور سیاسی، فکری الحاد بھی۔ تحریک پاکستان کو لاریب ہندوستان کے مسلمان کی سیاسی آزادی مقصود تھی۔ مگر یہ جزوی و ابتدائی مقصد تھا۔ مفکرِ پاکستان کا اصل مدعا اسلام کو آزاد کروانا تھا۔ دوقومی نظریہ سے مومن و کافر میں کرۂ ارض کا احاطہ کرتی ہوئی تقسیم مقصود تھی۔ ایک قطعۂ زمین پر آئینِ اسلام کا نفاذ کر کے دنیا بھر میں اس کے لئے راہیں ہموار کرنا تھا۔ بندوں کی نوع درنوع حاکمیت میں تقسیم شدہ، ہلاکتِ انسان پر تُلی بیٹھی طاقتوں کو فساد پروری اور مکر آزمائی سے کنارہ کش کر کے اللہ کی حاکمیت کے تحت لانا آئینِ فطرت سے باغی انسانوں سے اللہ کی حاکمیت تسلیم کروانا تھا۔ اولاً وحدتِ ملّت اسلامیہ اور بالآخر وحدتِ انسانیت وجود میں لانا تھا۔ ایک خطۂ زمین پر قلعہ آرا و بکتر بند ہو کر اپنی صفوں کو درست کر کے دنیا بھر میں آئینِ پیغمبر کو یوں آشکارا کرنا تھا کہ کرۂ ارض کے تمام تر انسانی معاشرہ پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم ہو کر انسانی کارِ حیات، کاروبارِ فطرت و کائنات سے ہم آہنگ ہو جائے۔

Marfat.com

بندوں کی حاکمیت کے تمام مکتبہ ہائے فکر باطل قرار پائیں اور قرآن پاک بطور ایک قطعی سچائی کے عملاً تسلیم و وارد ہو۔ دانشِ اقبال کے اَن گنت شیدائی اور پیروکار آج بھی پاکستان کا فکری اثاثہ ہیں اور لائق تحسین ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سرمایہ کو محفوظ رکھے۔ مگر مفکرّ پاکستان کے چند خود ساختہ دانش فروش مجاور، آمریت کے نامزد جمہوریت نواز جو نام، کام، دام، فکر اور عمل کے واسطے سے زندگی بھر مخفّف رہے، نہایت ہوشیاری سے اقبال ہی کو فروخت کرتے رہے۔ فکرِ اقبال کو یوں مسخ کرتے رہے کہ ان کے فرمودات کے مطابق قیام پاکستان کا مقصد ہی معدوم ہو کر رہ گیا۔ اور جو یہود و نصاریٰ سمجھ گئے، وہ ان محسنانِ افرنگ نے پاکستانیوں کی سمجھ میں نہ آنے دیا ..... نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر مسلمانوں کا ایک ہونا، سیاست چھوڑ کر حصارِ دین میں داخل ہونا، خلافت کی بنا کو پائیدار کرنے کے لئے اسلاف کا قلب و جگر ڈھونڈھ کر لانا، دین کا رنگ و نسل پر مقدم ہونا، الّا ما سعیٰ کے انسان کا کسی چیز پر حق نہ ہونا، العفو کا معاشی طور پر وارد ہونا، مزدور کی محنت کا حق سرمایہ دار کو کھانے نہ دینا، محمود و ایاز کا ایک ہی صف میں کھڑا کیا جانا، الارض اللہ، الملک اللہ، الحکم اللہ، سروری صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہونا، جمہوریت کا دیو استبداد ہونا۔ سرابِ رنگ و بو ہونا، چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر ہونا، اس کے پردوں میں صرف نوائے قیصری ہونا، گفتارِ اعضائے مجالس کا سرمایہ داروں کی جنگِ زرگری ہونا۔ ان خود ساختہ مجاوروں کے آقا کا چادرِ زہراؓ، دلقِ اویسؓ و گلیم بوذرؓ تک بیچ کھانا، کرگس و شاہین کے جہانوں کا جدا گانہ ہونا، تہذیب و تعلیم مغرب کا شاہیں بچوں کو درسِ خاکبازی دینا، انسان کا نوعِ انسان کا شکاری ہونا، بندے کا کوچہ گرد اور خواجہ کا بلند بام ہونا، حق و باطل

Marfat.com

کی آمیزش کا مہلک ہونا ، غرضیکہ فکرِ اقبالؒ کا سبھی کچھ شاعرانہ مبالغہ بن کر رہ گیا - اور ان کی نذر ، فکر افرنگ کو راسخ قرار دیئے رکھنا ہی صراطِ مستقیم رہ گیا۔ اقبالؒ کا آئین اسلام کی نشان دہی کرنا مغربی فکری سازشوں سے آگاہ کرنا سیاست مغرب کے کاسہ لیسوں کو شاید اسی لئے بُرا لگتا ہے کہ ان کے ذمہ آج بھی یہی ہے کہ شرعِ پیغمبرؐ آشکارا نہ ہونے پائے۔ ہرچند کہ ایسی ہی قلم فروشی و کاسہ لیسی کے طفیل پاکستان کی سیاست پر قیام و استحکام پاکستان کے مخالف چھا گئے۔ سقوطِ مشرقی پاکستان ہوا۔ ان ہی کی مغربی جمہوریت نوازی نے وطن عزیز کو لخت لخت کیا۔ مگر یہ مگرمچھ ہیں کہ پاکستان کے وسائل کو بے ڈکار ہڑپ کر کے اس کے جغرافیہ پر "پلیسٹے" بھی مارتے رہتے ہیں اور آنسو بھی بہاتے رہتے ہیں۔ ایسے پیشہ ور جُگت بازوں اور طنز تراشوں کے ہاتھ میں قلم تھما دینا ، جنہیں قلم تراشی پر مامور کرنا بھی ادب سے "سودا" کو چھین لینا اور اس کے قلمدان بردار "غنچہ" ، کو صاحبِ دیوان قرار دینا ہے۔ ادب و سیاست کے سر ہی کچھ تھوپا ہے جو ہم بھگت رہے ہیں۔ آئین اسلام خلافت و مشاورت کے نظام کا داعی ہے ، انسانی حاکم و حکومت کا اس میں کوئی تصور نہیں۔ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ حاکمیت اُسی کی ہوتی ہے جس کا حکم نافذ ہو۔ انسانوں کی حکومت میں انسانوں کی مرضی کا حکم نافذ ہوتا ہے اور خلافت میں فقط احکام الٰہی کی پابندی ہے۔ قانون دراصل حاکم کی مرضی کا حسین نام ہے۔ انسانی حکومتوں میں مرضی انسان یا اُن کے کسی گروہ کی مسلّط کی جاتی ہے اور فریب یہ دیا جاتا ہے کہ قانون کی بالادستی دراصل حاکم کی مرضی کی بالادستی اور قانون کی حکمرانی حاکم کی مرضی کی حکمرانی کے چھلاوہ کے عرفی نام ہیں۔ کسی ایک بندے یا بندوں کے گروہ کی حکمرانی و حاکمیت ، خودشناس و خودنگر ہوتے ہوئے انسانوں کو مختلف فریب

Marfat.com

دینے کا عمل ہے۔ انسان صرف اللہ کی حاکمیت میں آزاد ہوتا ہے۔ مغربی جمہوری طریق انتخاب اسلام کے نظام مشاورت کے خلاف سرمایہ داروں کی ایک سازش ہے۔ مغربی جمہوری نظام اسلام کے آئینی گوہر ہلئے نایاب کے مقابلہ میں جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے۔ مستقل حزبِ اقتدار و اختلاف نظام مشاورت کی واضح نفی ہیں۔ مشورہ یک رائے ہونے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اختلاف کو استقلال بخشنے کے لئے نہیں۔ اصول بیعت کو اختلاف، گروہ بندی، پارٹی بازی و تفریق سازی کی نفی کے لئے سیاست میں دائم کیا گیا ہے۔ اس ہی غرض سے عہدہ طلبی و عہم جوئی ممنوع ہے۔ انسانوں کو یہ حق نہیں، کہ وہ وسائل ارضی کے مالک بن بیٹھیں، انسانوں کو اپنی مرضی کا تابع کر کے ان کا استحصال کریں، خود اللہ کی مرضی کے تابع نہ رہیں۔ انسانوں کا طاقت کا سرچشمہ بن بیٹھنا اور یوں خودسر و مطلق العنان ہو جانا کہ خود غرض اعمال و افعال بھی جائز قرار دیئے جائیں۔ تفریق و تفسیر گروہ سازی، فرقہ بندی، حزب ہائے اقتدار و اختلاف، حرصِ اقتدار کارہائے طاغوتی ہیں۔ اللہ کی حاکمیت کے قیام سے کسی فردِ واحد کے ہاتھ مضبوط نہیں ہوتے مسلمان مضبوط ہوتے ہیں۔ البتہ وہ گائے بانجھ ہو جاتی ہے جس کے سینگ حزب اختلاف نے پکڑ رکھے ہوتے ہیں اور دودھ کی دھاریں نامزد جمہوریت نوازلے رہے ہوتے ہیں۔ میکاولی کا ایجاد کردہ ایک اسلوب سیاست یہ بھی ہے کہ ان کہی کہو اور ان سنی بیان کرو۔ حقائق کو طعن و تشنیع کا ہدف بنا کر ابہام پیدا کرو تاکہ حاکمانِ وقت کی بالواسطہ اعانت ہو۔ اُجرت لے کر بغیر پڑھے لکھے تبصرہ کرنا اور بغیر سُنے تنقید کرنے بیٹھ جانا بھی اسی مکتبۂ فکر کی دین ہے۔ دوستو! بہتان و الزام تراشی وقت کا تقاضا نہیں۔ یہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ سرزمین پاکستان کے بسنے والے کس طرح زیرِ امتحان ہیں۔ ایک سرحد پر منکران خدا، دوسری

Marfat.com

سرحد پر خود ساختہ خدا پرست دو طاقتوں کے درمیان دبی ہوئی مملکت خداداد پر جو بنامِ خدا برائے بندگان خدا تھی اور جسے ناخداؤں نے خدا سے چھین لیا۔ منکرانِ خدا سنگین تانے ہوئے ہیں۔ منکرانِ رسولؐ سیواجی مرہٹہ کی طرح بغل گیر ہیں۔ اس سرزمین کو محفوظ رکھنے کے لئے اللہ کی سپریم طاقت کی حاکمیت کا تقاضا کریں یا ان کی سیاست کو اپنا لیں، جو صوبائی محرومیت، علیحدگی، کنفیڈریشن کے داعی ہیں۔ اُن کی سیاست کو اپنا لیں جو مفکرؒ پاکستان اور قائداعظم پر کفر کے فتوے لگاتے رہے، جو آج بھی پاکستان کو ناجائز مسجد قرار دیتے ہیں۔ اُن کی سربراہی کے لئے اہتمام کریں جو روسی ٹینکوں پر سوار ہو کر آنا چاہتے ہیں۔ گریٹر بلوچستان کے لئے از خود جلاوطنی وارد کئے بیٹھے ہیں۔ جن کا استقبال سرحد پار پختونستان کے نعروں سے کیا جاتا ہے۔ جو دیار افرنگ میں سازشوں کے تانے بانے بُن رہے ہیں۔ کیا سبھی پاکستانی ہائی جیکر بن جائیں، سیکولزم اپنا لیں۔ سبھی بی۔ بی۔ سی کے نامہ نگار بن جائیں۔ پاکستان کا صحافی کوئی بھی نہ رہے۔ اُن حالات کا مداوا کرنے، اُس ڈیمو کریسی سے حساب مانگنے کی بجائے جو مارشل لاء ہائے کے نفاذ کا باعث بنتی رہی۔ تمام سرحدی نگرانوں کو بددل، بے یقین کر دیں نفرتوں، کدورتوں، مخاصمتوں کا علاج ڈھونڈنے، انہیں کم کرنے کی بجائے یہ اعلان کر دیں کہ وہ قوم مر چکی جو تمہارے لئے دعا گو تھی اور خدا نخواستہ بُرا وقت آنے پر صرف نامزد جمہوریت نوازوں یا حریفانِ اقتدار کو دیکھتے رہیں کہ تلوار اٹھانے سے پہلے کس کس کی چوڑیاں گنتے اور کس کس کی چٹیا سے امام ضامن باندھتے ہیں۔ لاریب مارشل لاء ناگوار عمل ہے مگر اس کے تحت معاون حکومت میں شمولیت کو کیا کہیں۔ عمل مارشل لاء یا عمل سیاست جمہوریتِ غرب۔ ملک میں مختلف قومی اداروں کے درمیان نفرت کا عمل بھی ایک سازش ہے جس

Marfat.com

نے ۱۹۶۵ء کے اس جائزہ سے جنم لیا کہ یہ "کوالٹی" اور "کوانٹیٹی" یعنی اوصاف اور تعداد کی جنگ تھی۔ قوم کا اپنی فوج پہ دلی دعائیں نچھاور کرنا، اس کی راہوں میں آنکھیں بچھانا۔ اس تاثر کا ابھرنا کہ عام فوجی نہیں اللہ کے ولی لڑ رہے ہیں، ہتھیار نہیں کرامتیں ساتھ دے رہی ہیں، سپاہی نہیں آسمان سے اُترے ہوئے سبز پوش فرشتے ہیں۔ حالانکہ اُس وقت بھی ایک فوجی ہی کی حکومت تھی۔ مگر سبھی کچھ فراموش کر کے لا الہ الا اللہ کی آواز پر قوم یوں سیسہ پلائی دیوار بن گئی کہ مغربی جمہوری اور پاکستان مخالف دینی سیاست ہر دو مُنہ تکتی رہ گئیں۔ لوگوں کا ہوائی جہازوں کی جنگ کا یوں مزا لینا جیسے پتنگ بازی کا مقابلہ دیکھ رہے ہوں، آخر کس کو نہ بھایا تھا کہ قوم کو ۱۹۷۰ء دکھایا گیا اور آج کے دن دکھائے جا رہے ہیں۔ ہم وطنو! منکرانِ رسولؐ اور منکرانِ خدا ٹکرانے کے لئے سینگ تول رہے ہوں تو نظام لا الہ الا اللہ سے گریز، اس پر طعنہ زن ہونا، بے جا تنقید، بے دلی، بے یقینی مرگِ مفاجات کو دعوت دینے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ آئینِ اسلام کے نفاذ کا مطالبہ، خلافت و مشاورت اور مغربی جمہوری طریقِ انتخاب میں امتیاز تقاضائے وقت ہے۔ یہ وقت تنقید و افترا و طعن زنی کا نہیں، تحقیق و اطاعت کا ہے۔ تحریروں اور تقریروں کے ماہانہ معاوضہ اور گھر کے بجٹ میں غلطاں نہ رہو۔ بینگن کی مدح و ہجو کی بجائے سلطان کو احساس دلاؤ کہ حضور کی تھالی میں فقط بینگن ہیں اور قومِ بیگن بڑی عیّار ہے۔ اقتدار میں شرکت کے لئے خوشامد اور بعد از شرکت سازش ان بینگنوں کی تاثیر ہے۔ اوّل تو اعلانِ انتخابات میں انتقالِ اقتدار لازم ہی نہیں۔ ہو بھی تو موجودہ اجارہ دار سیاسی صورت حال میں مغربی جمہوری انتخابات کے نتیجہ میں کسی مستحکم حکومت کی توقع عبث ہے۔ کچھ لوگ آئندہ انتخابات

Marfat.com

کے ذریعہ قائم ہونے والی سول حکومت پر ابھی سے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ جوڑ توڑ، یہ پابندیاں، یہ رہائیاں، یہ سودا بازی۔ یہ لین دین فکری ہو، کہ سیاسی، نہ ملک و قوم نہ سیاست دانوں نہ حکمرانوں کے اُس وقت تک کسی کام آسکے گا جب تک مغربی جمہوری نظام حکومت اور طریقِ انتخاب رائج ہے۔ لفظ "رہا" لفظِ "ہار" ہی کا عکس معکوس نہ ہو۔ قوموں کی زندگی میں اس قسم کا اتفاق جو سرقہ کی تقسیم تک ہی قائم رہے، بڑا مہلک ہوتا ہے۔ ہمیں تجربہ بھی ہے اور مشاہدہ بھی۔ پھر عبرت کیوں نہیں۔ مغربی جمہوری نظام کے میدان میں اسلام اور سوشلزم کی مصنوعی جنگ چھیڑ کر بنگلہ دیش بنوانے والے اب حیلے بہانے اسلام کے مقابلہ میں سیکولر جمہوریت کو لاکھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ جن مغربی جمہوری سیاسی کارروائیوں نے بار بار وطنِ عزیز کو مارشل لار کے حوالے کیا، وہ موجودہ حکومت کے انتخابی پروگرام کو سبوتاژ کرکے ایک نئے مارشل لائی سربراہ کے سوا اور کچھ نہیں دیں گے۔ ایسا ہوا تو کوئی اس وہم میں گرفتار نہ رہے کہ سیاسی جوڑ توڑ سے کچھ سیاست دانوں کی حمایت حاصل کرکے مغربی جمہوری طریقِ انتخاب کے ذریعہ مثبت نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اس کاوش کا حاصل "ستم کیا تیرے وعدے پہ اعتبار کیا" کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ پاکستانی سرحدی خطرات کا علاج اگر قیام و استحکام پاکستان کے مخالفین سے گٹھ جوڑ ہے، اندرا کو دعوت مداخلت دینے والوں سے پینگیں بڑھانا ہے، اُن کا ساتھ ضروری ہے جن کے معاون بیرون ملک سازشوں میں مصروف ہیں، تو یہ عمل صرف اس افیونی کی مثل دانشوروں کو راس آئے گا جو دوسرے افیونی سے کہہ رہا ہو کہ اگر یہ ٹانگ تمہاری ہے تو پھر میری ٹانگ کہاں ہے۔ بیرونی خطرات بھی پیشِ نظر ہوں تو واحد علاج اللہ کی حاکمیت کے قیام کے تحت ایسا نظام خلافت و مشاورت قائم کرنا ضروری ہے۔ جس میں

Marfat.com

عہدہ طلبی ہو، نہ مہم جوئی، نہ پیشہ وری، نہ اجارہ داری۔ پوری قوم مسلسل عمل مشاورت میں شامل ہو۔ بہ قائمی ہوش وحواس کوئی شخص اپنے گھر کے انتظام کو اس شخص کے سپرد نہیں کرے گا جو اس کے قیام کا ہی مخالف رہا ہو۔ پھر آخر اس سوال کا معقول جواب محتاط محبانِ وطن کیا دیں کہ جو سیاسی جماعتیں یا افراد قیام واستحکام پاکستان کے ہی مخالف تھے، انہیں پاکستان میں اپنی سیاسی سرگرمیاں جاری رکھنے، سیاسی جماعتیں بنانے اور پاکستان کی سیاست میں حصّہ دار بننے یا اقتدار میں شریک کرنے کا کیا جواز ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ بیوروکریسی مغربی جمہوری نظام کا لاینفک جزو ہے، مارشل لاء کا نہیں۔ اس کے مشوروں پر انحصار مارشل لاء کو جمہوری تو بنا دے گا مگر فطرت کی بیوروکریسی اسے ایک مارِ مسلسل بنا دے گی۔ اللہ کی حاکمیت کے پردہ میں بندوں کے حاکمیت نواز پنپ نہ سکیں گے۔ ایسے لوگ بھی ہمیشہ اسی دنیا میں موجود رہتے ہیں جو آزردہ دوستوں کے کمروں میں رسّیاں یہ کہہ کر لٹکا دیتے ہیں کہ جھولا بنائیں گے اور پھر آزردگی کو اس حد تک ہوا دیتے ہیں کہ خودکشی سرزد ہو جائے۔ مغربی جمہوری نظام کے ذریعہ اُن کو شریکِ اقتدار کرنا جنہیں بتان آزری کہتے ہیں اور اللہ کی حاکمیت کے نفاذ سے گریز کر جانا "بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی" کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مغربی جمہوری طریقہ سے انتخاب ہوا تو امریکی صدارتی انتخاب کے نتائج کچھ بھی ہوں، یا موجودہ مارشل لاء طویل ہو جائے گا یا پھر کسی مزید مارشل لاء کے لئے زمین ہموار ہو جائے گی۔ تنخواہ داروں کے لئے خبر تو بن جائے گی، تن خواہی کی تمنّا پوری ہو کہ نہ ہو۔ آج کے مسلمان کو اس کی قوتِ ایمان لوٹائے بغیر اس کی جھولی

Marfat.com

میں جمہوری آلائشیں ڈال دینا اس کے عقائد کو مجروح و مشکوک کرنے کا عیارانہ طریقہ ہے۔ جو یورپ کے شکر پارہ فروش تعلیم مغرب کی نیم دانشوری کی پروردہ طفلانہ طبیعت کے لئے ہمیشہ سے تجویز کرتے چلے آئے ہیں۔ خدا انسانوں کی حاکمیت کے ہر مکتبہ فکر کو غرق دریا بھی کرے اور رسوا بھی۔ یوں کہ نہ کہیں جنازہ اُٹھے نہ مزار ہو۔ آج انتخابات پر منافقانہ سیاسی اصرار، درون در جماعتی بائیکاٹ کرنے اور انفرادی طور پر انتخاب لڑنے کے ارادے، موجودہ حکومت کو اسی کی مجلس شوریٰ میں انتشار پیدا کر کے رسوا کرنے کی تجاویز، افراد کی سازش کہ الیکشن جیتنے کے لئے بظاہر موجودہ حکومت کی چھتر چھاؤں میں رہا جائے اور درپردہ اس کے سیاسی رقیبوں سے گٹھ جوڑ رکھا جائے، عین وقت پر مجلس شوریٰ سے استعفے دلائے جائیں، افغان مہاجر کیمپوں میں شر پھیلایا جائے مسلکی تفرقے کو فساد کی حد تک ہوا دی جائے کے عوامل واضح ہیں۔ ان حالات میں اگر کل کے "اندرا" نواز سے آج مخلص تسلیم کئے جا سکتے ہیں تو پھر کسی ملک دشمن کو نہ بندِ قبا چھپانے کی ضرورت ہے، نہ آستین کا لہو دھونے کی اور نہ جبیں سے پسینہ پونچھنے کی۔ یہ ملک پھر اُن ہی کا ہے جو سبھی کچھ کر گزرنے کی قسم کھائے شہہ لگائے بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔۔ خدا نہ کرے۔ مغربی جمہوریت کے غلاف میں جمہور عزب کوئی نیا گل کھلا جائیں۔ لوگو! نجات میکاولی سے گٹھ جوڑ میں نہیں، محمدؐ سے وفا میں ہے اور مغربی جمہوریت اور اس کا طریق انتخاب حضورؐ کی ایجاد نہیں۔

Marfat.com

پلّا مار کے بُجھا دے دیوا

یہ فیصلہ کرنا کہ مطلق حاکمیت کے باوجود ملازمت سے سیاست میں آنے کو ترقی کہا جائے گا یا تنزل، وقت کے دھاروں کا رخ متعین کرنے والی اس قوت کا منصب ہے جو انسانی تاریخی مفروضوں، تجربوں، مشاہدوں اور اندازوں کی محتاج نہیں، افراد کے لئے اپنے لافانی فطری قوانین میں ترمیم نہیں کرتی اور اپنے فیصلے یوں صادر کرتی ہے کہ ہر ابن بطوطہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں۔ فطرت افراد کی تاریخ سے لاتعلق اور زمانوں کی تاریخ سے

متعلق رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ نے فقط زمانہ ساز شخصیتوں کو اپنایا ہے اور جنہیں سانحات و حادثات زمانہ نے نمود و نمائش یکسر فراموش کردیئے گئے انسان اگر تواصو بالحق اور تواصو بالصبر کا عمل نہ اپنائے تو خسارہ اس کا مقدر ہے۔ حق و صبر پر انحصار نہ کرنے والا نہ صرف ہلاکت آمیز تیروں کی زد میں رہتا ہے بلکہ "دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف ؛ اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی"، اس کی تقدیر کا نوشتۂ دیوار ہوتا ہے۔ حق و صبر پر انحصار نیّت کا معاملہ ہے، عمل کا نہیں اور نیت تک انسان کی چونکہ رسائی نہیں، انسان صرف اس کا قیافہ لگا سکتا ہے لہذا کوئی انسان اس خدائی کا دعویٰ کیوں کرے کہ ملازمتی حاکمیت سے سیاسی حاکمیت کی طرف انتقال کا نتیجہ اُسے معلوم ہے لیکن یہ امر تو غور طلب ہے

Marfat.com

کہ اگر کسی فرد کا اقتدار متاثر ہوئے بغیر اُس کی قوت کے سرچشمے بدل جائیں تو آئینی و قانونی محفوظ ڈیم تعمیر کر لینے کے باوجود اس واقعہ کو بالآخر حادثہ کہا جائے گا، سانحہ یا اصلاحِ احوال.... ایسے انتقال کا عمل بڑا احتیاط طلب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حلقۂ نیابت بدل جائے تو انسانی سیاست درمیانی لمحات کے لئے مقتدر کو یا تو نیا بُت بنا دیتی ہے یا تازہ خدا مشہور کر دیتی ہے۔ پرانے سرچشمے اگر خشک ہو جائیں اور نئے سیراب نہ کریں تو ظاہر ہے گھڑے کی مچھلیاں دریا میں ڈالنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ نہ مچھلیاں بدل کر گھڑے کو مفید بنایا جا سکتا ہے، نہ گھڑا بدل کر مچھلیوں کو زیادہ دیر تک زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ دریاؤں کے سرچشمے بدل جائیں تو کیا فقط ان کے نام دائم و قائم رکھنے سے وادیاں اور دوآبے بھی وہی رہیں گے۔ اور پھر وعدہ وعید کی سیاست کا تو یہ خاصہ ہے کہ اگر نئے سرچشموں کا بھرپور تعاون حاصل نہ ہو تو پرانے پل نئے پُل تعمیر ہونے سے پہلے توڑ دیئے جاتے ہیں اور پرانے بہاؤ کے راستے خشک و ویران قرار دے دیئے جاتے ہیں۔ کیا معلوم انسانی عقل کیا سوچ رہی ہے اور فطرت کے زائچے میں کیا لکھا ہے۔ کاش انسان فطرت کی بساط پر اپنے مہرے سجانے سے باز رہتے۔ انسان کھیتوں میں کیا بو رہا ہے، یہ تو انسان سے دریافت بھی کیا جا سکتا ہے، انسان کو بتایا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن کون جانے فطرت نے بادلوں میں پانی چھپا رکھا ہے کہ بجلیاں، کیسے خبر کہ اٹھتی ہوئی گھٹاؤں سے ژالہ باری ہو گی یا کوئی آندھی انہیں اڑا کر لے جائے گی، اقتدار کے تصور میں لہلہاتی کھیتوں کی کونپلیں کیڑے مکوڑوں اور ٹڈی کی خوراک بنیں گی یا کھلیان سجے گا۔ یہ جان جانا انسانوں کے بس میں ہوتا تو سیاسی خدا آئے روز میدانِ حشر برپا کرتے اور داورِ محشر بن بیٹھتے۔ ج

Marfat.com

ایں کی جہاں بانی چھینوا کر آنجہانی نہ ہو گئے ہوتے۔ یہ کارنامہ کسی انسان کا ہے یا خدائے بزرگ و برتر کا کہ جس آئین کی منسوخی کی سزا انسانوں نے متفقہ طور پر موت مقرر کی۔ فطرت نے اس کی معطلی کا انعام حکومت تحریر کر دیا۔ راتوں کی سیاہی میں گھرے ہوئے مسافرو، اس اندھیرے میں سمتیں متعین کرنا ہیں تو اپنے سائے نہ ڈھونڈو۔ نہیں ملیں گے۔ آسمان کی طرف دیکھو۔ شاید فطرت نے سمت نمائی کے لئے ستارے چمکا رکھے ہوں ..... کہیں سہو تو ہو گا، کہ آئین جو قوموں کی رہنمائی کے لئے ترتیب دیئے جاتے ہیں، ہمارے ہاں فقط عبرت کے لئے استعمال ہوتے آئے ہیں۔ کہیں یہ اللہ کی حاکمیت کے پردے میں بندگانِ خدا کا استحصال کر کے اپنی حاکمیت قائم کرنے کا معاوضہ تو نہیں۔ ریاست پاکستان کو ریاستوں کا پاکستان بنانے کی اُجرت تو نہیں، جو فطرتِ عادل نے پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دی ہو۔ کہیں یہ وہ سزا تو نہیں جو اللہ کی حاکمیت نے جمہور کی حکومت کے لئے تجویز کی ہو۔ کہیں یہ وہ بدلہ تو نہیں جو مدنیت نے ری پبلک اور فیڈریشن سے چپکے سے لے لیا ہو۔ یہ وہ زرِ تنخواہی تو نہیں جو ہم نے ریاستِ اسلام کو جمہوری ری پبلک بنانے کے صلے میں وصول کیا ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ چنار کھلے ہوں اور ہماری غیر دور اندیش سیاست نے مشہور کر دیا ہو کہ گلشن میں آگ بھڑک اٹھی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نے دین اسلام کو مغربی جمہوریت اور یہودی سوشلزم کی بیساکھیاں دے کر اس کی تکمیل پر آئینی طعن کیا ہو۔ ایسا تو نہیں کہ ہم نے عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرّف میں دے دیئے ہوں۔ یوں تو نہیں کہ نظریات کے تصادم کی وجہ سے ہم کور نظری کا شکار ہو کر حق را بسجود سے کی بجائے صنماں را بطواف کے عمل میں مشغول ہو گئے ہوں۔ ایسا تو نہیں کہ ہم نے امر و حکم میں امتیاز نہ کیا ہو اور ہمارے

Marfat.com

امر، اُمراء کے سپرد کر دیئے گئے ہوں۔ ایسا تو نہیں کہ ہم نے اللہ کی بجائے مکتبہ ہائے شریکانِ خدا سے "اھدنا الصراط المستقیم" کی التجا کی ہو اور "ضالین" قرار پا کر مغضوب ہو کر رہ گئے ہوں۔ ہم وطنو! کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے۔ خدا کے لئے سیاست کو مزید عشوہ طراز نہ بناؤ۔ کہاں ہیں نہ اور نہ میں ہاں مخفی ہو۔ خدا نے تمہیں اقتدارِ فانی سے نوازا ہے تو احترامِ اقتدار لافانی سے بھی نوازے! یہ طور بھی نہ اپنانا کہ ہم سے ہاں کہلوا کر روکھے منہ فرمان ہو کہ ہم نے ارادہ بدل لیا ہے۔ نظام اسلام کے نفاذ کا اولین تقاضا یہ ہے کہ اسلامک ری پبلک آف پاکستان کی بجائے ریاست اسلام وجود میں لائی جائے۔ یہ بھی لازماً زیر نظر رہے کہ اسلامی ریاست اور ریاست اسلام کی تصریحات و توجیہات جداگانہ ہیں۔ یہ ہم معنی و ہم مطلب تراکیب نہیں اور نہ ان کی تبریک ایک سی ہے۔ دانشورو! ملکی وحدت کے بغیر نہ ملّی وحدت ممکن ہے، نہ فکری یک سوئی۔ یاد ہوگا، ایک دفعہ ہم نے ون یونٹ بنانے کا دعویٰ کیا مگر پسِ پردہ عملی طور پر دو یونٹ بنا ڈالے تھے۔ جس سیاسی لغزش کا مداوا پسپائی سے بھی نہ ہو سکا اور آج پاکستانی وہ قوم ہیں جن کا مشرق ان سے چھن چکا اور مغرب کو اگرچہ حالات نے ہاتھ دے کر رکھ لیا مگر حالات کی جھولی میں فقط مغرب کی آسمانی سیاسی طشتری رہ گئی جس میں بینگن ہی بینگن ہیں۔ جن کا سیاسی رویّہ بیگن کی پاکستان دشمنی سے بھی بیش روی کا متمنی ہے۔ اُف وہ منحوس لمحات جب حالات نے میدان سیاست ان اذہان کی کارآزمائیوں کے سپرد کر دیا جن کی زندگی متوفیہ اندرا گاندھی کو یہی اشارے کرتے گزر گئی کہ "ملّا مار کے بٹھا دے دیوا۔ تے اکھ نال گل کرئے"۔ اُف! سات آیات کے وطن میں چھ نکات کا غوغا۔ اور ہائے وہ گوہر جو الطاف کی نذر ہو گئے.....

اے حالیہ ریفرنڈم کی کامیابی۔ تو نے اگر نہ جانا کہ ریاست اسلام کی بنیاد ایمان پر ہوتی ہے، نسل و زبان پر نہیں، اس کی دل آویزی خوبصورت الفاظ اور دلکش نگارسے نہیں، مضبوطی کردار اور عقیدۂ راسخ سے نشوونما حاصل کرتی ہے۔ صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن سے متوازن معاشرہ کا قیام کہیں زیادہ اہم ہے۔ ملک و وطن مصلحتوں کے بسیرے نہیں ہوتے، انہیں نسلوں سے نہیں نسلوں کے لئے بنایا اور بسایا کرتے ہیں۔ وطن سے یارانہ نہیں ہوتا محبت ہوتی ہے۔ ان میں گھروں کی طرح بسا کرتے ہیں، ہوٹلوں کی طرح نہیں رہا کرتے۔ زبانوں کا اختلاف فاصلوں کا پیدا شدہ ہے اور فاصلے بڑھاتے رہنا اس کا مشغلہ ہے۔ تہذیب اُسے نہیں کہتے جو فکری تقاضوں نے ڈھالی ہو، اُسے کہتے ہیں جسے فطری تقاضوں نے جنم دیا ہو۔ وحدتِ مدنیت کے بغیر تمدّن کا پنپنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ اور تمدن کو محفوظ رکھنے کے لئے باتھ روم اور غسل خانے تعمیر نہیں کیا کرتے، صحن وسیع رکھا کرتے ہیں، صحن میں دیواریں اٹھادی جائیں تو رسوم و رواجات، تہذیب و تمدّن میں دراڑوں کا در آنا لازم ہوجایا کرتا ہے صحن کا خلوص اور رازداری اگر لان کی سیاست بن جائے تو گھروں کا مغربی جمہوری روایتیں اپنا کر محض روایتی بن کر رہ جانا مقدّر ہو کر رہ جاتا ہے۔ مغربی جمہوری گھر متصوّریتیموں کے گھر ہوتے ہیں۔ انسان مجسّم جنس بن کر رہ جاتا ہے۔ چلتی پھرتی دانشِ متنازعہ۔ رینگتی ہوئی سیاست۔ دہشت زدہ اور وحشت خوردہ انسانی اعمال متوازی ہوجاتے ہیں۔ مساوی نہیں رہتے۔ احکام کی وحدت و یکسانیت ہی تہذیب و تمدن کی ہمہ گیری و یک سوئی کی ضامن ہے۔ مومن کو فقط احکامِ الٰہی کا پابند کرنا تکمیلِ دانشِ انسان کا باعث اور دانشِ خداوندی کے بالاترین ہونے کا ثبوت ہے۔ انسانِ کامل کی نامکمل اطاعت ایمان کی

Marfat.com

کمزوری ہی نہیں، آج کی سیاست کا دوغلاپن بھی ہے۔ اسے حسبِ صوابدید کامیابی استصواب ہاں! کہہ دے۔ تونے قوم کا شکریہ ادا کیا۔ قوم تیرا شکریہ ہی ادا نہیں کرے گی، تیرے اور اپنے خدائے واحد کے روبرو ہمہ گیر خشیت سے سجدہ ریز بھی ہو جائے گی۔" تمیز رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا۔ نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی" ...." ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے۔ نیل کے ساحل سے لے کرتا بہ خاکِ کاشغر" ....." فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں۔ موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں"۔ یہ بھی کچھ عشقِ دانائے راہ نے ملت کے قوالوں کے لئے نہیں، سیاستدانوں کے لئے فرمایا تھا۔ اور" الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن۔ ملا کی اذان اور ہے مجاہد کی اذان اور"...." پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں۔ کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور" کہتے وقت مفکرِ پاکستان کے تصور میں پی آئی اے نہیں کوئی اور ادارہ تھا۔ کوئی شیخِ کلیسا نواز نہیں تھا، بندۂ مومن کا خالق وکار آفریں، کارکشا وکارساز کردار تھا۔ وہ مومن جو حلقۂ یاراں میں ابریشم کی طرح نرم اور رزمِ حق و باطل میں فولاد کی مانند سخت و راسخ ہوتا ہے اور مومن کے لئے زیب نہیں کہ سرمایہ داروں کے لئے جنگ زرگری کا سامان مہیا کرے۔ ایسے ادارے قائم و استوار کرے جن میں گرمئ گفتار میٹھے مزے اور خواب آور اثر کو جزوِ ایمان بنالے اور سرداری صرف چند افراد کو ہی زیب دینے لگے۔ انسانی سیاست میں خدا کا کوئی عمل دخل نہ رہے۔ مریدوں کو تو مٹی کا دیا بھی میسر نہ ہو اور پیر کا گھر بجلی کے چراغوں سے منور رہے۔ لوگ قبروں کی تجارت کر کے نکونام ہوتے رہیں۔ اور علم کے نام پر گلیمِ بوذر، دلقِ اویس و چادرِ زہرا نیلام ہوتی رہے

Marfat.com

بھرے بازار میں بندے خدا کو بیچتے رہیں۔ خدا کے نام پر خدا ہی پر بولی لگتی رہے۔ رشوت مالیہ سرکار کے انداز سے وصول کی جاتی رہے۔ لوگ کفن کی مہنگائی کے زیر نظر موت سے ڈرتے رہیں۔ بچوں کی فاقہ کشی کے ڈر سے خاندوں اور بیویوں کی قوتِ برداشت میں اضافہ ہوتا رہے۔ اندھیرا اجالے کے واسطے سے مقبول ہوتا رہے اور لوگ آب ودانہ کی تلاش میں کبوتروں کو دانے چگتے ہوئے دیکھ کر محظوظ ہوتے رہیں۔ یہ صورت حال رہی تو لوگ اپنے ووٹ بیچ دیں گے۔ اور ووٹ خریدنے والے اپنے آپ کو۔ اپنی بولی لگانے والے قانون ساز نہیں قانون ساز ہوتے ہیں اور شمع روشن ہی اس ورد کے ساتھ کیا کرتے ہیں کہ "اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات۔ رو کر گذار یا اسے ہنس کر گزار دے" اور دلاسے دیتے رہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں ایک دن ہزار سال کا ہوتا ہے اور سیاست میں ایک رات پانچ سال کی .... کوئی مُلکُ الرائے، کوئی اہل الرائے، کوئی عیال الرائے بُرا نہ منائے کہ زخم دکھانا کسی رواج میں بھی گستاخی نہیں ہوتی۔ زخم پر مرہم نہ رکھنا بے دردی ضرور ہے، بالخصوص جب زخم رِس بھی رہا ہو۔ سیاست دالوں کو ووٹ نہیں ملتے، کوئی باعثِ حیرت امر نہیں۔ حیرت تو یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے بچوں کے لئے ایک پاؤ دودھ خالص ایک چھٹانک وہ چیز جسے کبھی گھی کہا کرتے تھے، میسر نہیں۔ مہنگائی کے صدقے اچھا خاصا کماتے لوگ بھی اپنے گھروں میں نکھٹو کہلواتے ہیں۔ اُوپر سے الیکشن کا زمانہ آلگا ہے۔ امیدوار اولاد کے رشتے بھی یہ دریافت کر کے طے کرتے نظر آنے لگے ہیں کہ ماشاء اللہ گھر کے کتنے ووٹ ہوں گے۔ کوئی دن آتا ہے، خاوندوں کی دعائیں ہوں گی، یا اللہ تو اولاد دے نہ دے، بیوی کا ووٹ پکا رکھنا۔ بیویاں مزاروں پر دعا گو ہوں گی، اور جو کچھ بھی ہو خاوند کی مجھے ووٹ دینے کی نیت خراب نہ ہو۔

Marfat.com

صرف اس دن اسے تندرست رکھنا۔ کدورتیں، نفرتیں، مخاصمتیں جو مغربی
جمہوری طریق انتخاب عطا کرے گا اس کے پیش نظر یہ کہنا کوئی پیش گوئی نہیں
کہ انتخابات کا سب سے زیادہ مالی فائدہ چند وکیلوں اور اس کا دس فیصد ان کے
منشیوں کو ہوگا۔ سیاستِ بے ہوش کا جوش مایوس گہرائیوں میں اتر جائے گا
اور غائندوں کو بہت دیر کے بعد یہ معلوم ہوگا کہ تانگے کے گھوڑے کے
سینے پر نمدے کا موجود رہنا کیوں ضروری ہوتا ہے اور گھوڑوں کو گرمی کے
موسم میں کارپوریشن کی لگائی ہوئی سبیل کا قائم مقام کیوں نہیں بھولتا۔ اور اگر
اعلان شدہ اسلامی حکومت کے انتخابی منشور پر عمل کرنے میں کوئی کوتاہی سرزد
ہوگئی تو لاکھ نیک خواہشات کے باوجود اصل مارشل لا نہیں اٹھایا جاسکے گا۔ بلکہ
مارشل لا کی لفٹ کے بغیر منازل عمارت حکومت کی تمام باقی ماندہ سیڑھیاں ناکارہ ہو
کر رہ جائیں گی۔ نظام مشاورت کے بغیر نہ عوام اور حکومت کے درمیان رابطے قائم ہوسکتے ہیں
نہ انسانی حریت میسر ہوسکتی ہے، نہ حاکیت الٰہی کا نفاذ ممکن ہے۔ اگر ہوتا تو
اللہ تعالیٰ امرھم شوری بینھم کا حکم نہ فرماتے اور میکاولی حامل وحی قرار پاگیا ہوتا۔

Marfat.com

ویر میرا کرسی کہندی آ

بے حمیت وبے ترتیب ، سرمایہ کارانہ وجاگیردارانہ، پیشہ ور سیاسی اجارہ داری، کہ وطن عزیز میں جس کی پرورش زیر آئین بھی رہی، بالائے آئین بھی اور بغیر آئین بھی، ان دنوں شب وروز عمداً ۱۲ اگست کے اعلانِ صدر کو سیاسی صد رہی کے لئے سدّراہ بنادینے کی غرض سے مقید طوطوں اور پابندِ قفس میناؤں کی طرح اس لئے دُہرا رہی ہے کہ خود صدر بھی بھول جائیں کہ یہ وہی اعلان ہے جس کے صادر ہونے پر ان ہی سیاست کاروں نے صدہا دفعہ لاحول ونعوذ پڑھا تھا اور وہ ملک گیر تحریک چلانے کی ٹھانی تھی جو ان ہی کی نیتوں کے طفیل صرف ایک صوبہ کی قلیل اور بھارت کی "اندرآ" صوابدید کو متحرک کرسکی۔ اندرونی بیر خوار ہوئے اور زنار لپوش کرپانوں کی زد میں آگئے۔ غرضیکہ " وہ جارہا ہے کوئی شبِ غم گذار کے " وارد ہوا۔ اور یہ تحریک لغتِ سیاست پاکستان میں، محرومیت، خودمختاری وکنفیڈریشن کے الفاظ کا اضافہ کرکے خاموش نفرتوں میں ڈھل گئی۔ ۱۲ اگست کے اعلان کی تعمیل کا شور وغوغا اس لئے کیا جارہا ہے کہ اعلاناتِ ملتان وپشاور کی بانگِ درا نقار خانہ میں طوطی کی آواز بن کر رہ جائیں اور نہایت پُرکاری سے انتخابات یوں منعقد کروا لئے جائیں جیسے مکّار بنیا سادہ لوح کاشتکار سے حصولِ قرض کی دستاویز پر انگوٹھا لگوا لیتا ہے اور

Marfat.com

دستاویز کے تجوری میں بند ہو جانے تک آنکھوں کی طوطا چشمی ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ بدیں حالات ملتان کے اعلان میں فکرِ اقبالؒ کے اثبات اور مغربی جمہوریت کی نفی اور پشاور کے انتخابی منشور کے تمام تر نکات جو بعدۂ ڈیموکریسی کی ہمزاد بیوروکریسی کی پرکار شوری کریسی کی طفیل نورہ گئے اور نو دو گیارہ نہ ہو سکے؛ جناب صدر کو یاد نہ دلانا ملک و معاشرہ کے ساتھ فکری بے انصافی ہوگی۔ ان اعلانات کے نتائج کو سرمایہ کار پیشہ ور سیاست کے لئے پیامِ مرگِ ناگہاں جان تمام تر ذہانتِ حیلہ ساز کو مجتمع کر کے اُن کی افراد کے ایما پر، جن کی رقابت و منافرتِ سیاست نے علیحدگی کی سرحدوں پر سجدہ ریز ہونے کی ٹھان لی تھی۔ قومی یک جہتی کے حسین غلاف میں "کتاب جمہوریتِ غرب" صدر مملکت کے ہاتھوں میں تھما دینے کی بھرپور کاوش کی۔ مگر کرنا خدا کا کہ جو ہاتھ یہ کتاب تھامنے کے لئے بڑھے تھے، دعا کے لئے اٹھ گئے اور صدر اس جال سے یوں نکل گئے کہ شاید انہیں بھی معلوم نہ ہو کہ کیا ہوا، کیوں کر ہو۔ یہ خیال آرائی دراصل "ویر میریا کرسی کہندی آ۔ ایہہ نام نبی دا لیندی آ۔ ویر میریا کرسی!" کی دھنوں پر تھی، جو نغمہ خوانوں کے طبلچیوں کا ساتھ نہ دے سکی اور یوں "جگنی" رات کی تاریکیوں میں ڈوب گئی۔ ہر چند کہ تاریخ بارہا ثابت کر چکی کہ خدا بہترین حیلہ ساز ہے اور قدرت غیر فطری موجدانِ فکر کے ہر نقش کو معدوم کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ مگر حیلہ ساز انسان پھر بھی باز نہیں آتا۔ فکری اُلجھاؤ میں گرفتار زمانہ آگاہ بھی رہے اور گواہ بھی کہ نگاہِ فطرت میں سیاست و عساکر متقابل نہیں، آئین اسلام اور مغربی جمہوریت دُو بدو ہیں۔ مغربی جمہوریت آئینہ رو ہے اور اسلام ابھی فقط نیک خُو۔ بعض مسلمان آئینہ ایام میں اسلام کا عکس نمایاں کرنے کی بجائے مغربی جمہوریت کے عارض پر بل کھائی زلف بے گرہ کو دیکھ کر وعظ کناں ہیں کہ اس "لام" کو دیکھو۔ کتنی دل آویز ہے، کتنی ایمان پرور، کتنی راہ نما ئے تمکین ہوش

کتنی گرہ گیر کہ اس کا ہر صیّاد اس کے دام میں گرفتار درِم درِم پکارتا اور تجوری پر ہاتھ رکھ کر قسمیں کھا رہا ہے کہ جی کا جانا ٹھہر گیا ہے ماصبح گیا کہ شام گیا۔ اسلامی انتخابی منشور کے نونکات کو سیاستِ آخرِ شب کے نوستاروں اور بوجہ کارِ خود ڈوبے ہوئے قمر کے خون آلود شفق کی افق تابیوں سے محفوظ رکھنا ہر محبِ وطن کا فرض ہے۔ قبل اس کے کہ فطرت جان لیوا کرب کے باوجود موجودہ دور کے لم یلد ولم یولد ہونے کا اعلان کرے۔ طعن وتشنیع، تنقید وتحریف سے بالاتر ہو کر حالات سے باخبر رہنا اور صراطِ مستقیم کو تاریک و معدوم نہ ہونے دینا ہر اُس مسلمان کا فرض ہے جسے میدانِ حشر اور سامانِ حشر پر یقین ہے۔ تحریک نظامِ مصطفےٰ کا ایوانِ اقتدار سے فردِ واحد کے انخلاء کے مطالبہ کی حد تک سکڑ جانا، ثانوی مسئلہ قرار پا جانا، اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر "پے" دم نکلے اور" ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا" کی سیاست وفراست کا وارد ہونا۔ اوّل احتساب امابعد انتخاب کی التجا، قاصد کے ساتھ ساتھ تابکوئے رقیب جانا اور سر کے بل لوٹ کر آنا۔ سیاہ دوپٹوں کے زندہ خطرات کا ہیبت ناک بھوت بن کر کھلی آنکھ خوابوں میں دکھائی دینا۔ دستارِ واعظ کا مے خانے کی چوکھٹ پر پایا جانا، اذہان کے خوف کا دلوں میں لٹک جانا۔ نالے کا پابندِ نَے نہ رہنا۔ باہمی ٹوٹ پھوٹ کا توڑ پھوڑ کے لئے رضامند ہو کر سیاسی مرہٹوں کی طرح بغل گیر ہونے کے لئے بازو پھیلانا۔ بغلیں جھانکتے ہوئے بغل گیر ہو جانا، ایسے ناقابلِ یقین سانحاتِ فکر وعمل ہیں جیسے کھلنڈرے پانی میں پتھر پھینک رہے ہوں اور خلقِ خدا انہیں دانشور گردان رہی ہو۔ ایسے ہی کئی اور واقعات ہیں جنہیں عنوان نصیب نہ ہو سکے۔ تحفظِ ختمِ نبوت کے پردے میں منسوخی آئین اور بالجبر انتقالِ اقتدار کے لئے "مرزائی راہ دہندہ"، گٹھ جوڑ کے صلے میں مایوسی ومحرومی کو تاریخ کس کی بدبختی اور کس کی خوش بختی قرار دے۔ اور اس عمل کا عنوان کیا ہو کہ لڑکوں اور سڑکوں کا رعب

Marfat.com

جماتے ہوئے سیاسی جگنوؤں دم سیدھی بھی نہ کرنے پائے تھے کہ سویرا ہوگئی اور دم سادھنا پڑا۔ اسلامی سربراہی کانفرنس میں گونجتی ہوئی آواز کا گلا رندھ دینے کے لئے مشترکہ یہودی واشتراکی سازش کے کماندار ابھی تسمے ہی باندھ رہے تھے کہ پتسمہ سیاست کے کفن میں بطرز اعجاز ایک کیل گڑ گئی۔ ان تمام ناکامیوں کے بعد اور باوجود، بارہ اگست کے اعلان پر عمل درآمد کا تقاضا خالی ازعلت اس لئے نہیں کہ آئین میں عسکری کردار کے تعیّن کے معترض مخالفین یقیناً یہ نہیں بھول گئے ہیں کہ اس اعلان کے ساتھ آئین میں کچھ ترمیم کا ذکر بھی تھا۔ جس پر عمل درآمد کے بعد سیاست و ملازمت میں صرف لفظوں اور ہجوں کا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ اُردو بازار میں کتابیں فروخت ہونے سے اُردو زبان غیر لشکری نہیں ہو جاتی۔ اُردو یہ کہے کہ میں لشکر نواز نہیں تو ہم سادہ لوح تو یقین کر لیں گے مگر اُردو لُغت کو یقین نہیں آئے گا۔ اقتدار کلی میں موہوم سی شرکت کے عمل کو انتقالِ اقتدار کا عمل تصوّر کر لینے کے رجحان کو خود فریبی یا کسی بڑی سازش کے لئے عملی بنیاد کا نام دیں۔ پیشہ ور اجارہ دار سیاست کتنی ہوشیار ہوتی ہے، اس کا اندازہ تو مجلس شوریٰ میں مخالف سیاسی جماعتوں کے اراکین کی تعداد سے ہی لگایا جا سکتا ہے کہ پیشہ ور سیاست کاری مجلس شوریٰ میں نہ جبراً نہ سہواً داخل ہوئی، اور نہ آئندہ غیر یا ئندہ انتخابات میں اپنا کام دکھائے بغیر رہے گی۔ چنانچہ جن لوگوں نے لنگر توڑ دیئے تھے، وہ لنگوٹے دُھلوا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ پہلوان ہیں جنہیں اُٹھا کر اکھاڑے میں لایا جائے گا اور انشاءاللہ اُٹھا کر ہی لے جایا جائے گا۔ سورج نکلتا دیکھ کر جو وفاداری بدل جائے، اس کی اصلیت عشاء سے پہلے ہی کھل جایا کرتی ہے۔ نصف النہار کے پجاری لازماً نصف شب کے نقب زن نہ ہوتے تو تاریخ نے وزیروں سے زیادہ شب بیدار غریب چوکیداروں پر اعتماد نہ کیا ہوتا۔ افسوس ہے کہ یہ مدّنظر نہ رہا کہ قرض خواہ

Marfat.com

سیاسی سُود خوروں کے منشی معدّیوں کو کھیتوں کے نگہبان مقرر کرنا ایک عام دہقان کو بھی کن مصائب اور ہولناک نتائج میں مبتلا کر دیتا ہے۔ سیاسی مرقدوں کے اسی سرمایہ نے کفن میں آخری کیل لگانے والے کو کفن کے لئے آخری کیل کی تلاش کی بجائے آخری کیل کے لئے کفن کی تلاش میں لگا رکھا ہے۔ اور جو روزِ طلوع ہونا چاہیئے تھا اُسے غروب کی گود میں بہلایا جا رہا ہے۔ تدفین میں التوا و تاخیر سے میت جوان نہیں ہو جایا کرتی۔ میتّوں کی درازیٔ عمر کے لئے دعا کرنا کارِ حیات کے اجرا کو روکنا اور اس کے لئے دوا مہیا کرنا فرعون کو ہی نہیں عمل قارون کو بھی محفوظ کرنا ہے۔ انتخابات اور انتخابی عمل کے اجرا کا جو کوئی مخالف ہے، واجب ہے کہ اس کا منہ کالا کر کے اُسے آرائشی آئینوں کے سامنے کھڑا کر دیا جائے۔ تقاضائے وقت ہے کہ انتخابات ہونا چاہئیں۔ بہت پہلے ہو جانا چاہئیں تھے۔ اُس وقت سے بھی پہلے جب ان کے التوا کے لئے عرضیاں گزاری جا رہی تھیں۔ تاکہ مثبت نتائج نہ بھی ہوتے تو بھی آج جو تھے مارشل لاء کے سال تو شمار ہو رہے ہوتے۔ تاہم اس پر بھی غور لازم رہے کہ دیر آید کا درست آنا تو شاید لازم ہو، درست ہونا تو کوئی ضروری نہیں اور پھر سیاسی اقتدار کوئی بٹیر نہیں ہوتا اور نہ سیاسی انصاف اندھا ہوتا ہے۔ بارہ اگست کے اعلان کے مطابق انتخابات کا انعقاد اوّل تو ممکن ہی نہیں۔ اس لئے نہیں کہ کسی کی نیت درست نہیں، اس لئے کہ سیاست سمت لگاڑ رہی ہے۔ حالات ہی کی نہیں خود انتخابات کی نیت خراب ہے اور اس لئے بھی کہ مغربی جمہوری امیدواری کی نیت کے خرابے تو فرشتے بھی آباد نہ کر سکے، کسی اور کی تو بساط ہی کیا ہے۔ اور پھر ہماری سیاست جو ٹریکٹر کے لئے ہل خریدنے نکلی تھی ٹینک خرید لائی۔ اور اب کون محبِ وطن چاہے گا کہ وہ کچھ وجود میں آجائے جو قیامِ پاکستان کے مخالف سیاست دانوں کے تصور میں جنم لے چکا ہے۔ استحکامِ اقتدار و وطن تو کُجا انتخابی "چھلے"، کے دن گزارنا

Marfat.com

ہو جائیں گے۔ پاکستان کا صحیح و سالم و صحت مند مستقبل متقاضی ہے تبدیلیٔ نظام حکومت کا۔ بندوں کی حاکمیت کے ختم شریف اور نفاذِ حاکمیت الٰہی، بندوں کی حکومت کو بندوں کی خلافت میں تبدیل کرنے کا۔ انسانوں کو صرف پیشہ ور سرمایہ دارانہ اجارہ داری کے شکنجوں سے آزاد کروانے کا ہی نہیں، بندوں کو بندوں کی ہر قسم کی غلامی سے آزاد کروانے کا۔ عام حریت انسان کے وارد کرنے کا۔ اپنے مفاد کے لئے بنائے ہوئے چند انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی گرفت سے سسکتی ہوئی انسانیت کو آزاد کروانے کا۔ سرمایہ داروں کی جنگ زرگری کو حرام قرار دینے کا۔ حاکموں کو اللہ کا اطاعت گزار بنانے کا۔ نیک و بد اور نیکی و بدی میں تمیز کا انسانی اہلیتوں کے احترام کا۔ طاغوتی طاقتوں اور ان کے وسائل کے انہدام کا۔ زمانے کو نہ ہر فن مولا درکار ہے نہ جرنیل سنگھ۔ تنازعہ حاکم وقت اور سیاست دانوں کا نہیں، مغربی جمہوریت اور اسلام کا ہے۔ مغربی جمہوری دیو استبداد کھجور کے سائے تلے دوپہر گزارتے ہوئے فاروق پر شہہ لگائے بیٹھا ہے، مشکیزہ اٹھائے گھروں میں پانی مہیا کرتے ہوئے خلیفۂ وقت پر کمان تانے ہوئے ہے کاش اپنے ماتھے پر سجدوں کے واضح نشان لئے ہوئے زمامِ کار بدست جان سکیں کہ مطالبہ دراصل انتقال اقتدار کا نہیں، حصول ذرائع استبداد کا ہے۔ یہ آوازیں جو ہم سن رہے ہیں، دلوں کی دھڑکنوں کی نہیں ہیں، ضمیروں کی راکھ کی آندھیوں کی سائیں سائیں ہے۔ بارہ اگست کے اعلان کے واسطے سے سیاسی سیزرا علان جنگ فرما رہے ہیں۔ یہ طبل سکوت توڑنے کے لئے نہیں، سقوط برپا کرنے کے لئے بجائے جا رہے ہیں۔ بارہ اگست کے اعلانِ انتخاب پر عمل ہونا چاہیئے۔ لازماً ہونا چاہیئے مگر اعلاناتِ ملتان و پشاور کے ساتھ ساتھ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہر بروٹس، آگسٹس بن بیٹھے گا اور ڈولیوں کے بانس جنازے اٹھانے کے لئے استعمال کرنا پڑیں گے۔ کسی کو سیاست کے ان بت ہائے نازک بدن کے پاؤں

Marfat.com

بھی دابنا ہوں گے۔ جنہیں خوابوں میں عیدوں سے ملنے کی عادت ہے۔ اور اگر بارہ اگست کے اعلان پر ملتان اور پشاور کے اعلانات کے واسطے سے عمل کیا گیا تو پیش گوئی ہی جانیئے ، ایک واویلا جس کے مقدر میں ریلا بننا نہیں ہوگا مختصر مدت کے لئے بلبلائے گا۔ کہ انگور کھٹے ہیں ..... اور انگور پک چکے ہوں گے۔ اے زمام بدست۔ تجھے مزارِ نبیؐ پر تیری رقتِ قلب اور دعا کے لئے اٹھائے ہوئے ہاتھوں کا واسطہ، مغربی جمہوری نظام کے اعادہ کا اہتمام نہ کرنا کہ تیرے وطن کے متوسط طبقہ کو، کہ دانش و خلوص و راسخ الاعتقادی جن کی مِلک و سرمایہ ہوتی ہے، انتخابی مہم جوئی کے لئے لاکھوں روپے میسر نہیں۔ ناجائز اسلحہ بھی نہیں کرائے کے متشدد بھی نہیں۔ دھاندلی کا سلیقہ بھی نہیں۔ خفیہ سازشوں اور گٹھ جوڑ کا اسلوب بھی نہیں۔ نہ ووٹوں کی گدائی نہ ان کی خرید و تجارت ان کے بس کا روگ ہے۔ یہ نہ ضمیر فروش ہیں، نہ دانش فروش، وطن کی مٹی سونگھ لیتے ہیں اور تصورِ حیات میں گلشن بسا لیتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ سیاست آج تک ان کا استحصال کر کے ان سے دریاں بچھواتی اور شامیانے لگواتی رہی۔ شادی ہوئی تو ان سے باجے بجوا لئے، مرگ ہوئی تو مفت میّت نہلوا لی اور قبر بھی کھدوالی۔ متوسط طبقہ کو اپنی خواہشات کو سلجھانے، تمناؤں کو بہلانے، دلائل کو مسخر کرنے اور قلب و ضمیر سے مسخر ہو جانے کا فن آتا ہے۔ ان کی اہلیتیں وطن کی بہبودی کے لئے استعمال ہونے کے لئے بے تاب ہیں۔ مگر سرمایہ داری کے نیلام گھروں میں صرف غداری پر بولی لگائی جاتی ہے ان کی نمائش گاہوں میں پس پردہ سازش کے ذریعہ شاہ گری اور خوشامد کے ذریعے مسند آرائی کے قمار خانے سیاسی "سکل گیم" کے نام پر کھولے جاتے ہیں۔ مغربی جمہوری طریقِ انتخاب روا رکھا گیا تو وطنِ عزیز کے اصل سرمایہ کو کوڑے کے ڈھیروں پر پھینک دیا جائے گا اور ایوان سامان خودکشی سے سجا دیئے جائیں گے۔ خفیہ رائے دہی کا مروجہ جمہوری طریقہ اپنی اصل میں ضمیر و قلب

Marfat.com

کو سربمہر کرنے کا عمل ہے، آزادیٔ ضمیر کا نہیں - اسے آزادیٔ ضمیر کہنا بہت بڑا فریب ہے۔ اس عمل سے ہر انسان کے اندر ایک چور جاگ اٹھتا ہے۔ ہر وہ پارسائی جس کا تخلیہ محجوب ہو، بند قبا سے پہچانی جاتی ہے، طرّہ و دستار سے نہیں۔ وطنِ عزیز کو مثبت سیاست کی راہوں پر ڈالنے اور افرنگ زدہ دانش کو نیکی اور بدی میں تمیز کے ڈھنگ سکھانے کے لئے نیک و بد کی پہچان کا سلیقہ واضح کرنے کے لئے لازم ہے کہ اعلانِ پشاور کی روشنی میں رائے دہندگان کی فہرستیں از سرِ نو ترتیب دی جائیں۔ عہدہ طلبی، امیدواری اور مہم جوئی کا قلع قمع نہ ہوا اور پیتا ہوں روزِ عید و شبِ مہتاب میں کی رعایت دے دی گئی تو کسی سیاسی یا اخلاقی ارتقا، کسی اتحادِ ملّی کی تمنا عبث ہے اور اگر یوں ہی رہا تو نیلامِ یوسف جاری رہے گا۔ اور ہر دیدۂ بینا کی حیثیت فقط روزنِ دیوارِ زنداں ہو کر رہ جائے گی۔ یہ دیوارِ زنداں کے روزن ہی تو ہوتے ہیں جن سے عوام سرمایہ دار منتخب شدہ نمائندوں کے جشنِ فتح کے جلوس دیکھا کرتے ہیں۔ عہدہ طلبی و مہم جوئی سے پیدا شدہ مخاصمت و کدورت معاشرہ کا کینسر ہے۔ ہر عہدہ طلب مہم جُو خائن بھی ہوتا ہے اور قارون خصلت بھی۔ مملکتِ اسلامیہ کو مشاورت کے وسیلہ سے امیرِ مملکت کا متفقہ انتخاب اپنی سالمیت کے لئے درکار ہے۔ یہ مقصد عہدہ طلبی سے نہیں، اصول مشاورت و بیعت اپنانے سے حاصل ہوگا۔ مروجہ طریقِ انتخاب اصول بیعت کی واضح نفی ہے۔ کُرتہ تراشنے اور کُرتہ پھاڑنے میں فرق جانیئے۔ یہ عہدہ طلب ہی ہیں جو سازشوں کے موجد ہوتے ہیں۔ ایسا نظام موجود ہے کہ عہدہ طلب نہ کیا جائے بلکہ پوری ملّت کے باہم مشورہ سے پیش کیا جائے۔ عہدہ حاصل ہو جانے پر جشن منانے والے اور عہدہ پیش ہونے پر گریاں و لرزاں ہو جانے والے مختلف نظام ہائے سیاست کی پیداوار ہوتے ہیں۔ گداگری اور انعام یافتہ ہونے میں کچھ فرق تو ہوتا ہوگا۔ مشورہ کے دوران اختلاف

Marfat.com

رائے اگر یک رائے ہونے کی غرض سے ہو تو عین رحمت ہے ورنہ " ر" چلا اٹھتی ہے. مجھ پر نکتہ بھی ڈالو اور نقطہ بھی کہ میں ننگی ہوں. بحث بغرض اختلاف تفرقات و تعصبات کی حاتم طائی ہوتی ہے. تفرقہ بازی سماجی ہو یا مذہبی، نہ از روئے قرآن جائز ہے نہ از روئے حدیث، پھر یہ سبھی کچھ کس کی پیروی میں ہو رہا ہے. ایسا نظام برپا کرنے کے لئے جو انسانی حاکم کو خلیفہ بنا دے، بندوں کی حکومت کو خلافت میں تبدیل کر دے، حاکموں کو اطاعت گزار بنا دے، اس وقت تک رائج نہیں کیا جا سکتا جب تک مروّجہ مفسدانہ انتخابی قوانین یکسر منسوخ کر کے اسلام کی شرعِ انتخاب نافذ نہیں کی جاتی جس کی نشان دہی پشاور کے اس انتخابی منشور میں موجود ہے، جسے سن کر باوجود دیگر اختلافات کے ہم جیسے بے غرضوں کو بھی صاد کہنا پڑا تھا. اگر اسلامی ریاست وجود میں لانا مقصود ہے تو ہر کارِ حکومت میں تمام شہریوں کے بلاواسطہ مشورہ کے نظام کا قیام ازبس ضروری ہے. اور اگر بندوں کے اقتدار کی جنگِ زرگری ہی برپا کرنا ہے تو یہاں پہلے کون سا انسان ہے جس کا رُواں رُواں نہ پکار رہا ہو کہ یہ جہاں عجب جہاں ہے، نہ قفس نہ آشیانہ. قوم سے جو کوئی بھی انسانی اقتدار کی یہ جنگ لڑوائے گا، وہ بالآخر معاشرہ کو خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے پائے گا. یہ تحریر لکھ دی ہے تاکہ سند رہے.

Marfat.com

جنابِ صدر! تاریخ نے قلم اٹھا لیا ہے

ایک ہی فضا میں شاہین و کرگس کی پرواز کے انداز ہی مختلف نہیں ہوتے، مقاصد بھی جداگانہ ہوتے ہیں۔ اگر پرندوں کے بھی نظریات ہوتے ہیں، جانوروں کا بھی نکتہ نظر ہوتا ہے تو "شکارِ مردہ سزاوارِ شاہباز نہیں" کے کلیہ کے پیشِ نظر یہ امر کسی شہادت کا محتاج نہیں کہ شاہین و کرگس میں نظریاتی اختلاف بھی ہوتا ہے۔ الفاظ و معانی میں تفاوت نہ بھی ہو پھر بھی "ملّاں کی اذان اور ہے مجاہد کی اذان اور" کی دلیل لائیں تو لازماً ایک جانب نگاہیں جھک جاتی ہیں اور دوسری طرف افتخار چھائی پھیلا لیتا ہے کہ ملّا اور مجاہد کی فکر میں رہبانیت اور جہاد کے تفاوت کی وجہ سے "انی اکبر" اور "اللہ اکبر" میں عملاً فرق کا واقع ہو جانا لازمی امر ہے۔ اسلام کے "نظامِ حریت" اور مغرب کے نظامِ جمہوریت کی آمیزش سے تیار شدہ جو مشروب سیاسی عطائی عطار "داروئے امراضِ سیاست" کے لیبل لگا کر اپنی الحاد فروشی کی دکانوں کے لادین نظارہ کشوں میں گزشتہ ۳۶ سال سے سجائے بیٹھے ہیں، وہ دراصل ایسی میٹھی نشہ آور شراب ہے جسے چکھتے ہی انسان اپنی حاکمیت کی "بڑکیں" مارنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کی عبدیت کے کفن میں کبر و نخوت کی میخیں گڑ جاتی ہیں۔ اور پوری قوم کے کندھوں پہ درباری خادموں

Marfat.com

کے سرنصب ہوجاتے ہیں۔ پھر اللہ کی حاکمیت کے پردے میں بندوں کی حاکمیت کا قیام، یا حاکمیتِ الٰہی میں بندوں کی شرکت، انسان کو الٰہ اور نعوذ باللہ اللہ کو انسان گردانئے، درونِ بیت اللہ صنم تراشی، اپنے ہی سائیوں کے روبرو رکوع اور اپنے آپ کو سجدہ کرنے کے مکروہ و گمراہ کن عمل کے سوا اور کچھ ہے تو وہ شہنشاہِ اکبر کا اللہ اکبر جل جلالہٗ گڑگڑا اٹھنا ہے۔ گڑگڑا اس لئے کہ انسان بزعم خود خدا تو بن جاتا ہے مگر بندہ ہونے کے احساس سے نجات حاصل نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ ہر مصنوعی اکڑ میں لرزا اور رفوں میں ارتعاشِ عجز کا شمول لازمی اور فطری عمل ہے۔ جو انتہائی زور سے بولے گا اس کی آواز پھٹے گی۔ بیرونی انسانی خطرات سے حفاظت کے لئے قلعے تعمیر کئے جاسکتے ہیں، اپنے ہی اندر کی سنگساری سے کوئی انسان محفوظ نہیں۔ فقیر راہ نشین ہو یا شاہِ تخت نشین۔ انسانی اور الٰہی حاکمیت کی آمیزش کا بنیادی عمل ہمارے ہاں وہ مغربی جمہوری طریق انتخاب ہے جس کے نتیجہ میں ہم تلاشِ خدا کے لئے بندوں کے پاؤں چھونے کا رواج استوار کئے بیٹھے ہیں اور تسبیح کے دانے نوکِ خنجر سے شمار کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ اس خنجر کو زہر آلود کرکے ہمارے دانشور اس کی میان پر حق بالغ رائے دہی تحریر کرکے اسے آئین و دستور کی جھولی میں یوں ڈال دیتے ہیں کہ قراردادِ مقاصد سے لہو ٹپکنے لگتا ہے اور پھر اس پر بھی دلیل لائی جاتی ہے کہ یہ طریقِ انتخاب حاکمانِ و قانون سازاں، اسلام کے بنیادی اصول وشاورھم فی الامر اور وامرھم شوریٰ بینھم کے عین مطابق ہے۔ ہر چند کہ یہ طریقِ انتخاب کوچۂ رقیب میں سر کے بل جانے کے مترادف ہے۔ جنسی بلوغت، عہدہ طلبی، ہم جوئی، فکری اغوا، حرص و آز فروشی، قارونیت و فرعونیت کی مضبوط گرفت میں جکڑا رہتا ہے۔ اور تمام تر عمل میں نہ مشاورت کا کوئی مقام ہوتا ہے، نہ

Marfat.com

لمحاتِ وقوع۔ بس ایک کہرام ہے۔ جس کی افراتفری میں اندھے سُرمہ بیچ جاتے ہیں، مصنوعی دانت لگانے والے منجن فروخت کر لیتے ہیں اور خضاب کی خوبیاں گنوا کر بال صفا لوگوں کے ہاتھوں میں تھما دیا جاتا ہے۔ کہ لو انتخاب کے آئندہ روز گھر والوں سے پوچھ لینا کہ کہاں نہاؤں، کیا دھوؤں اور کیا نچوڑوں۔ فقیرِ بے تقصیر نہ فقیہہِ مصلحت بین ہے نہ رندِ بادہ خوار۔ نہ معلوم کون سی مستی ہے کہ سچی بات اس کے منہ سے نکل جاتی ہے۔ چشمِ خلق روشن ہو تو دل ماشاد ہو جاتا ہے۔ دعوت دیتا ہے کہ ہر وہ نوایجاد فتویٰ جو لادینی یا دینی سیاست کی پٹاری میں ہے اس پر عائد کر دیا جائے مگر وہ بہ بانگ دہل یہ تقصیرِ بالذّات اپنے ذمہ لئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ برملا اعلان کرے کہ جس طریقِ انتخاب میں مشاورت خشتِ اوّل و آخر کے طور پر نمایاں نہ ہو وہ اسلام کا مجوزہ طریقِ انتخاب نہیں۔ اور جنہیں یہ گمان ہے کہ اسلام میں کوئی خاص طریقِ انتخاب متعیّن نہیں، وہ یہ جان لیں کہ اُن کی آن گم شُدہ ہی نہیں اغواشدہ بھی قرار پائے گی۔ یہ نافہمی اسلام کے بنیادی اصولوں کی بیخ کنی ہے۔ اسلام کے اصولوں کے مطابق ہونے والے انتخابات میں مشاورت جزوِ لازم اور عملِ ملزوم ہے۔ اس مشاورت میں نفسِ امارہ کو پالتو بنائے رکھنے کے اہل، ذہنی شرارتوں، سازشوں اور وسوسوں کو قوتِ ایمان سے تسخیر کئے ہوئے شہری، جنہیں عرفِ عام میں اہلِ رائے کہا جاتا ہے، ہر اقدام، ہر مرحلہ اور ہر عمل کے دوران شامل رہتے ہیں، شامل رکھنا ہوتے ہیں۔ اسلام کے آئینِ مملکت کی رو سے ہر اہلِ رائے جسے آج کی اصلاح میں ووٹر قرار دیا جاتا ہے، امورِ مملکت میں مسلسل و متواتر مشورہ کناں رہتا ہے۔ یہ نہیں کہ چار پانچ سال بعد ہر نوع کی فریب دہی سے متاثر کر کے اس کی نبض پر اپنا ہاتھ رکھ کر ایک پرچی انگلیوں میں تھما دی کہ لو! چھُپا کر رازداری

Marfat.com

سے کسی رائے بند سربمہر صندوقچی میں ڈال آؤ کہ نہ کوئی آنکھوں آنکھ دیکھ سکے نہ کانوں کان خبر لگے۔ اور اما بعد فوراً نمائندہ آئندہ نما قرار پائے اور یوں قومی زندگی میں گزشتہ را احتیاط اور آئندہ را صلوات کا عمل جاری رہے۔ آج کی زبان بھی استعمال کریں تو اسلام کا طریق انتخاب امور مملکت میں ایک ایسے مسلسل مستحکم ریفرنڈم کی بنا قائم کرتا ہے جس میں مشاورت ضمن اوّل قرار پاتی ہے۔ جس عمل میں، جس امر میں مشاورت معدوم ہو یا اس کی نفی کر دی گئی ہو، اس کا ماحصل "ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری" کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ علامہ اقبال مرحوم کا یہ مصرع مغربی طرزِ انتخاب کے وجود میں لائے ہوئے ہر وزیر کے آئینہ پر تحریر ہوتا ہے۔ انسانوں کی دنیا میں نوشتۂ دیوار تو شاید کبھی کبھی کوئی ایک آدھ پڑھ لیتا ہے۔ نوشتۂ آئینہ کوئی بھی نہیں پڑھتا۔ تاوقتیکہ "اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی ولی ہے نہ نصیر" قلب کی گہرائیوں میں محفوظ لوح پر نمایاں نہ ہو جائے۔ انتخاب فقط مجلسِ مشاورت کو وجود میں لانے کا ایک ذریعہ ہی نہیں ایک امر ہے، ایک مرحلہ ہے، ایک مسئلہ ہے جو مملکت کے درپیش آتا ہے۔ اسے مشاورت کے بغیر طے کرنا اور اس کے بعد منتخب شدہ افراد کو مجلس مشاورت کے ارکان گردان لینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی سلائی کی مشینوں کی فروخت کی دکان کو درزی خانہ جان کر کپڑا اسیلز مین، مشین فروش کو تھما دے اور یہ بھی خیال نہ رہے کہ ناپ تو اس نے نہ لیا نہ مانگا، نہ یہ پوچھا کہ شیروانی سلے گی یا انگریزی سوٹ۔ نہ معلوم کیا تراش ڈالے۔ بغیر گز کے اگر درزی کا کاروبار چل سکتا ہے، اس کی مہارت کی نمائش ہو سکتی ہے، اس کی صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو بغیر مشاورت کے انتخاب بھی اسلامی طریق انتخاب کہلا سکتا ہے۔ اور اگر نہیں تو پھر ایسے انتخاب میں رائے دینے سے یہ کہیں

Marfat.com

بہتر ہے۔ کہ شہری قسمت کا حال بتانے والا طوطا پال لے، کہ کام تو یوں بھی چل ہی جاتا ہے وہ امور میں ان سے مشورہ لیا جائے" سے یہ کیونکر مراد ہے کہ ان سے مشورے کا حق چھین کر، نہایت عیاری سے انہیں امور سے لاتعلق کر کے اعزاز مشاورت گنتی کے چند آدمیوں کے سپرد کر دیا جائے اور ان کا کوئی ایسا چیئرمین مقرر کر دیا جائے جس کی آنکھیں روشنی میں کھلنے کے لئے رنگ دار روشنیوں والی عینک کی محتاج ہوں۔ یا سیاسی تفریقی گروہوں کو بساط سے اٹھائے ہوئے مہرے امیر مملکت کی میز پر سجا دیئے جائیں کہ یہ آپ کے لئے محدب شیشوں کا کام دیں گے۔ یہ درس کس نے دیا ہے کہ افہام و تفہیم کے بغیر، بحث و تمحیص سے بے تعلق، سمجھے اور سمجھائے بغیر رائے قائم کر لینے کو بھی مشورہ ہی کہتے ہیں۔ دیواروں سے مشورہ تو شاید ہو سکتا ہو کہ ان کے سُننا ہے کان ہوتے ہیں۔ مگر شہتیروں سے مشورہ کرتے آج تک نہ تاریخ نے کبھی دیکھا، نہ سُنا۔ شہتیر گنتے ہوئے لوگ ضرور پائے گئے ہیں۔ اور پھر شہتیر شاہ کے تیر تو ہو سکتے ہیں، انہیں مشیر تو تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ ہوتے ہی سر کے اوپر ہیں۔ جس میں بالآخر اتفاق رائے نہ ہو کیا وہ بھی مجلسِ مشاورت ہوتی ہے۔ مشورہ تو ہوتا ہی یک رائے ہونے کے لئے ہے۔ اختلاف قائم رہے تو مشورہ تو نہ ہوا، صرف اظہار رائے ہوا۔ مشاورت اور کثرتِ رائے دو متصادم تراکیب ہیں۔ ہر دو باہم کُش ہیں۔ مشورہ کے باوجود اگر اختلاف رائے رہے تو جان لو کہ ابھی سچائی ظاہر نہیں ہوئی۔ اصول کثرت رائے اصول مشاورت کی نفی ہے۔ انہیں سمونے کی کوشش سہو ہی نہیں، اصول بیعت سے ناآشنائی بھی ہے" ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ"، مخفی حکمتوں کے خزینے کے صدر دروازہ کی تحریر پیشانی ہے۔ معاملات و امور کے زیر و بم سے بذریعہ افہام و تفہیم اور معروف و منکر سے آشنا ہو جانے کے بعد باہم متفق ہو کر ہاتھوں میں

Marfat.com

ہاتھ دے دینے کو بیعت کہتے ہیں۔ ورنہ لوگ رائے دینے جاتے ہیں اور رائے چھڑا کر واپس گھر آجاتے ہیں۔ اختلاف واقع ہوجائے تو بیعت ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ ٹوٹ جائے تو آئین و دستور کے ضمن زمینِ کربلا پر تحریر ہونے لگتے ہیں۔ بیعت لینے والا اگر مومن کا ہاتھ نہ رہے تو حسینؓ قتل ہوجاتے ہیں۔ اور بیعت دینے والا ہاتھ اگر دستِ حسینؓ نہ ہو تو ہر یزید کی حکومت مستحکم بھی ہوجاتی ہے اور رسوائے زمانہ بھی، شریعت معدوم ہو جاتی ہے، اعتماد کے تمام رشتے ٹوٹ جاتے ہیں، جابر کی سزا اور مجبوریوں کی گالیاں روزمرہ کی شہ سرخیاں بن جاتی ہیں۔ حالات اگر آئینہ دیکھیں تو ہر مغربی ہی نہیں ہر انسان ساختہ طرزِ حکومت کو مضحکہ مگر عیار میک اپ کی تہوں تلے ہی نقوش ابھرتے نظر آئیں گے۔ نہیں۔ ہم وطنو نہیں۔ مشاورت سے عاری طریق انتخاب و انتظام امورِ مملکت میں شہریوں کی حیثیت فقط اس درباری مسخرے کی ہوتی ہے جس نے شاہی لباس پہن رکھا ہو۔ اسلام کے نظام مشاورت میں ہر وہ انسان جس نے اپنی عبدیت کی حفاظت کر رکھی ہو، بجائے خود ایک ریاست ہے، ایک آزاد مملکت ہے۔ جو اس معیار کا بندہ حُر نہیں۔ وہ آزاد نہیں، غلام ہے۔ غیروں کا نہ ہوگا، اپنوں کا ہو کر رہ جائے گا۔ یہ بنیاد ہل جائے تو نہ کوئی چار دیواری گھر کہلانے کی مستحق رہتی ہے، نہ افرادِ خانہ کو خاندان کہا جا سکتا ہے۔ مملکت تو گھروں اور خاندانوں کی وسعت کا نام ہے۔ خاندان کے ہر فرد نے بالآخر اپنا گھر بسانا اور نئے خاندان کی بنا ڈالنی ہوتی ہے، ایک انفرادی ریاست قائم کرنا ہوتی ہے۔ انفرادی ریاست تباہ ہوجائے گی تو اجتماعی ریاست کا رواں رواں دکھنے لگے گا۔ مغربی طریقِ انتخاب میں مشاورت کی عدم موجودگی نے ہی مغربی معاشرہ سے گھر اور خاندان کا اصلی تصور چھین رکھا ہے۔ تمام رشتے اور سماجی بندھن معدوم ہو کر رہ گئے ہیں۔ ذوقِ آزادی میں انسان مادر پدر آزاد

Marfat.com

ہو کر رہ گیا ہے۔ مشاورت ہی باپ کو شفیق اور اولاد کو فرمانبردار بناتی ہے۔ بغیر مشاورت کے صاحبِ رائے ہو جانے والوں کے ماں باپ تنہائیوں میں اپنی کمر اور کوکھ سہلاتے بسورتے رہتے ہیں کہ کاش یہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ "شادی میں نے کرنا ہے لہذا میری ہی پسند ہوگی۔ میں ہی اہل رائے تسلیم کیا جاؤں" بڑی پُرزور دلیل ہے۔ لیکن ایسے زور آوروں کے زور ٹوٹتے ہی پائے گئے ہیں۔ ان مواقع پر ماں باپ سے مشورہ کا اصول محض جذباتی نہیں۔ جس طرح مشاورت سالمیت و استحکامِ خاندان کے لئے ضروری ہے، اسی طرح مشاورت استحکامِ ریاست کے لئے بھی لازم ہے۔ مشاورت سے کیا اس لئے کنارہ کش ہو جائیں کہ سیاست بڑی پُرکار ہے۔ اپنے چوزوں پر کسی چیل کو جھپٹتے ہوئے دیکھ کر، یا دانہ دُنکا نظر آنے پر مُرغی جو عمل کرتی ہے، اُسے سیاست کہتے ہیں۔ چیل کے عمل کو کسی لغت میں سیاست نہیں گردانا گیا۔ چرواہے کا اس لئے بھیڑوں کو ذبح کر ڈالنا کہ رات کو ان کے چوری ہو جانے کا خدشہ ہے، سیاسی عمل نہیں۔ علی بابا کی آنکھ بچا کر مالِ غنیمت کا حساب لگاتے ہوئے چور سیاست دان نہیں کہے جا سکتے۔ جس نے اپنا ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں نہیں دیا، اُسے کوئی حق نہیں کہ مومن اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں دے دیں۔ جس نے مومنوں کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اللہ سے اختلاف کیا، اس کے حکم کے مطابق حکومت نہ کی، اللہ کی قسم وہ ظالم ہے۔ فاسق ہے، کافر ہے۔ جس نے اللہ کی بیعت برقرار رکھی، اُس کے ہاتھ سے جو ہاتھ چھڑا لے، کم وہ بھی نہیں۔ وہ نافرمانِ رسولؐ بھی ہے اور قاتلِ حسینؓ بھی۔ نواسۂ رسولؐ کے قتل کے جواز میں "سہو"، کوئی دلیل نہیں۔ امور حبیب اللہ کی طرف لوٹائے جائیں۔ تو امور کے صحیح حل اللہ تعالیٰ ابنؓ میں بٹھا دیتے ہیں۔ یہی وہ منبعِ عقل و دانش ہے جس کی طرف "انی جاعل فی الارض خلیفہ" کا اعلان اشارہ کر رہا ہے۔ شرفِ آدم آج بھی

Marfat.com

خلافتِ الٰہی ہے۔ دورانِ انتخاب مشاورت سے گریز کی وجہ سے سیاست مفرور ملزموں کا کردار بن کر رہ گئی ہے۔۔ جنابِ صدر انتخابات میں مشاورت کے ملزوم ہونے کا اعلان ہم فقیروں نے بھی سُن لیا اور یقین بھی کر لیا۔ تاریخ نے سنہری قلم بھی اٹھالیا۔ آپ نے تو انسانوں کے شرفِ خلافت کا اعلان کر دیا مگر ڈر ہے کہ مشیرانِ با تدبیر ہجوں سے لاعلمی کی بنا پر ملزوم مشاورت کی بجائے مظلوم مشاورت تحریر نہ کر دیں۔ مشتری کی ہوشیار باشی سے پہلے اشتہار ہوشیاری نہ دکھا جائے۔ مشاورتی انتخابات کا مغربی انتخابات سے دور کا بھی رشتہ نہیں۔ نیویارک، لندن، ماسکو اور مدینہ کے درمیان بڑے طویل فاصلے ہیں۔ مغربی طریقِ انتخاب سے زیادہ سے زیادہ رفاہی مملکت وجود میں آتی ہے۔ مشاورتی طریقِ انتخاب لازماً فلاحی مملکت کا قیام عمل میں لاتا ہے۔ راستے میں سبیل لگا دینا، پل تعمیر کر دینا رفاہی عمل ہے۔ منزل تک پہنچا دینا فلاحی کارکردگی ہے۔ اسلام حیَّ الرفاہ نہیں، حیَّ علی الفلاح کا پیغامبر ہے۔ اور جو اُخروی زندگی کا بھی احاطہ نہ کر لے، فلاحی عمل نہیں۔ اور وشاورھم فی الامر، وامرھم شوریٰ بینھم، اللہ کے محکم کلام کا حصہ تو ہیں ہی موقع ہے، شرفِ عبدیت حاصل کر سکیں تو کر لیں۔

Marfat.com

اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے!

یادش بے خیر۔ جونہی خبر چھپی کہ آئندہ انتخابات کے متعلق وفاقی کابینہ نے غور کیا۔ تمام پیشہ وروں اور ان کے کاسہ لیسوں کی رالیں خالی تھالیوں میں ٹپکنے لگیں، وفاداروں کی وفا کافور ہوئی اور جفاشعاروں نے بغیر جھاڑے پھونکے عزاداری کے لئے صفیں بچھالیں۔ بائیکاٹ نے بلند آوازے تو نہ کسے مگر دوہتھڑوں اور سینہ کوبی کا شور اس انداز سے بلند کیا کہ اہل اقتدار کا ماتھا بھی ٹھنکنے لگا۔ بظاہر طالبان انتخابات نے عمل انتخاب میں ہر ممکنہ رکاوٹ پیدا کر کے در پردہ اسے ناکام بنانے کا تہیہ کر لیا۔ وفاقی مجلس شوریٰ صوبائی کونسلوں، بلدیاتی اداروں، حتیٰ کہ یونین کونسلوں کا ہر چیئرمین انتخابی امید سے ہوگیا۔ دیواروں پر فلموں، شباب آور دوائیوں اور انتخابی امیدواروں کے اشتہارات گڈمڈ ہوگئے۔ کھوئی جوانی — امیدوار قومی اسمبلی، پہلی ہی خوراک — امیدوار صوبائی اسمبلی، خادمِ اسلام — مولاجٹ، آپ کا امیدوار — جیب کترا، قسم کی لاتعداد پہیلیاں دیواروں پر تحریر نظر آنے لگیں۔ کرایہ کے نعرہ بازوں اور ہلڑ بازوں کو بیعانے ادا ہونے لگے۔ ہر تباہ کار نے خادمِ قوم کا روپ دھار لیا۔ پاکستان دشمن بیرونی طاقتوں نے اپنی اپنی بساط

Marfat.com

بچھالی کہ بذریعہ انتخاب اگر اپنے مفادات کو محفوظ کیا جاسکے تو کسی دیگر سازش یا طاقت آزمائی کی ضرورت نہ رہے گی۔ قیام پاکستان کی مخالف سیاست نے انگڑائی لی کہ لو! طالع آزمائی کا وقت آپہنچا۔ لہٰذا نسیم جاگو، کمر کو باندھو، اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے۔ بائیکاٹ سے مراد یہ نہ تھی کہ کوئی سیاسی جماعت انتخابات میں حصہ نہ لے گی۔ پُرکاری سے بین الاقوامی طور پر یہ تاثر قائم کرنا تھا کہ موجودہ انتخاب یکطرفہ غیر سیاسی عمل ہے۔ اور آئندہ قائم ہونے والے قانون ساز اداروں کو کوئی سیاسی تبریک حاصل نہیں۔ عالم نزع میں گرفتار سیاسی گرگانِ جہاں دیدہ اپنی معذوری کو چھپانے کے لئے چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی بجائے آثارِ زندگی کے مظاہرہ کے لئے چادر میں منہ چھپانے، ناتھکم دھنکانے اور بڑبڑانے لگے کہ ہمارا مقابلہ دورانِ انتخاب نہیں، انتخاب کے بعد ہوگا۔ اوّل تو ہم نہ ہوئے تو برات ہی نہیں چڑھے گی۔ چڑھالی تو بینڈ نہیں بجنے دیں گے۔ یا تو تخت بچھارہ جائے گا یا ڈولی نہیں اٹھے گی۔ اٹھ بھی گئی تو عندالطلب حق مہر ہی اتنا ہوگا کہ ادا نہیں ہوگا۔ منہ نہ دیکھ سکو گے۔ اتفاقاً پلو سرک بھی گیا تو شبِ عروس کا ماحصل طلوعِ صبحِ طلاق کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ صرف یہ کہ نمک خواروں نے خاندانِ غلاماں کی حکومت قائم کرنے کے لئے اپنے حواریوں کو کامیاب کروانے کے لئے داؤ پیچ لگانا شروع کر دیئے۔ قطب الدین ایبک اور قطب شہید ایک ہی سیاسی شخصیت کے دو عرفی نام گردانے جانے لگے۔ اُسی عطار کے بیٹے کا نسخہ مجرّب قرار پایا جس کے باعث میرِ سادہ کے دوبارہ بیمار ہو جانے کا یقین تھا۔ کسی کی رگِ حمیتِ سیاست اندرا جیتا کا طواف کرتے ہوئے پھڑک اٹھی تو کسی کو روسی ٹینکوں پر روس نواز پاکستانی پرچم لہرانا نزدیک تر نظر آنے لگا۔ پھر سے پیام آیا کہ شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی فسادات عملِ انتخاب کو ناکارہ کرنے کا

Marfat.com

موثر ذریعہ ہیں۔ تو ادھر سے سندیسہ آیا، مجلس شوریٰ کے ممبران کو ساتھ ملاؤ۔ ان کی وفاداریوں کے دام لگاؤ عین وقت پر استعفے دلواؤ۔ کرنا کارپردازانِ حکومت کا، کہ یک دم پانسہ پلٹا۔ اعلان ہوا کہ حکومت موجود فی الوجود اپنی سابقہ کارکردگی پر بلاواسطہ عوام سے اعتماد حاصل کرے گی۔ جرح کے معیاری اصولوں کے مطابق تختہ سفید پر یہ سوال لکھا گیا کیا نفاذ اسلام کا سات سالہ عمل صحیح تھا تخریب پسندوں کو باز رہنا چاہیئے۔ اور بمطابق اعلان بارہ اگست ۸۳ء، ۲۳ مارچ ۸۴ء تک انتخابات ہونا چاہئیں۔ اگر ہاں کہوگے تو متصور ہوگا کہ موجودہ صدر مملکت آئندہ پانچ سال کے لئے بھی قبول ہیں۔ اور اگر نہ کہوگے تو پھر کیا ہوگا، یہ اندازہ لگانا تمہارے غیر سیاست دان ہونے اور بے شعور ہونے کا ثبوت ہوگا۔ یہ سوال کسی سوالی کا نہیں، حکمران کا سوال تھا۔ لہٰذا ہر مسلمان مسئول علیہ پر "لاتنہر" لازم۔ سوال کا اٹھنا تھا کہ اندرون و بیرون ملک تمام ارادے، تمام ادارے تمام سکیمیں، تمام پروگرام تمام پرکاریاں، تمام ہوشیاریاں۔ تمام سیاستیں برف پوش ہوگئیں۔ کٹے دھڑے پر طوفان پل پڑا، ہر نامے پر تحریر حرف سربٹ، چوپٹ پڑھا جانے لگا۔ مگر اعلانِ ریفرنڈم کرتے وقت شاید ادھر دھیان نہ لگا کہ مغربی جمہوریت کا خاصہ ہے کہ اقتدار لینا ہو تو خوشامد اور مل جائے تو سازش اس کے ضمیر اور خمیر میں شامل ہے۔ نیز یہ کہ بیوروکریسی اور موجودہ بلدیاتی ادارے نہ مارشل لا نہ مکتبہ اسلام کی تخلیق ہیں نہ ان کے تربیت یافتہ ہیں۔ نیز یہ کہ مغربی جمہوریت اپنی راہ پر گامزن رہے تو پیشہ ور سرمایہ کار، اجارہ دار سیاست داں پالتی ہی نہیں، پوستی بھی ہے۔ اور اسے کھل کھیلنے کا موقع نہ ملے تو سیاست و تجارت میں امتیاز ممکن ہی نہیں رہتا۔ چنانچہ ذاتی اغراض نے راہ نکال لی۔ اشتہار چھپوانے، بینر لگوانے، جلوس نکالنے اور جلسے بھرنے کے لئے بھی وہ ہتھکنڈے استعمال کئے

Marfat.com

گئے۔ جو شوگر مل لگانے یا کسی صنعت کو واپس لینے کے لئے کوئی تاجر استعمال کرتا ہے۔ یہ سمجھ لیا گیا کہ سیاسی عمل کی مقبولیت کے لئے عقل کی نہیں، صرف "نیرو بی آن" کے ٹیکے لگانے اور دکھانے کے اور نئے دانت دکھانے اور کھانے کے پرانے دانت چھپائے رکھنے کی اہلیت کی ضرورت ہے۔ ہر اشتہار اور ہر بینر کے نیچے، من جانب سے فروغ ہو کر امیدوار ۔۔ اسمبلی پر ختم ہونے والی ہر سطر خود غرضی و خوشامد کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ گویا جنرل محمد ضیاء الحق کے مرد مومن و مرد حق ہونے اور ان حضرات کے مناسب ترین امیدوار ہونے میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ آستین کے باسیوں کا یوں دامن پر رینگنا مغربی جمہوریت ہی کی عطا ہو سکتی ہے۔ ہر اشتہار پر جنرل محمد ضیاء الحق کی تصویر کے برابر یا ذرا نیچے ہر امیدوار نے اپنی شبیہ اس خود غرضی سے جمائی۔ کیا سیاسی جائیوں کو بھی انگڑائیاں آنے لگیں۔ جو لوگ قومی اسمبلی کے امیدوار تھے، انہوں نے صدر مملکت کی تصویر پر اکتفا کر لیا۔ اور جو سے عدم سے بشر آئے گا ایک دن۔ زمانہ کہے گا اُسے تیک دن۔ کی طرح صوبائی امیدواری تک ہی محدود تھے۔ انہوں نے صوبائی گورنروں کی تصویر کا اضافہ ضروری سمجھا۔ لیکن ادھر جناب صدر قبل از ریفرنڈم کامیاب "وہرل ونڈ ٹوئر" ختم ہوا۔ ادھر ان افراد کی اکثریت نے یہ یقین کر کے کہ اب صدر اور گورنر صاحبان کی نظر میں تو آ چکے، عملِ ریفرنڈم کو اپنی خود غرضی کی نذر کر کے بے حمیتی کو یوں اوڑھ لیا جیسے عملِ ریفرنڈم سے زیادہ سرد و خنک شے کائنات نے قطبین پر بھی نہیں دیکھی۔ غریب محبانِ اسلام غریب خانہ سے ریلوے اسٹیشن کو ڈھونڈتے رہے اور یہ آئینہ رو اپنی اُس "ل" نما زلف کو رُخِ زیبا پر سجاتے رہے جس کا راہ زنِ ایمان ہونا ہمیشہ روحِ تغزل رہا ہے۔ ریفرنڈم ہوا تو کسی نے بغض کی آنکھوں سے دیکھا۔ کسی نے مغضوب آنکھوں سے، کسی نے معتوب، کسی نے مجذوب اور کسی

Marfat.com

نے ٹیلیوژن کی معکوس آنکھوں سے۔ صحیح وسالم آنکھوں سے دیکھنے کی توفیق کسی کو نہ ہوئی۔ تمام عینکوں کے نمبر غلط ہو گئے اور اندازے اور دعوے پانچ فی صد سے ستّر فی صد تک بکھر گئے۔ ریفرنڈم ہو چکا، مگر کیوں ہوا کسی کو معلوم ہو گا ریفرنڈم کیا ہوتا ہے۔ صرف انگریزی لغت میں ہی تحریر رہا۔ لوگ قرآن نہیں کھولتے۔ لغات کون کھولتا۔ ریفرنڈم کیسا ہوا، نتیجہ کیا نکلا۔ ہر دو طرف تقاضا ہے، اس زور شور سے پروپیگنڈا کے ذریعہ استعمال کرو کہ لوگوں کا یقین اپنی آنکھوں پر سے اٹھ جائے کہ ہر قدر کو متنازعہ بنا دینے میں ہی پاکستان کی عافیت ہے۔ حالات جو پیدا کر دیئے گئے تھے، ارادے جو بداعمالی کے لئے تڑپ رہے تھے، نیم جان بھی رہتے تو اصول ہائے آئینِ اسلام کا تقاضا ہی یہی تھا کہ امیرِ مملکت کا انتخاب پہلے ہو اور دیگر شورائی ادارے امیرِ مملکت کی مشاورت و اعانت کے لئے بعد میں وجود میں آئیں۔ لیکن یہی ریفرنڈم اگر جمعہ کی نماز کے ساتھ ہوتا اور تمام جمعہ مساجد پولنگ بوتھ ہوتیں۔ اُس روز نمازِ جمعہ کی عدم ادائیگی جرم قرار پاتی، حلف لیا جاتا کہ میں رائے دہندہ حدود اللہ کی خلاف ورزی کا گزشتہ ساڑھے سات سال میں مرتکب نہیں ہوا۔ تو کیا حاضری و عدمِ حاضری کے یہ ناگوار مفروضے مشتہر کرنے یا کسی قابلِ اعتراض پابندی لگائے جانے پر شکایت کا کوئی موقعہ اس طرح میسّر آتا جیسا کہ آ رہا ہے۔ کاش اسلام کے داعی مغربی جمہوری طریقِ کار نہ اپناتے چلو، جو ہوا سو ہوا۔ ریفرنڈم کے یہ مثبت و مفید نتائج تو نکلے کہ بیرونی طاقتوں کے انتخابات میں دخل انداز ہو کر اپنی مرضی کی حکومت قائم کروانے کے حیلے ناکارہ ہو کر رہ گئے۔ منتخب امیدواروں کو صدرِ مملکت کے عہدہ کے لئے امیدواروں کو اپنا مرہونِ احسان بنانا اور اپنی اغراض کے لئے سودا بازی کا تختۂ مشق بنانا ممکن نہ رہا۔ کسی اسمبلی کے کسی امیدوار کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ مغربی جمہوریت،

Marfat.com

سوشلزم یا سیکولرزم کو اپنا منشور بنا سکے ۔ مگر ساتھ ہی یہ خطرات بھی اُبھر کر سامنے آئے کہ انتظامی بدحواسیوں اور مغربی جمہوری نظامِ انتخابات کی نابالغ افزائش کی طفلانہ حرکات کی وجہ سے پیدا شدہ غیر ظاہر کردہ بے دلی سے فائدہ اٹھانے کے لئے پیشہ ور اور اجارہ دار سیاست نے اپنے پُرزے پُرزے پر اپنی سرکوبیوں پر سجا کر، اطاعت گزاری کا یقین دلا کر سودا بازی کے لئے راہیں ہموار کرنا شروع کر دیں ۔ اور صدر مملکت کو جو نظام اسلام کے داعی و مدعی ہی نہیں، علی الاعلان وعدہ بھی فرما چکے ہیں، ڈانواں ڈول کرنے کے لئے شاطرانہ طریقے بھی استعمال ہونے لگے ۔ تاکہ انکے اعلان پر عمل نہ ہو سکے کہ آئندہ انتخابات اسلامی شریعت کے عین مطابق ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ دستور و آئین کی بنیاد ہو گی ۔ سربراہ مملکت، انتظامیہ اور منتخب افراد صرف اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل کار ہوں گے ۔ آئین کے تمام فکری تضادات ختم کر دیئے جائیں گے ۔ اسلام ہمارا دین، اسلام ہماری سیاست، اسلام ہماری معیشت اور اسلام ہی ہمارا ضابطہ حیات ہو گا ۔ حقیقی مساوات قائم کی جائے گی ۔ ہر شہری اسلامی نقطہ نظر سے محترم اور عزت کا حق دار ہو گا ۔ ہر شخص کی تکریم اس کی اہلیت کی بنا پر ہو گی، عہدے یا حیثیت کی بنا پر نہیں ۔ اللہ کی قائم کردہ اخلاقی سیاسی حدود کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اہل الرائے تسلیم نہیں کیا جائے گا ۔ شرابی، کبابی، سمگلر اور حدود اللہ سے تجاوز کرنے والوں کو حق نہیں ہو گا کہ وہ رائے دے سکیں ۔ جو منتخب شدہ رکن اللہ کی حدود پھلانگے گا، نا اہل قرار دیا جائے گا ۔ آئندہ انتخابات پاکستان میں وحدتِ ملت اسلامیہ کی بنیاد پر ہوں گے اور انتخابات کے نتیجہ میں معاشرہ پیشہ ورانہ اجارہ داریوں کے پنجے سے آزاد ہو گا ۔ طریقِ انتخاب عہدہ طلبی اور مہم جوئی کی بنیاد پر نہیں بلکہ اہلیت

Marfat.com

ومشاورت کی بنیاد پر وضع کیا جائے گا۔ اسلامی نظامِ حکومت کا یہ منشور آج بھی بینکوں، ڈاک خانوں، نیشنل سنٹروں اور اہم عمارتوں میں آویزاں ہے اور رسمی تغیّرات کے باوجود کاغذ اور تحریر کا رنگ ابھی پھیکا نہیں پڑا۔ ریفرنڈم کے ذریعہ یوں عہدۂ صدارت کے لئے جناب جنرل محمد ضیاء الحق کے آئندہ پانچ سال کے لئے انتخاب نے نفاذِ نظام اسلام کی اُن کی خود عائد کردہ جو انقلابی ذمہ داری ان کے سپرد کردی ہے، اُس کی بطریقِ احسن انجام دہی کے لئے جس ولولہ اور جرأت اور آہنی گرفت کے علاوہ کانٹوں سے دامن بچانے کی جس احتیاط کی ضرورت ہے، اللہ انہیں اس اہلیت سے مزید نوازے۔ لیکن ہمارے ہاں کا دستورِ سیاست یہ رہا ہے کہ بروا ہونہار ہو تو پات اس کے چکنے نہیں ہوتے۔ اور پات اگر چکنے ہوں تو بروا ہونہار نہیں رہتا۔ دمِ تحریر کابینہ آئندہ انتخابات کے متعلق فیصلہ کر چکی۔ راقم پُر تقصیر ہے مگر مفروضوں کا قائل نہیں۔ لہٰذا اس کے لئے یہ امر واضح کر دینا ملک و ملت کی صحیح خدمت کے لئے ضروری ہے کہ اگر نفاذِ نظامِ سیاستِ اسلام کی بجائے شرکتِ میانۂ اسلام و مغربی جمہوریت کو روا رکھا گیا اور مندرجہ بالا منشور پر بین السطور عمل کرتے ہوئے آئین اور انتخابی قوانین میں مؤثر تبدیلیاں کئے بغیر عملِ انتخاب جاری کر دیا گیا تو سیاست دانوں، پیشہ وروں، اجارہ داروں، عہدہ طلبوں اور مہم جوؤں سے تو شاید وقتی مفاہمت ہو جائے اور بائیکاٹ کا خطرہ نہ رہے لیکن فطرت کے بائیکاٹ کا خطرہ بہرحال لاحق ہو جائے گا۔ لوگ اگر بنیادی حقوق کی بحالی، جمہوریت کے احیاء، مارشل لاء کے اٹھائے جانے، اسمبلیوں میں کرسی نشین ہونے اور اپنے اقتدار نیم اقتدار کے متمنی ہیں تو کچھ امیدیں اللہ تعالیٰ نے بھی حکومتِ وقت سے شاید لگا رکھی ہیں، جو اگر پوری نہ ہوئیں تو اللہ تعالیٰ اس کی توفیق، اس کی برکات کہیں حالاتِ مملکتِ خداداد پاکستان

Marfat.com

کا بائیکاٹ نہ کردیں۔ کچھ امیدیں اس ملک کے غریب پسماندہ اور متوسط طبقہ نے بھی لگا رکھی ہیں۔ وہ جو اللہ کے آئین کے لئے لٹے، پٹے، اجڑے ان کی بھی کچھ تمنائیں ہیں، کچھ دعائیں ہیں۔ ملک وملت سے غیر مخلص سیاست دانوں سے انعقادِ انتخابات کے وعدہ کے ایفا ہونے پر جو کچھ ہوا، وہ تو اللہ کی مدد سے برداشت کرلیا۔ اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کو ایفا نہ کیا گیا تو شاید عوام کی امداد بھی کسی کام نہ آسکے۔ دشمنوں سے تعاون حاصل کرنے کے لئے دوستوں سے نہیں لگاڑا کرتے۔ بالخصوص جب دوستی اللہ اور رسولؐ کے واسطے سے ہو۔ خیال رہے کہ سپر طاقتوں کو خوش کرتے کرتے کہیں سپریم طاقت ناراض نہ ہو جائے۔ تاریخ پاکستان کے مستقبل کو یہ دریافت کرنے کا حق تو ہے کہ جو اس کے قیام کے مخالف تھے، اُن کو اس مملکت کے انتظام میں شریک ہونے کا کیا حق ہے۔ اور کسی کو بھی کیا حق ہے کہ انہیں شریک کرے۔ وہ شریک تھے تو ماسوا شرارتوں اور منافقتوں کے انہوں نے کیا کیا اور شریک ہوں گے تو کیا کبھی امرِ معروف کی توقع ان سے کی جا سکتی ہے۔ کیا پاکستان کی سیاست میں صرف "نیوسینس ویلیو" ہی قابلِ اعتنا اور مؤثر قدر ہے۔ گھر کی تعمیر کے لئے معماروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ خدانخواستہ کوئی ملبہ اٹھوانا ہے کہ سیاسی خرکارکھاروں کے نام اور پتے معلوم کئے جائیں۔ کیا حق ہے شرابیوں، سٹہ بازوں، سمگلروں، جوا بازوں، ذخیرہ اندوزوں اور خلافِ شرعِ اسلام عہدہ طلبوں اور مہم جوؤں کا کہ انہیں کاروبارِ مملکت میں شریک کیا جائے اشتہاروں اور بینروں کے لئے سرمایہ فراہم کرنا اگر خوش آئند فعل ہے تو جن لوگوں نے محض محبت سے اپنے ہاتھوں سے یہ اشتہار چپکائے بینر لگائے ان کے جذبات کا بھی کوئی صلہ ہے یا نہیں۔ وہ بوڑھے، معذور، مفلوک الحال، پسماندہ، مریض مرد اور عورتیں جو اسلام کی

Marfat.com

محبت میں پولنگ اسٹیشن ڈھونڈتے پھرے۔ کیا ان کے مقدر میں صرف یہی انعام ہے کہ ٹیلیویژن پر ان کے جذبات نشر کر دیئے جائیں۔ اور انعام سے سابقہ نوازدل کو نوازا جائے۔ جناب صدر! کیا بس یہی۔ وطن عزیز کا تین کروڑ سے زائد پسماندہ طبقہ بھی خواب تو دیکھتا ہے، وہ مغربی جمہوری نظام کے تحت تو شرمندۂ تعبیر نہیں ہوں گے۔ روٹی، کپڑے اور مکان کے پرفریب نعروں نے تو انہیں مایوس کیا، اسلام تو مایوس نہیں کیا کرتا۔ یہ تو کوئی مثبت اقدام وانتظام نہ ہوا کہ سابقہ انتخابات میں ٹکٹ سیاسی جماعتوں کے دفاتر میں فروخت ہوتے رہے اور آئندہ کے انتخابات کے لئے یہ منڈیاں تحصیلی، ضلعی سربراہی دفاتر میں لگیں اور انتخابی سٹاک ایکسینج کے ٹیلی فونوں کی گھنٹیاں بجتی رہیں۔ پاکستانی شہری سے مُراد پاکستان کے شہروں میں رہنے والے ہی نہیں۔ دیہات میں رہنے والے بھی پاکستان ہی کے شہری ہیں۔ کہ "شہری" جغرافیائی نہیں، سیاسی اصطلاح ہے۔ اگر پاکستانی دیہاتی شہریوں نے ریفرنڈم کو کامیاب یا کامیاب ترین کروایا ہے تو پھر انعام واکرام ان ہی کی فلاح وبہبود ہونا چاہیئے۔ شہری تاجروں نے خدمت کی ہے یا تجارت، تاریخ یہ فیصلہ ۲۳ مارچ ۸۴ء سے پہلے صادر کرنے کی غلطی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فریب وسیاست کا دین کی صورت میں یک جا ہو جانا نہ بیرونی طاقتوں کو پسند ہے، نہ سرمایہ دار مغربی جمہوری پاکستانی سیاست کو۔ یورپ میں سیاست نے مذہب سے یوں پیچھا چھڑایا کہ پیران کلیسا کی پیری ناکام ہو کر رہ گئی۔ تاریخی حقیقت ہے جس سے مفر اور انکار ممکن ہی نہیں۔ مگر دانشورو! یورپ نے جو کچھ جھیلا کیا وہ حضرت عیسےٰ کی کسی غلطی وکوتاہی کی وجہ سے تھا یا پاپائیت کی کج فکری اور بے عملی کی وجہ سے۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ آئین اسلام کی دینی افادیت کو ثابت کرنے کے لئے ہم بیک وقت

Marfat.com

مغربی جمہوریت اور اس قسم کی پاپائیت سے خبردار رہیں جس کی نشان دہی مفکرِ پاکستان نے اصرار کے ساتھ کی ہے۔ دینِ اسلام کو ان عوامل سے بچانا کیا ہم سب پر فرض نہیں۔ آج کی وہ پاپائیت جسے مغربی جمہوریت اور اس کے طریق انتخاب میں اسلام نظر آتا ہے، وہ دانشوری جو یہ کہہ کر عوام کو بہکاتی ہے کہ مغرب نے اسلام سے جمہوریت سیکھی ہے، دراصل اس حقیقت کو چھپانا چاہتی ہے کہ مغربی جمہوریت اسلام کے نظامِ حرّیت کے خلاف بادشاہوں اور اُمرا کی گھناؤنی سازشں کا دوسرا نام ہے۔ ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس۔ شاہی کا جمہوری لباس پہننا اتنا ہی خطرناک ہے جتنا کسی اسلام کے شیدائی مجاہد کا تلوار میان میں ڈال لینے کی بجائے تلوار پھینک دینا ہے۔ ہر چند کہ دینِ اسلام میں مجاہد سے بڑھ کر کسی کا مقام نہیں لیکن حالات نے اگر اب بھی شاہی کو جمہوری لباس پہنایا تو پھر خدائی اُن سے ہو گی، نہ ہم سے بندگی ہو گی۔

Marfat.com

کی نہ بتوں نے وفا تو خدا یاد آیا

دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلادے ہی شاہد نہیں، تاریخ اسلام گواہ ہے کہ طریقِ انتخاب بدلا تو خلافتِ راشدہ کے منفرد و یکتا نظامِ حاکمیتِ الٰہی و عبدیتِ مومناں کا ورثہ ملوکیت قرار پایا۔ لہذا کیوں کر یقین کرلیں کہ انتہائی محتاط احتیاطِ لازم کے بغیر مغربی جمہوری طریقِ انتخاب کے بے کنار صحرا کی وسعتیں نظامِ اسلام کی گلشن گلشن سیرابیاں اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی کہ اسلام یوں چھپ چھپا کر دبے پاؤں بھی آیا کرتا ہے۔ طلبِ مغرب کے میٹھے مزے کی چاٹ محکوم کے لئے ہی خواب آور نہیں ہوتی، حاکموں کے لئے خطرناک حد تک نشہ آور بھی ہوتی ہے۔ سرور پہلے آئے یا سرود، رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے کے تقاضے لازم ہو جاتے ہیں۔ مغربی طریقِ انتخاب ہو تو سرمایہ داروں کی جنگ زرگری بہرحال برپا ہوتی ہے۔ انفرادی ہو یا جماعتی، جنگ زرگری سرمایہ کی صرف کی نہیں سرمایہ کی قماربازی کی طالع آزمائی ہوتی ہے۔ مغربی جمہوری طریق انتخاب میں پیسہ پیسے کو ہی نہیں کھینچتا، انسانوں کو بھی دراز کرتا ہے۔ پانسہ ذہنی آمادگی کے گرم خانوں پر پھینکا جاتا ہے اور فکری شمعیں یوں جلائی بجھائی

جاتی ہیں کہ شعور کی بینائی چندھیا جاتی ہے۔ اور معاشرہ کی آنکھوں میں سُرمہ لگانے کے بہانے خاک و خون آلود سلائیاں پھیر دی جاتی ہیں۔ انسانی اقتدار کی پازیب کی جھنکار پر انسانیت دھمال ڈالتی ہے۔ لوگوں کے ذہنی، شعوری اور وسائلی افلاس و محکومیت کو یہ کہہ کر ورغلایا جاتا ہے کہ ہم سرمایہ نصیبوں کا اقتدار تمہارے پاس مقدس امانت ہے۔ اسی امانت کی پاسداری و نگہبانی نے تمہارے مقدر کی تمام محرومیاں ترتیب دے رکھی ہے۔ یہ امانت ہمیں لوٹا دو۔ تم محروم آسائش ہو ہی اس لئے کہ ہم محروم اقتدار ہیں۔ ہم تمہارے آئندہ نما ہیں، تمہارا مستقل مستقبل ہیں۔ ہم تخلیق ہی اس لئے کئے گئے ہیں کہ ہمیں دیکھ کر تمہیں خدا یاد آتا رہے۔ ہماری کمیں گاہوں سے تیر نہ چلیں تو زندگی بھر تمہاری دوستوں سے ملاقات نہ ہو۔ یہ تمہارا افلاسِ دانش ہے کہ تم ہمارے جذبہ خدمت سے محروم رہے۔ یہ ہماری سعادت مندی کی دلیل ہے کہ خادم اپنے مخدوموں کی تلاش میں ہیں۔ جمہوری حق رائے دہندگی بے مصرف و بے معنی ہے، اگر رائے لیوا نہ ہوں۔ یہ اسی کے فریب چشم کی چشمک ہے کہ محکوم کے اندیشے طاقت کا سرچشمہ کہلاتے ہیں اور انسانی دانش کی سنگلاخوں سے حاجات کی پامردی خدا تراشی کے اسلوب سیکھتی ہے۔ انسانوں کی دور اندیشی تجوریوں کی دوربینی کی زد میں یوں آجاتی ہے کہ دوریاں مزید دور اور اندیشے حبل الورید سے بھی قریب تر آجاتے ہیں۔ ہونے والے شاہ گلی گلی مانگتے پھرتے ہیں۔ اور نسلی و اصلی گدا بادشاہت کی رعایت بانٹنے پر مامور ہو جاتے ہیں اور حسین خوابوں کا طلسم ٹوٹنے سے پہلے معاشرہ کی کج کلاہی دیوہائے استبداد کے اُن سر دل کو تاج پہنا چکی ہوتی ہے جن کی کھوپڑیاں لات و عزیٰ کے ابوالہول کی تکونی تعمیری فن کاری کو یوں اُجاگر کرنے میں ماہر ہوتی ہیں کہ خشتِ بنیاد کلیسا سنگِ

Marfat.com

اسود نظر آنے لگے اور یوں میراثِ خلیل فرزندانِ تثلیث کے نام ورثہ کر دی جاتی ہے۔ اور انسانیت "پوَر ایکسی لینسی اور مائی لارڈز" کے مساوی ترازوؤں میں متوازن ہونے کے ذوق میں متوازی ہو جاتی ہے۔ ہر مستقیم اپنی عمودیت کھو بیٹھتا ہے اور صراطِ مستقیم کی متمنی عبدیت نام نہاد نمائندوں کے روبرو ایاک نستعین بصورتِ دست بستہ کھڑا رہنے پر بے ارادہ عمد کی پرکاری سے مجبور کر دی جاتی ہے۔ ایسا ہی ایک تجربہ ہے جس میں اہلِ وطن مبتلا ہو چکے ہیں اور شاید تادمِ اشاعت ابتلا آشنا ہو چکے ہوں گے۔ اور ان مفروضوں کی تمام قلعی دُھل چکی ہوگی، تمام ملمع اتر چکا ہوگا کہ نظام اسلام اور مغربی جمہوری طریقِ انتخاب متصادم و متحارب نہیں ہیں۔ بندگیٔ زمانہ اور اطاعت الٰہی میں فرق واضح ہو چکا ہوگا اور فضائیں چلّا رہی ہوں گی کہ خطاکار اور خطاؤں کے سزاوار انسانو! خدائی انسان سازی اور انسانی خداگری میں بڑا فرق ہے۔

تادمِ تحریر جو کچھ سننے میں آیا ہے، اس سے تو یہی مترشح ہوتا ہے کہ اراکینِ مجلسِ شوریٰ اور وزیرانِ خداداد نے صدرِ مملکت اور مملکت کا نمک چکھا تک نہیں اور حقِ شکر ادا کرنے کی تلقین چونکہ کسی رسمِ دنیا میں موجود نہیں لہٰذا سارے آم کھا جانے اور گٹھلیاں لپنے باغیچوں میں بو لینے کے باوجود دعویٰ ہے کہ اسمبلیوں میں مختلف بنیادوں پر گروہ بندی ہوگی، مغربی جمہوری پارلیمانی نظام بحال ہوگا۔ تضاداتِ آئین کو "خود انقلابی" قدر دل کے لئے محرک کیا جائے گا۔ سابقہ عمل، اس کے نتائج اور آئینی ترامیم پر اپنی اپنی نبض پر ہاتھ رکھکر غور کیا جائے گا۔ اراکین اپنے اپنے گروپ متعین کروائیں گے۔ موجودہ انتظامیہ کا بلڈ پریشر ایبنارمل قرار دیا جا کر "بائی پاس" کروانے کے ذرائع تلاش کئے جائیں گے اور ہر وہ ممکن کوشش کی جائے گی کہ بیمار معاشرہ پھر

Marfat.com

سی۔ایم۔ایچ کا آؤٹ ڈور پیشنٹ بنا رہے۔ مغربی جمہوری نظام انتخاب میں امیدواروں نے جو کچھ بظاہر خرچ اور بباطن اِنوسٹ کیا ہے، اس کا اصل زر مع سُود وصول کرنے کے لئے آئندہ حکومت پر اپنا دباؤ قائم رکھنا ضروری ہے۔ لہذا جہاں بائیکاٹ کرنے والوں کی آشیر باد ضروری تھی، وہاں ان سے مسلسل ربط و ضبط بھی تقاضائے پرکاریٔ سیاست ہے۔ ہر چند کہ اسمبلیاں اجتہاد کے ادارے ہوتی ہیں اور ان کے ذمہ قانون سازی نہیں، قانون بینی ہوتی ہے، تاہم آج کے سیاسی مومن اتنے سادہ لوح بھی نہیں کہ انہیں وعدۂ آخرت پر ٹالا جا سکے۔ زمانہ روش بدل چکا۔ اب تو یاں سودا نقد بہ نقدی ہے۔ اس ہاتھ لے اُس ہاتھ دے کا اصول کارفرما ہے لہذا ہر اطاعت بکے گی، ہر معاونت کا بھاؤ بیچ چوک کے، سرِ میدان لگے گا۔ سیاست اشتہار دے گی کہ گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں۔ قوم و ملک کے سبھی بہی خواہ، خواہ مخواہ ہوتے ہیں۔ اپنا گروپ نہ ہو تو وزیر کون بناتا ہے اور گرویوں کے گروپ نہ ہوں تو میر خوار پھرتے ہیں اور عزت سادات میخواروں کے کھاتے میں تحریر ہو جاتی ہے۔ پانچ کے مختصر عرصہ میں سے سال دو سال رسّہ کشی میں، دو سال رسّیاں جوڑنے میں اور سالِ آخر چلّہ کشی میں کٹ جاتا ہے اور قومی مسائل کا حل تلاش کرتے کرتے قوم خود ایک مسئلہ بن جاتی ہے۔ ان حالات میں لمحۂ فکریہ تو ہوگا کہ قوم نے جس نظام اسلام کے نفاذ کے لئے استصوابی ہاں کہی ہے، یا پانچ سال مزید صدر رہنے کا اختیار دیا ہے، کیا اسی بے بس مغربی جمہوری نظام کے ذریعے صدرِ مزید کے سپرد کر دی جائے گی۔ آخر انتخابات غیر سیاسی بنیادوں پر منعقد کروانے کے بعد اخلاقی، سیاسی، قانونی آئینی طور پہ یہ درست ہوگا کہ آئینی اداروں میں گروہ بندی، تفرقات کا عمل جاری رکھا جائے۔ حدود و احکامِ

Marfat.com

الٰہی کے پابند نہ رہ کر اراکین عوامی نمائندگی کی مرتبت کو داغدار کرتے رہیں، متلوب قانون سازی ہوتی رہے، معذور انصاف و عدل واحسان ہوتا رہے۔ انتظامیہ غیر منظم بھی رہے، اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑتی اور سرعت سے چھوڑتی رہے اور اس کے حسن انتظام کا چرچا بھی ہوتا رہے۔ سنتے ہیں آئندہ اسمبلیاں جب نشستی کام شروع کریں گی تو سیاسی جماعتی عمل پر پابندیاں ختم کر دی جائیں گی۔ گویا بائیکاٹ کرنے والوں کو منتخب ہونے والوں پر اپنی کاٹ آزمانے کی آزادی ہوگی۔ فرمانا رائے عامہ کی تربیت کرنے والوں کا یہ ہے کہ یوں نہ ہوا تو لوگ سڑکوں پر نکل آئیں گے۔ اب کون سمجھائے کہ گھروں میں چھپے ہوئے لوگ توان سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں کہ تاریکیوں کے منتظر ہوتے ہیں۔ یہ امر بر زمام کار بردار پر ہم فقیروں کی طرف سے واضح رہے کہ جو نقصان مغربی جمہوریت کے پاسدار نہ کر سکے وہ اس کی پاسداری سے ان کے اپنے ہاتھوں سرزد ہو جائے گا۔ مغربی جمہوری طریق انتخاب کے نتائج تمام تر وعدہ ہائے وفاداری اور خوشامد خسروی کے باوجود "اسیرین لاڈ" کا حکم صادر کروائیں گے۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے مغربی جمہوری ذرائع استعمال کرکے بلال گنج سے بلال رضؓ تلاش کرنے کا یہ عمل وہ رنگ لائے گا کہ آئینے ہی نہیں ہنسیں گے آئینہ رو بھی مضحکہ اڑائیں گے۔ تسلیم کہ تدریجی عمل کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں مگر تجریدی عمل اس کی نفی ہوتا ہے۔ تقاضا نہیں۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب بھی وقت ہے کہ اسمبلیوں کے صدر دروازے کو اللہ کی حدود کی خلاف ورزی سے توبہ کا دروازہ قرار دیا جائے۔ اطمینان لیا جائے، قوم کو اطمینان دلایا جائے کہ اسمبلیاں اجتہاد کے ادارے ہوں گی۔ احکامِ الٰہی کی دانش کی روشنی میں امورِ مملکت و معاشرہ کا متفقہ حل تلاش کرنا ان کا فرض ہوگا۔ عہد

Marfat.com

طلبی و مہم جوئی نااہلیت کا ثبوت ہوگی۔ جو کوئی ان تقاضوں کو پورا نہیں کرے گا، باقاعدہ قانونی کارروائی اور نااہلیت کا سزاوار ہوگا۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو سیاسی بے راہ روی حاشیہ آزاد ہوگی اور تمام روشنیاں گہنا جائیں گی۔ روشن روشن آبلہ پا ہوں گے اور آستیں در آستیں جونکیں گڑ جائیں گی۔ اسمبلیوں کو اپنے دائرہ کار میں با اختیار ہونا چاہیئے۔ لیکن کیا انہیں بے عملی یا بدعملی کے لئے بھی با اختیار ہونا چاہیئے۔ بے لگام قانون ساز کو ہی فسطائی و ڈکٹیٹر کہتے ہیں۔ ہمیں اسمبلیاں قائم کرنا ہیں۔ نظام اسلام کے نفاذ کے لئے، ڈکٹیٹروں کی انجمن تشکیل نہیں دینا ہے اور پھر با اختیار قانون ساز اور بے اختیار عدالت معاشرتی موت کے پیش گو ادارے ہوتے ہیں۔ عدلیہ کو مقننّہ کی رضا کا پابند رکھنا اُسے اللہ اور ضمیر سے بغاوت پر آمادہ کرنے کا عمل ہے۔ آئین کی تخلیق کردہ عدالتوں اور قانون کی وجہ میں لائی ہوئی عدالتوں میں وہی فرق ہوتا ہے جو اصلی اور پلاسٹک کے پودوں میں ہوتا ہے۔ کسی انسان ساختہ آئین کی قائم کی ہوئی عدالت انسانی رضاؤں سے آزاد نہیں ہوتی۔ مقننّہ اگر احکامِ الٰہی کی پابند نہ ہو تو عدالتوں کے خدا ساز بن جانے کے خطرہ سے قطعِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ آخر وہ گھڑی آن لگتی ہے جب ان کے حلف پر ان کا اپنا اعتماد بھی اُٹھ جاتا ہے۔ مخدوشِ عادل سے پُرپیچ انسان تاریخ نے شاید ہی کبھی دیکھا ہو..... خطا نہ سہی، کوتاہی ہی سہی، مگر ہو چکی۔ زمامِ کار ڈھیلی چھوڑنے کے لئے نہیں، سنبھالنے کے لئے ہوتی ہے۔ زمانے کو احکامِ الٰہی کا پابند عمر فاروقؓ درکار ہے۔ جو اپنے عمّال کو احکامِ الٰہی کا پابند رکھنے کے لئے مومنانہ جرأت، فراست، ہوش مندی کا حامل ہو اور لمحات بھر اخبار کو اپنی نظر سے اوجھل نہ ہونے دے۔ آج رات بارہ بجے قومی نمائندگی

Marfat.com

کے لئے " مہم جوئی ختم ہو جائے گی۔ عہدہ طلبی، خوشامد و سازش کی بساط بچھالے گی۔ کچھ نام دیواروں پر لکھے رہ جائیں گے، کئی نقش ذہنوں میں در آئیں گے ..... جو کچھ بھی ہوا۔ جو کچھ بھی ہو۔ تاریخ یقین دلا رہی ہے کہ مغربی جمہوری طریق انتخاب کا آخری تجربہ ہو چکا۔ اس کے بعد' کی نہ بتوں سے وفا تو خدا یاد آیا' کی کارفرمائی ہو گی اور جو اس عمل میں رکاوٹ بنے گا، اس کے اپنے ہاتھ اس کا سر پیٹیں گے۔

Marfat.com

عن صلاتهم ساھون

وائے حاملِ سیاستِ نیّت "چارہ" سازاں، فکرِ غم گساراں، عمل تیمارداران وتشخیصِ بیماراں کہ پورا معاشرہ عالمِ ہذیانِ نزع میں آخری ہچکولتی ہچکیوں سے بطرز نبرد آزمائی دوچار ہے اور بساطِ حیات پر مہرے جلائے یہ خود ستا، سستی ذہن، سُتے فکر، مخمور چارہ ساز و غم گسار پھبتیاں لا رہے ہیں کہ حمامِ سیاستِ گرم کے جملہ ٹھنڈے ننگو، سُنو! صبحِ غسلِ صحت زیرِ طلوع ہے۔ بے یقینی و بے حمیتی کی اس شبِ تحفظات واحتیاط آزما کے بطن سے ایک ایسا آفتابِ تازہ تولید پذیر ہے جس کے چمکنے پر کسی انسان کو آنکھوں کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ بے تدبر و بے تفکر انسان لحم و شحمِ مادیت کے فیل بنے یوں چنگھاڑیں گے کہ عرصوں تک ہر بستی کے صدر دروازے پر "بے زبانی ہے زباں میری" تحریر رہے گا۔ ہرچند نورِ دیدۂ حیراں میانِ قوسِ قزح ڈوبتا نظر آتا ہے مگر گذرتی ہوئی رات چونکہ "طلع البدر علینا" کے تصور سے شب باش ہے۔ لہٰذا چاند ڈوبا تو جانو سورج نکلا۔ اس لئے اے سورج بنیلو! فبایِّ آلاءِ ربکما تکذّبٰن۔ صبر و صلوٰۃ سے اعانت چاہو۔ اور فی الحال شِوجی آمدو زرِ تشت رفت پر قناعت واکتفا کرو۔ کہیں کی اینٹ اور کہیں کے روڑے سے پاربتی جو کنبہ جوڑ رہی ہے، بالآخر مشرف بہ اسلام ہو جائے گا۔ تم اسلام سے

Marfat.com

مزید گریز بھی کر جاؤ۔ تو بھی چنداں حرج نہیں کہ مسلمان مومن نہ رہیں اور ہر یکجن مسلمان ہو جائیں۔ تو حاصلِ ضربِ یہود تفریق آشنا نہیں ہوگا۔ حیاتِ علیل سے مرگِ مشفا کہیں زیادہ سود مند اور حظ آمیز ہے۔ موت کو جوان تو ہو لینے دو، زندگی اسی نزاعِ مرگ سے ہی جنم لے گی۔ تحفظ اسلام کا ہر متمنی سپر طاقتوں کے اہرام سے رشتۂ اتقار رکھے۔ غیر جانبدار قوتوں کے حصار کے فرش پر صلوٰۃ قائم کرکے جو کچھ عالمی بینک سے اسے رزق کیا جائے، اس میں سے بعد ادائیگی جائز سود جو کچھ بچ جائے، سارے کا سارا خرچ کرتا رہے۔ اور اس کلیہ غیب پر ایمان رکھے کہ دیوارِ چین جب تک چین بچیں نہیں، کسی ذوالقرنین کو سینگ اٹکانے کی ضرورت نہیں کہ اہلیانِ مدرسۂ تفرقہ بازاں نے جس گلے کو گھونٹ رکھا ہے، اس سے صدائے لا الٰہ الا اللہ بلند کروانے کا یہی ایک طریقہ ایجادِ دانشِ منافقتِ حاضر ہے۔ افغانستان و ایران و پاکستان و ہندوستان کی آن اگر لوٹ رہی ہے تو کیا ہوا۔ افریقیا و انڈونیشیا اگر دوش تا کمر زرۂ یہود و نصاریٰ میں ڈوب گئے ہیں تو کیا؟ عالم پیر تو مر رہا ہے۔ تسلطِ غیر کی سپر مادرِ جہانِ نو کی یونیفارم اٹھائے درِ گورستان پر منتظر ہے کہ جونہی آغوشِ لحد ہری ہو، امت مردۂ تازہ کو پہنا بہتر توپوں کی سلامی گذاروں گی کہ اسلام تو زندہ ہی بعد کربلا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے بعد کوئی حسینؑ پیدا نہیں ہوتا اور کسی یزید کو موت نہیں آتی۔ ہائے! یہ کیا ہوا کہ عیاریٔ مادیت، فریبِ یہودیت و پرکاریٔ اشتراکیت کا پروردہ جاں بہ لب انسان اپنے گرد و پیش سے ابھی کوئی عذرِ معقول بھی نہ کر پایا تھا کہ ان ہی کے دین و مذہب و روحانیت کے پوشاک برداروں نے بندِ قبا چیرا، دستار پاپوش میں چھپا، کلاہ کو کشکول بنا "میرے مولا بلا لو مدینے مجھے" کی صدائیں لگاتے ہوئے سامانِ آرائشِ تل ابیب خریدنا شروع کر دیا۔ ابھی نویدِ عید آمدِ اسلام مکمل سن بھی نہ پائے تھے کہ انقلاب اسلام منقلب ہو گیا۔ ہم سجدۂ

Marfat.com

شکر کے لئے وضو بھی نہ کر پائے تھے کہ ہر محراب پیشانی سے لہو ٹپکنے لگا، ہر تسبیح کے ہر دانے میں شبیہ صلیب کیوں نظر آنے لگی، ہر عصا اژدہا بن کر کیوں پھنکارنے لگا۔ فرعون کی توبہ قبول ہوگئی کہ موسیٰ سے کوئی سہو ہوئی۔ من و سلویٰ دیر ہضم تھا یا بچھڑا غیر نامزد پایا گیا۔ ہر ہارون داڑھی چھپا آیا۔ گلوئے خطیب میں یا ربی وعزیٰ کے نغمے کیوں رقص کرنے لگے۔ بر سر منبر کیا کوئی دریودھن آبراجا۔ کسی دروپدی نے مصلوں کی جگہ اپنی ساڑھی کھلوادی کہ مسجدوں میں فویل المصلین الذین عن صلاتھم ساھون کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ یہ کیا ہوا کہ فضائیں باتی ذنب قتلت پکار اٹھیں۔ اسلام تو امن و آشتی و صلح و رواداری کا پیام بر تھا، مومن قتال پر کیوں اتر آئے۔ استقبال انقلاب کی راہوں پر مسلمانوں کے ہاتھوں شیدائیان انقلاب اسلام کے لاشے کیوں تڑپ گئے۔ رحماء بینھم کا کیا ہوا۔ اخوت نے کس سے شرما کر گھونگھٹ میں منہ چھپا لیا۔ کس ناہموار چوٹی سے مساوات کا پاؤں پھسلا کہ عمیق غاروں کی آخری گہرائیوں تک اس کا نشان نظر نہیں آتا۔ یہ کیا ہوا کہ تیغ انتقام مقتدر بے دریغ و بے لیس، بنام اسلام رقص قتل انبوہ میں مصروف ہوگئی۔ ہر شاخ گل سے سنپولے لپٹ گئے۔ جتنے چراغ تھے وہ چمگادڑوں نے پُشت کر لئے۔ ہر سُو اندھیرا مچ گیا ہے۔ کوئی تو بتائے کہ روزانہ بیسیوں مسلمانوں کو گولی سے اڑا دینے کی خبر آئے تو معصوم مقتدر اسلام کون سے آئینے میں اپنے عکس کو اپنا منہ دکھائے۔ بہتر سے زائد راہ نما ایک ہی دھماکے میں یوں بے جان ہو جائیں کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہنے کا موقع بھی نہ ملے تو اُن مسلمانوں کو جنہوں نے اسلام سے اپنی عاقبت وابستہ کر رکھی ہے، اپنا کلیجہ اپنے دانتوں سے چبانے کا سہل طریقہ کون بتائے۔ جو مسلمان یہ سن پائے کہ کل کے اسلامی انقلاب کے داعیوں نے آج اپنے صدر اور وزیر اعظم کو ہلاک کر ڈالا، وہ دوران التحیات عباد الصالحین پر سلام بھیجتے وقت ہکلا نہیں جائے گا

Marfat.com

تو اور کیا کرے گا۔ جن گولیوں سے مسلمانوں کو اڑایا جا رہا ہے ان میں سے ایک بھی کسی مسلمان ملک کے کسی مسلمان اسلحہ ساز کی بنی ہوئی نہیں۔ جو بم مہلک دھماکوں کے لئے استعمال ہو رہے ہیں ان کی فروخت کا بل کسی مسلمان ملک میں نہیں کاٹا گیا۔ گولی بندوق، بم نصاریٰ و کفار کے ہیں، ہاتھ مسلمان کا استعمال ہو رہا ہے، جان مسلمان کی جا رہی ہے۔ چرند و پرند بھی سوچتے ہوں گے، اسلام کا انقلاب آ رہا ہے یا اسلام میں انقلاب آ رہا ہے۔ سوچتے تو ہوں گے، مقیم مدینہ مہاجر اور مقیم پیرس مہاجر کے اسلامی انقلاب لانے کے اسلوب کتنے جداگانہ ہیں۔ کہاں ابوسفیان کا مسلمان ہو جانا اور کہاں مسلمانوں کا ابوسفیان بن جانا۔ کیا اسی کو انقلابِ اسلام تسلیم کر لیں کہ ایک دن بھی اصلاحِ احوال کی خبر نہ آئی۔ ہر فرد کے سنگین و سازش کی زد میں ہونے کو، کیا ہم منکرِ ختم نبوت ہیں، کہ خوشنودیٔ رحمۃ للعالمین تسلیم کر لیں۔ کیا شومیٔ قسمت ہے کہ کوئی پھول کھلا بھی تو بس شگوفہ ہی پھوٹا۔ اس صورت حال کے ذمہ دار ایک ایک فرد سے ہم بصد ہزار منت التجا کرتے ہیں، ہمیں اتنا بتا دو، ہم ان غیروں کو کیا جواب دیں جو تاریخ اسلام ہاتھ میں لئے آج تمہارے واسطے سے ہم پر نئے سرے سے طعنہ زن ہیں۔ انہیں کیا بتائیں کہ انقلابِ اسلام بنی صدر کے مونچھیں رکھ لینے کو کہتے ہیں یا مونچھیں منڈوا دینے کو۔ یا یہ تنازعہ کھڑا کر دیں کہ ہر آدمی کی مونچھ ہوتی ہے، مونچھیں کسی کی نہیں ہوتیں۔ مونچھوں کے درمیان حد فاصل مصنوعی ہے جو ناک کے بہاؤ کے لئے قائم کی جاتی ہے۔ پہلے یہ طے کرو کہ بنی صدر نے مونچھ منڈوائی کہ مونچھیں۔ مونچھ واحد ہے اس لئے صیغہ جمع کا استعمال شرک ہے۔ از روئے گرامر بھی، اور از روئے جغرافیہ بھی۔ فویل کہ آج تک رعایا کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا۔ اب حکیم الامت سے کیا کہیں کہ حضور مشرق کا جنیوا اب کہاں تعمیر ہوگا۔ تہران میں تو مسائل حل کرنے کی بجائے یا شہریوں نے راہ نما حل کر ڈالے یا راہ نماؤں نے

Marfat.com

شہریوں کا محلول بنائے رکھا۔ فویل'' کہ قتل وغارت گری سازش وانتقام، تشدد و دہشت گردی اس اسلام کے نام لیواؤں کا شیوہ بن گیا جو دنیا بھر کو پیغام امن دینے کا دعویدار ہے۔ جو خطاب جی چاہے چھین لو اور جو خلعت چاہو واپس لے لو مگر تاریخ میں یہ تحریر رہے گا کہ نغمۂ اسلام کے یہ غیر ساختہ طنبورے جونہی جھنکارے'' انسانوں نے انسانوں کو ہی نہیں، فرشتوں کو بھی ڈس لیا۔ مسلم برادرہڈ نے جب بھی اپنا ترانہ چھیڑا، مسلمان پھوٹے پھوٹ گئے۔ بام یہود پر بہ ایمائے نصاریٰ جب بھی علم اسلام بلند ہوا، ایک غوغا پیش عرشِ الٰہی بپا ہوا کہ آدم فرشتہ صورت ملائک خور ہوا جاتا ہے، حوریں سسکیاں بھرتی ہوئی عرض گزار ہوئیں، پروردگار ہمیں ان نیک بندوں سے محفوظ رکھ۔ غلمان بلال حبشی کے واسطے دے دے کر سبحان ربی الاعلیٰ پکارتے گڑگڑاتے سجدوں میں سر ٹکرانے لگے کہ اے خالقِ اسلام ہمیں چھپالے کہ جنت میں سی، آئی، اے در آئی ہے۔ فرشتوں نے صف باندھ کر عرض کی۔ اے خالقِ دین امن عالم! مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام، شب و روز یہ تماشائے انتقام، دہشت و تشدد کا یہ دیو ناچ، گفتار و تحریر و فکر کے آنگن میں محو رقص یہ بھوت، یہ تذلیلِ احترام انسانیت، ان میں سے تو کسی کا بھی ذکر خطبۂ حجۃ الوداع میں نہ تھا۔ تیرے نیک بندوں نے بندوں کی زبان کیوں بند کردی۔ تیرے یہ خاکی فرشتے خصلتِ آقائی الحاد کے گرویدہ کیوں ہو گئے۔ شرفِ انسانیت کو حفاظت کے بہلانے غصبِ حقوق کے قلعوں میں کیوں محصور کردیا گیا۔ انسان کیوں طبقوں کا طباخ بن کر رہ گیا۔ انسانوں کے ننگِ خیال نے خود کو مستور رکھنے کے لئے لباسِ اسلام کے چیتھڑے کیوں کر ڈالے۔ ہر مدعی لاریب ہونے کا دعویٰ کرتا ہوا ہر حکم الٰہی میں ریب پیدا کرنے پر مصر کیوں ہونے لگا۔ ہر سادہ لوح مسلمان سوچتا ہی رہ جاتا ہے، میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جو بھی میری مشکلات، میری محرومیوں، میرے مصائب کی مسیحائی کا دعوی کرتا ہے، اقتدار حاصل ہوتے

Marfat.com

ہی یہ کیوں سناتا ہے، یہ صورت حال مجھے ورثے میں ملی ہے، میرے پاس الہ دین کا چراغ نہیں ہے، میں اندرونی وبین الاقوامی حالات کی وجہ سے مجبور محض ہوں۔ کون سمجھائے کہ حضور لوگ مذہب بھی اپنی مشکلات، محرومیوں اور مصائب کے حل کے لئے اختیار کرتے ہیں، صرف نعرے لگانے کے لئے نہیں۔ مذہب کے نام پر قائم شدہ حکومت اگر افراد کو نجی آسائشوں اور حقوق سے محروم رکھے گی تو لوگ مذہب سے بھی مایوس ہو جائیں گے، اس کی افادیت سے منکر ہو جائیں گے۔ یہ محرومی لوگوں کو ہانک کر دہریت کی طرف لے جائے گی۔ جس ملک کے باورچی خانوں، مہمان خانوں اور استراحت کے کمروں میں سکون و اطمینان نہیں، اس مملکت کا کوئی مذہب نہیں۔ آسائشوں کے قبرستان تعمیر کرنے والے مسجدوں کو آباد رکھنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ انقلاب اسلام کے پس منظر میں یہی سُنا، یہی پڑھا، اتنے قتل ہو گئے، اتنے قتل کر دیئے گئے، اتنے پابند سلاسل ہوئے۔ اتنے کوڑے برسے، اتنوں کی تحقیر ہوئی۔ اتنے رشوت دے کر بچے، اتنوں پر مقدمات قائم ہوئے۔ اتنے سازشی پکڑے گئے، اتنے سازش کا شکار ہوئے۔ فلاں چڑیا گھر میں شیر نے دورہ کیا، فلاں میں لومڑ نے دربارِ عام لگایا کہ برخاست کر دیا گیا۔ کسی روز یہ خبر نہ آئی کہ اتنے اندھیرے گھروں میں آج پہلی بار شمع جلی، اتنے بھوکے بچوں نے دیگچیوں کا ڈھکنا اٹھایا تو پہلی بار یہ دیکھا کہ واقعی سالن پک رہا ہے۔ آج گلیوں میں ننگے پھرتے ہوئے اتنے بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنا سکول بھجوایا گیا، آج اتنے استادوں اور استانیوں نے رضا کارانہ طور پر حلف اٹھایا کہ وہ پرائیویٹ ٹیوشن کے لئے بچوں کے مستقبل تباہ نہیں کریں گے۔ آج اتنے بھوکوں نے دسترخوان کی طرف نگاہ اٹھائی تو واقعی چپاتیاں موجود تھیں۔ متوسط طبقہ کے اتنے لوگ سبزی اور پھلوں کی دکانوں سے لوٹ رہے تھے تو ان کی ٹوکریوں میں پھل اور سبزیاں تھیں۔ اتنے افراد نے دروازے پر منتظر بیویوں،

Marfat.com

جوان بیٹیوں اور بہنوں کو خبر دی کہ روزگار مل گیا ہے۔ اتنے شرابیوں کو عفتِ نفس ملی کہ انہوں نے شراب کی بوتلیں گلیوں میں پھینک دیں۔ اتنے ہاتھوں کا اعتماد بحال ہوا کہ سرقہ سے تائب ہو گئے۔ اتنے ملازمینِ سرکار نے بغیر رشوت لئے اپنے سرکاری فرائض انجام دیئے۔ اتنے قاضیوں نے بلا خوف و طمع و رعایت انصاف صادر کیا۔ اتنے ٹھیکیداروں نے خود اپنی بددیانتی کا احساس کرتے ہوئے سڑکوں اور عمارتوں کی مرمت نو شروع کر دی۔ اتنے افسروں نے ان سے کہا کہ ہمارا حصّہ نہ دو، اس رقم سے تعمیرات کو دیانت آشنا کر دو۔ یہ تو تقاضائے دانش سہی کہ پر نوچے سیاست دان اگر پر نکالنا چاہیں تو انہیں سرکاری بیت المال سے پر مہیا کئے جائیں۔ یہ بھی جانا ہوتا کہ انسان کو اگر دوسرے انسان اپنا ما فی الضمیر بیان کرنے کی اجازت نہیں دیں گے تو وہ پتھروں کو سامنے رکھ کر اپنا دکھ بیان کرنا شروع کر دے گا اور بالآخر بُت پرست بن جائے گا۔ جانا ہوتا، کہ انسانوں کو خاموش کر دینا توحید کے خلاف بہت بڑی سازش ہے۔ جیسے ثقافت کے خلاف اس سے بڑی اور کوئی سازش نہیں کہ ماؤں کو خاندانی منصوبہ بندی پر آمادہ کر لیا جائے۔ عورتوں میں ماں بننے کی خواہش کو زندہ رکھنا ارتقائے انسانیت کے لئے خالقِ کائنات کا معاون ہونا ہے۔ اور انسان کی زبان کو اس کے دل کی ترجمانی سے روک دینا اس کے خدا کو نااہل قرار دینے، اُسے اپنے خدا سے انکار پر مجبور کرنے کے مترادف ہے۔ پابندیٔ خیالات کے مقہور معاشرہ کی جھولی میں ہر صدف بے گوہر ہوتا ہے۔ آبِ بے موج کے مگرمچھ لاکھ تازہ مچھلیاں کھائیں، اپنے جسم کو بدبودار ہونے سے نہیں بچا سکتے اور ہر چند انہیں مچھلیوں اور مینڈکوں سے کوئی خطرہ نہ ہو، ایک روز اپنے ہی جسم کی بُو سے ان کی شریانِ حواس پھٹ جاتی اور دل لہو ہو جایا کرتے ہیں۔ اگر یہی اسلامی انقلاب ہے کہ ہر انسان شب بھر عالمِ خواب میں خود کو قتل ہوتا ہی دیکھنا

Marfat.com

رہے تو پھر ہم اس دن کو دعوت دے رہے ہیں جب انسانوں کی دنیا میں الصلوٰۃ خیرٌ من النوم کی تصدیق کرنے والا کوئی نہیں رہے گا اور مرغے بھی اذان دینے سے پہلے اپنے اہل و عیال کو سرگوشیوں میں کہہ دیا کریں گے، عادتاً اذان دے رہا ہوں "مجھ سے پہلی سی اذاں اے مری محبوب نہ مانگ" تمہارا جی چاہے تو بیدار ہونا، نہ چاہے تو مزید لمبی تان لینا کہ ہمارے تمہارے گوشت کی دکان تو بعد از سہ پہر کھلتی ہے۔ فی الحال تو اس اشرف المخلوقات کو دیکھو کہ آتشِ گلستان نے روش روش ہر گل بوٹے کو جڑوں تک جھلس ڈالا اور باغبان کو اب بھی دعویٰ ہے کہ بلبلِ ناداں یونہی نوحہ کناں ہے، نیّت صیاد میں ہرگز کوئی خلل نہیں۔ ہر انسانی ذہن کے مدفون مقتولوں میں مردہ خیالات محو رقص ہیں۔ ہر انسان تنہائی میں یوں سوچتا ہے جیسے روز حشر اللہ نے اُسے ایک طرف بٹھا دیا ہو اور فرشتوں کو حکم دیا ہو کہ پتا کرو اسے کس نے پیدا کیا تھا۔ جیسے دیکھو غنچہ نو شگفتہ دور سے دکھاتا ہے۔ مُنہ سے کچھ نہیں پھوٹتا۔ لوگ اپنے ہی وسائل اور اہلیتوں کی طرف یوں دیکھتے ہیں جیسے بھوکا اور لالچی مہمان، میزبان کے بیمار مرغے کی طرف دیکھے۔ ہر دانش مند قاتلانِ عیسٰی کی مسیحائی کا قصیدہ خواں ہے۔ ہر سقراط نے دیوان خانے میں شربتِ قوتِ آذ کی بوتلوں پر زہر قاتل تحریر کر لیا ہے اور مدعی ہے کہ آج کا سقراط زہر سے نہیں، بہناتِ قوت آذ سے مرتا ہے۔ ہر افلا تعلمون افلاطون ہے۔ ہر بقرۃ العلم بقراط بنا بیٹھا ہے۔ ہر چنگیز علمدارِ عافیتِ انسان ہے۔ ہر ہلاکو نمازِ استسقاءِ خونِ انسان کی نیّت باندھ رہا ہے۔ تمام تکبیرات متکبّر دعا و فلاح سے عاری ہو چکی ہیں۔ ہر آذر تخلیق اصنام پر اظہارِ افتخار کرتا نمرود کے مدارجِ خدائی میں پیشگی اضافے کر رہا ہے۔ ہر خانۂ یعقوبؑ میں قتلِ یوسفؑ کے مشورے ہو رہے ہیں۔ ہر یوسفؑ کی نیند اس لئے حرام کر دی گئی ہے کہ یہ پھر کوئی خواب نہ دیکھ لے۔

Marfat.com

ہر یعقوب نئی آنکھیں لگانے کے ہسپتال کا پتا پوچھ رہا ہے۔ ہر زلیخا تھالی میں بینگن لڑھکاتی، عزیزِ مصر کے دیدار کی منتظر سہیلوں کے لئے سیب تراش تلاش کر رہی ہے۔ ہر ہاجرہ معصومیتِ اسمٰعیل کے سامنے جھولی پھیلائے کھڑی ہے کہ پیاس سے جان بلب ہوں، اسمٰعیل سے ایڑیاں رگڑوا کر میرے تشنہ لب سیراب ہوں۔ ہر پدمنی کا تقاضا ہے کہ ایک بار آئینہ میں محمد غوری دکھا دو، زندگی بھر ساڑھی کا پلّو سنبھالوں تو آئینہ توڑ دینا۔ ہر عالمگیر متقاضی ہے کہ نیّت مجذوب میرے قدموں میں ہے جسے دیکھو سومنات کی دیواروں پر قصائد نظام الدین اولیا تحریر کر رہا ہے۔ جسے آگ لگ جاتی ہے وہی نورانی بن جاتا ہے۔ جس کی تشنگی سیراب ہو جائے، اس کے اندر سے دھواں اٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔ ہر طرّہ بقدر جہالت طویل ہے۔ جو کوئی ریش پر ہاتھ پھیرتا ہے، عقل پر پانی پھیر لیتا ہے۔ ہر حاملِ جام تہی منصبِ سقا پر مزین ہے۔ ہر میخوارِ تشنہ لب مدہوش ہے۔ تصوف اپنی بے معرفتی پر نازاں اور تعارفِ اعترافِ بے تعلقی پر فخر کناں ہے۔ ہر حیوانِ ناطق اپنا نطق چاٹ رہا ہے اور سوچ رہا ہے کہ اگر ابراہیم صنم کدے تعمیر کر رہا ہو تو تحفظ مقام ابراہیم کے لئے مقالات تحریر کرنے والا مصنف کون سی لغت ہاتھ میں لے۔ اگر زمانہ مجبور کرے کہ برادرانِ یوسف کے قصیدے مادر یوسف کے مزار پر بیٹھ کر یعقوب اپنے ہاتھ سے تحریر کرے تو خامۂ خونچکاں اور فگار انگلیاں کیا سوداگران کاروان یوسف کو دکھائی جائیں۔ اگر یہ قصائد تحریر بھی ہو جائیں تو بھاڈ کس کا بڑھے گا۔ قمیصِ یوسف کا، حرصِ زلیخا کا، سازشِ برادرانِ یوسف کا، یا شبِ وصلِ عزیز کا۔ اورنگ زیب اگر خود پیغام بھیجے کہ ڈوکرے میں بیٹھ کر چلے آؤ تو سیوا جی سے کیا پوچھیں کہ دشنہ بطنِ افضل میں کیوں گھونپا۔ شیر افگن اگر خود عرض کرے کہ مہرو آپ کی امانت ہے۔ تو جہانگیر پر کون الزام لائے کہ قتل ناحق ہوا۔ اگر علمبردارانِ دین و مذہب احترام

Marfat.com

انسانیت سے عاری ہو جائیں تو کیا جنگل کے درندوں کو آواز دیں کہ تحفظ امن
انسانیت کے لئے تمہارا وجود ضروری ہے۔ کیا کریں۔ ان جلتے ہوئے انسانوں پر
اُبلتا ہوا پانی ڈالیں کہ آبلے بیٹھ جائیں۔ ان خاکیوں کو راکھ میں دبا دیں کہ گرد آلود نہ
ہوں اور اعلان کریں کہ اسلامی انقلاب کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ بنام مذہب
اگر تشدد اور غارت گری روا رہے تو سورۃ الرحمٰن کس کو سنائیں۔ اپنے گھر میں پناہ دیئے
جانے والوں کو ابو سفیان ہی قتل کر دے تو رحمۃ للعالمینی کے تقاضے کیا ہوں گے۔
اپنے ہی ہاتھوں سے امتِ کریم کو قتل کرنے والے کسی ہندہ سے کیوں کر کہیں گے
کہ ظالم یہ تو عمِ رسول کا کلیجہ ہے۔ لوگو! جانو کہ جو انسانوں کی دنیا کو جنت جیسا نہیں
کرتا، وہ اسلام نہیں ہے۔

Marfat.com

عقلِ عیّار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

اگرچہ بالآخر نئے دستوری ڈھانچے کے کچھ خدوخال پُرکار دھندلکوں سے برآمد ہو چکے اور مصنّف نے "لیس منسٹر" کے کرداروں سے بھی بہتر مہارت کا ثبوت دیا، تاہم اندازہ ہے کہ مجوزہ صورت اور موعود وقت پر اگر کچھ بحال ہوا تو اُسے مصلحتاً ۱۹۷۳ء کا آئین کہا جائے گا۔ ہوگا وہ کچھ اور ہی، جس کے انصرام سے کالعدم سیاسی جماعتیں معدوم ہو جائیں گی، موجودہ اقتدار سپریم رہے گا البتہ دعا گو فیض یاب ہو سکیں گے۔ بین السطور مارشل لاء اٹھ جائے گا اور تحت السطور بیٹھ جائے گا مگر میرے اس مضمون کا یہ موضوع نہیں۔

میرے زیرِ فکر یہ صورتِ حال ہے کہ بادل جو امڈ رہے تھے اب گرج رہے ہیں اور برسا چاہتے ہیں..... خیال ہے کہ میخانہ بہہ نکلنے تک برسنے کے ارادے ہیں۔ اس لئے اے لوگو! جو لاکھوں بے گور و کفن لاشوں کو بُت کدوں کی اکثریت کی سرزمین میں چھوڑ آئے ہو، ایسے دلدوز حادثات سے دوچار ہو چکے ہو کہ آج کے ہندوستان کی ایک پوری نسل اپنی ماؤں سے پوچھتی ہو گی، ہمارے ماموں، ہمارے نانا، ہماری خالہ کا کیا نام تھا۔ ماں! تو جو اس گھر میں جسونت کور کے نام سے جانی جاتی ہے، تیرا پیدائشی نام کیا تھا۔ تجھے تیرے بھائی، تیرا باپ کیوں چھوڑ گئے۔ لوگو! جو آج بھی کبھی خیالوں اور کبھی خوابوں میں اپنی بیٹیوں کی

Marfat.com

لٹتی ہوئی عصمت اور بیٹوں، بھائیوں، ماں باپ، اعزہ و اقارب پر چلتی ہوئی
بندوقیں، سنگینیں، برچھیاں اور اپنے آبائی مکانوں کو لٹتا اور جلتا ہوا دیکھ
کر ہڑبڑا اٹھتے ہو، اپنے اکابر کے مقبروں کی زیارت تک سے محروم کر دیئے
گئے۔ مسلمانو! جنہیں تاریخ ایسے وسوسوں میں الجھائے رکھنا چاہتی ہے۔
جیسے تاج محل، شاہی مسجد اور لال قلعہ مان سنگھ یا سیوا جی نے تعمیر کروائے ہوں۔
اور سلیم چشتی سے صرف جودھا بائی کار شتۂ عقیدت ہو۔ لوگو! تمہاری دوشیزاؤں
عصمت شعار بیٹیوں کے بال ہی نہیں، تمہاری جدائی اور اپنے مقدر کے ماتم
میں دیدے بھی سفید ہو چکے ہوں گے۔ تمہیں اگر اپنی قربانیوں کا احساس نہیں
تو اپنی منفعتوں کا ہی اندازہ کرو۔ چنانچہ اے آج کے صنعت کارو! اے خواجگان
بلند مرتبت! اے سرمایۂ بے پناہ کے خداوندو! اے افقِ تجارت کے روشن
ستارو! اے وسائلِ سرزمین پاکستان کے اجارہ دارو! اے نشۂ امارت
عمارت میں سرشار تعیش پسندو! ہوش میں آؤ کہ برا وقت آ لگا ہے۔ ۱۹۷۰
کے انتخابات کے نتائج نے تمہیں دولخت کیا اور اصل وجہ تم آج تک نہ جان
سکے۔ تمہیں احساس نہ ہوا کہ ۱۹۷۰ء کے شفقِ سیاست کو تم نے نافہمی سے
آفتابِ تازہ کی اُفقِ تابی گردان لیا۔ نہ جان پائے کہ یحییٰ خاں کے لیگل فریم ورک
میں سقوطِ مشرقی پاکستان کا اہتمام تھا۔ اور یہ کہ ۱۹۶۲ء کے آئین نے مشرقی
پاکستان کے علیحدہ ہونے کے لئے متحدہ اور مغربی پاکستان کے منتشر ہونے
کے لئے مستعد ہونے کا جو اہتمام کیا تھا وہ اپنی تکمیل کو پہنچا چاہتا ہے۔
احساس نہ ہوا، پر نہ ہوا کہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے مابین تمام فکر
نظری، اور اعتقادی رشتے منقطع کروا کر کچھ سیاسی جماعتوں کی بے شعوری
باقی کی وساطت سے پاکستان کو تین سیاسی فکری حصوں میں تقسیم کرنے

Marfat.com

مکمل اہتمام کرکے فی کس فی ووٹ کی بناء پر کرائے گئے انتخاب قائداعظمؒ اور اقبالؒ کے قائم کئے ہوئے شیرازہ کو یوں بکھیر دیں گے جیسے کوئی نادان بچہ گل دستہ کی دستی کاٹ کر اسے گلی میں پھینک دے۔ پاکستان میں ایک بھی ملک گیر سیاسی جماعت موجود نہ تھی۔ ایک طرف عوامی لیگ تھی۔ پنجاب اور سندھ پیپلز پارٹی کی ماہرانہ پرکاریوں کی گرفت میں تھے۔ نشتر پارک، اقبال پارک اور موچی دروازہ ہونے والے سول چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ذریعہ بلیٹنوں کی ملکی میدانی سیاسی ریشہ دوانیوں کے حوالے کئے جارہے تھے۔ بلوچستان اور سرحد میں جن کی سیاست کارفرما تھی اُن کا خُبثِ دروں اور اور مستقبل کے ارادے عدالتِ عظمیٰ کے فیصلوں میں آج بھی محفوظ ہیں۔ اگر پورے ملک میں اقتدار حاصل کرنے اور سالمیت کو برقرار رکھنے کی واقعی خواہش ہوتی یا اس کا استحکام پیشِ نظر ہوتا تو عوامی لیگ مغربی پاکستان میں بھی اپنی مقبولیت کو راسخ کرنے کا کوئی اہتمام تو کرتی۔ ایسا نہیں ہوا، ایسا عمداً نہیں کیا گیا۔ پیپلز پارٹی کو سندھ اور پنجاب کے لئے چارٹرڈ ہوائی جہاز بھی میسّر آگئے اور ریل تھی بھی۔ مگر کسی دیگر صوبے کے لئے شاید کرایہ میسّر نہ آسکا۔ درحالانکہ روٹی کپڑا اور مکان کے نعرے باقی ماندہ صوبوں میں زیادہ آسانی سے مقبول ہوسکتے تھے۔ اس جماعت کا عملاً دو صوبوں تک محدود رہنا بھی عمداً تھا اور خالی از علت بھی نہ تھا۔ دیگر دونوں صوبوں کی سیاست نے اپنی باگ ڈور اُن کے ہاتھوں میں دے دی جن کا ہمیشہ اٹک پار نہ کرنے کا رویّہ ریفرنڈم ہار جانے کی مخاصمت کا شکار رہا۔ مذہبی مسالک کی علمبردار سیاسی جماعتوں کی لائبریریوں میں مفکرِ پاکستان اور معمارِ پاکستان پر کفر والحاد کے فتاوی کی دستاویزات خفیہ مطالعہ کے لئے

Marfat.com

محفوظ تھیں ۔ ان کے اسمائے گرامی بڑے پُرمغز اہتمام کے ساتھ استعمال کئے گئے مگر ان کے فکر و عمل پر مزید دبیز پردے ڈال دیئے گئے۔ جو پہلے خضر نواز تھے، تقسیم ہند کو ناگزیر دیکھ کر انگریز آقاؤں کے اشاروں اور ذاتی مصلحتوں کے پیشِ نظر مختلف ہتھکنڈوں سے صفِ اوّل کے مسلم لیگی بن گئے ... پھر ری پبلکن بن کر کام نہ چلا تو کنونشن مسلم لیگ کی ہنڈیا میں اپنی دال گلوانے چلے آئے۔ کسی نے ملک کی مشرقی پاکستانی رسوائیوں کے پیشِ نظر "ہم اِدھر تم اُدھر" والے خادمِ قوم کو بالآخر سول چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنانے کا در پردہ ارادہ ہی کیا تھا کہ یہ مخمور فرشتوں کا طھور دھارے روٹیوں، کپڑوں کے طباق سجائے، مکانوں کے خیالی نقشے دکھاتے عوام کو خوابوں میں نظر آنے لگے۔ یہ صورت حال دیکھی تو زمینی خداؤں کے پروردہ پیشواؤں نے سوشلزم کے مقابلہ میں اسلام کے فلسفۂ محنت و سرمایہ کو یوں پیش کرنا شروع کر دیا جیسے اسلام سرمایہ دارانہ اجارہ داری کا دوسرا نام ہو اور یوں قومی فکری رجحانات کو بظاہر نجات دہندہ اور بہ باطن گرگِ جہاں دیدہ کے سپرد کر دیا، اور نہ جانا کہ یہ کسی سیاسی مکتب کی نہیں ایک ایسی شخصیت کی دریافت ہے جو مزاج کا سکندر بھی تھا اور مرزا بھی۔ سیاسی جماعتوں کے منشور سے آگاہی تو کجا، ہم نے یہ حساب بھی نہ لگایا کہ جنہیں ہم نامور سیاست دان گرداتے ہیں، ان کا نوّے فی صد تو قیام پاکستان کے خلاف تھا۔ مجبوراً پاکستان تو قبول کرنا پڑا، نظریہ انہیں نہ قبول تھا، نہ ہوا۔ ہم اندازہ نہ کر سکے کہ ایسے لوگوں کی برپا کی ہوئی سیاسی فکر ہمیں کن کن تضادات کا شکارِ مردہ بنا کر رکھ دے گی۔ ہم کہیں ایسی سیاسی شاہراہوں پر تو لاکر کھڑے نہیں کر دیئے جائیں گے جن پر لکھا ہو "یہ سڑک پہلے پاکستان کو جاتی تھی"۔

Marfat.com

۱۹۷۰ء کے انتخابات نے پاکستان کو دو نہیں تین سیاسی حصّوں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک حصّہ عوامی لیگ لے گئی، دوسرا عوامی لیگ کے انگریزی ترجمہ یعنی پیپلز پارٹی کے اثر و رسوخ میں سیاست کی کچی آبادیاں بنواتا اور گرواتا رہا۔ اور تیسرا سیاسی تنازعات کی آماجگاہ بن گیا اور پاکستان اُس بازو کٹے انسان کا سا بن کر رہ گیا جس نے پوری آستین کی قمیض پہن رکھی ہو اور نعرے لگا رہا ہو، میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، میں نے زرہ پہن رکھی ہے ..... عزیزو! آج کی صورت حال اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات نے ملک کے جس حصّہ کو سیاسی طور پر متنازعہ بنا دیا تھا، جو کئی سال سول فوج کشی کی نذر رہا وہاں کے صوبہ پرست کابل جا بسے اور باقی ماندہ کانگرس نواز، قومیت پرست، ماروں گھٹنا، پھوٹے آنکھ کی سیاست کو اپنائے، کبھی آنکھ کے علاج کے لئے اور کبھی گھٹنوں کے مساج کے لئے ماسکو، کابل، دہلی اور لندن کی یاترا میں مصروف رہے اور ہر دفعہ ایسی دُھول جھولی میں ڈال کر لائے جو نظریۂ پاکستان کی نظر کو دور و نزدیک کی عینکوں میں مزید موٹے شیشے لگوانے کی اشد ضرورت کا احساس دلا سکے۔ قومی اتحاد کی ضرورت کس نے محسوس کی۔ جسے لوگ ڈھونگ بنانا چاہتے تھے، اُسے زندہ مثبت حقیقت کن محبانِ وطن نے بنایا، اُن میں ایک کا نام تو عبدالستار خاں نیازی ہے اور دوسرے کا ذکر ضروری نہیں۔ مگر وائے قسمت کہ اس قابلِ تعظیم دوست کو بھی چودھری عبدالحمید صاحب کا حُبِّ وطن کا آئینہ دار مضمون "سیاست بے فراست" ناگوار گزرا۔ نہ معلوم یہ طویل صحبتِ یاران کا اثر ہے یا سفرِ یورپ میں کوئی کوتاہی سرزد ہو گئی ہے۔ اتنے عظیم محبِّ وطن کی سوچ بھی اگر حبِّ وطن سے عاری ہونے لگے تو جس بھٹی میں عوام جلنے والے

Marfat.com

ہیں، اُس کی آگ کو "دُکُوئی بردا" کون کہے گا۔ عظیم دوست! میرے لئے تُو اب بھی سالبقہ نہیں ہے مگر تیرے زخموں کا علاج فکرِ اقبال میں ہے، فتاوٰی عالمگیری میں نہیں۔ کوئی پاکستانی تمہیں کرگسوں میں پلتا ہوا فریب خوردہ شاہین تسلیم نہیں کرنا چاہتا۔ سیاست واقعی بے فراستی کی آماجگاہ بن چکی ہے۔ مارشل لا کا نفاذ کسی لادین کو ہی پسند ہو سکتا ہے مگر اس کی چھتری تلے جو کچھ ہو رہا ہے، جو کچھ ہونے والا ہے، وہ کسی وردی میں نہیں، ایک قریباً سو سالہ ڈھانچہ میں چھُپا ہوا ہے۔ قومی اتحاد کے خلاف جن سازشوں نے ایک نئے اتحاد کو جنم دیا، ان کی بالواسطہ نشاندہی کو سیاست بے فراست نہیں کہا جا سکتا۔ جن نظریات کو تیری جوانی کی جدوجہد نے شکست دی تھی، وہ ری پبلکن پارٹی کے فکری راہ نما و سربراہ بن کر چھا گئے اور آج جو کچھ ہو رہا ہے، یہ اُسی فکری اقتدار کی پرچھائیاں ہیں۔ درونِ خانہ پاکستان کی سیاست کے آج کے نامور برملا نظریۂ پاکستان کے مخالف رہے ہیں اور کچھ تو سجدۂ شکر بھی ادا کرتے رہے ہیں کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے۔ اس سے بڑا سانحہ اور کیا ہو گا کہ مسلم لیگ اپنی سیاست کی شکست کے اعتراف میں "بانگیں" دے اُٹھی ہے اور اپنے فکری "سرینڈر" سے بے شعور اقتدار کے "سرینڈر" ہونے کی فال نکال رہی ہے۔ جس ملک میں سیاست ایسے لوگوں کے ہاتھ آ لگی ہو جو اسے "دلّبھی چیز خدا دی، نہ دھیلے دی نہ پاؤ دی" کی دھیمی سُروں پر موزوں کر رہے ہوں اور بین الاقوامی طور پر ملک "سینڈوچ" ہو کر رہ گیا ہو، وہاں کے محبّانِ وطن اگر بلوّر کے گھروں میں بیٹھ کر ڈھانچوں کے اشاروں پر پھینکے جانے والے پتھروں کے اصل نشانہ کا پتا بھی نہ لگا سکیں، تو اپنے مقدّر کو رونے کا کون سا طریقہ استعمال کیا جائے

نئے اتحاد میں موجودہ نفاق بین الاقوامی اشاروں پر ہے۔ ایک ہی اسٹیج پر دو پتلی گر اگر بیک وقت تماشا دکھا رہے ہوں، تو یہی کچھ ہوا کرتا ہے۔ سفید ریچھ گرم پانیوں میں غسلِ صحت کے لئے بے قرار ہے۔ غسّال روانہ کر چکا، اور کفن فروش اپنے دستوں کے عقب میں رکھے ہوئے ہے۔ اگر قیامِ پاکستان کے بدترین مخالف در آ کر یہاں مستقل طور پر سیاستِ پاکستان پر چھا سکتے ہیں، تو آج بھی انسانی ہمدردی کی سادگی کسی اس سے بڑے ورود کا ذریعہ بن سکتی ہے ۔۔۔ سفید ہاتھی اپنی خلیجی رلیشہ دوانیوں کے لئے عقبی دروازہ اور سنگِ کنار قرار دے رہا ہے۔ جانتا ہے کہ پاکستان سے اژدر سوخ اٹھا تو نہ صرف مغربی یورپ کے حواری تباہ حال ہو جائیں گے بلکہ اس کے لئے پورا بحرِ ہند آدم خور مگرمچھوں سے اٹ جائے گا ۔۔۔۔ دونوں میں سرد جنگ جاری ہے۔ ایک طاقت پاکستان میں اپنے فکری اثاثے بکھیر رہی ہے تو دوسری سرمایہ کاری کے پردے میں اسلام کے اس قلعے پر لہرانے والے پرچم کے ستارے کو چھ کونہ بنانے پر تُلی ہوئی ہے، اپنی جارحیت نوازی کو عدمِ جارحیت کی مہاتما بُدھی پر اثر پڑھا رہی ہے ۔۔۔۔ دونوں سُپر طاقتیں ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ اس سرد جنگ کو گرم جنگ میں تبدیل کرکے عالمی جنگ کا خطرہ مول لیں۔ لازماً ایک دن مذاکرات کے لئے کوئی گول میز تلاش کریں گی۔ ان مذاکرات کے دوران اپنے اپنے مفادات محفوظ کرکے اگر انہوں نے کوئی دستاویز تیار کی تو اس سرزمین کا نقشہ کیا ہوگا جو ہماری غیر پاکستانیت کی وجہ سے آج تک اس لسانی اور نسلی بنیادوں پر تقسیم کو ہمارے سیاسی افلاک پر مسلّط رکھے ہوئے ہے، جو انگریز نے اپنی سامراجی سیاسی ضرورتوں کے لئے روا رکھی تھی۔ یہ لسانی و نسلی

Marfat.com

تقسیم پاکستان کو اپنے نرغے میں لئے ہوئے ہے۔اس کی حدود کچھ اس طرح متعیّن ہیں کہ پاکستانی علاقائی زبانیں بولنے والے پاکستانی سرحدوں کے اُس پار بھی ہیں۔ آر پار کی اس لسانی و نسلی تقسیم کو متذکرہ بالا مذاکرات کے دوران اپنا اپنا مفاد محفوظ رکھنے کے لئے اگر پھیلا دیا گیا، تو کیا ہوگا۔ اس کے تصوّر سے بھی حب الوطنی کو لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ان مذاکرات کے دوران تیار ہونے والی دستاویز کے مندرجات کے لئے فکری، قلبی و ذہنی تضاد نے ۱۹۷۲ء سے لے کر آج تک بڑی بھرپور تربیت و پرورش حاصل کی ہے۔ ہم اس سے نہ بچے تو آج کا ہر محب وطن غدّار قرار دے دیا جائے گا اور کینہ پرور مینارِ پاکستان کو یادگارِ پاکستان قرار دینے کی قرارداد ترتیب دینے لگیں گے۔ بدیں حالات ان مسلکی پیشواؤں کا کیا ہوگا جو یورپ سے افریقی فکر لے کر آئے ہیں اور اپنی دکان کے بورڈ پر نئی عبارتیں تحریر کروا رہے ہیں۔ ان حالات کا مقابلہ دستگیری سیاست یا بنی اسحاقی معیشت کے بس کا روگ نہیں، نہ ہی اس کا یہ کوئی علاج ہے کہ سرحدوں کے محافظوں کو سُپر آئینی کردار پر لگا دیا جائے۔ اور جیل خانوں کو نئے مہمانوں کی فہرستیں مہیا ہوتی رہیں۔ خلیج کے تیل کی حفاظت سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ بلا تاخیر خوش اسلوبی سے مارشل لاء کے نفسیاتی تاثر کو یوں ختم کیا جائے کہ ۱۹۶۵ء کے جذباتی رشتے پھر عود کر آئیں اور قوم یہ محسوس کرے کہ وہ جو سرحدوں پر واپس جا رہے ہیں، ان کے ہی بھائی اور بیٹے ہیں جنہوں نے نگرانی کو سہو تسلیم کر کے نگہبانی کے فرائض پھر سنبھال لیے ہیں۔ میں نے ۱۹۷۵ء میں دریائے چناب کے نئے پُل پر دو افسروں اور چند سپاہیوں کو ایک خستہ حال فوجی ٹرک کو دھکّے لگاتے ہوئے دیکھا تھا تو میں آبدیدہ بھی ہوا، اور انتظامی

Marfat.com

مقتدر کو ملامت کا نشانہ بھی بنایا۔ آج کے نئے ٹرک میں سیاست کی میّت لدی دیکھ کر اپنی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانا خود میرے لئے بھی آسان نہیں کہ میں کسی ایسے جہاز پر سوار نہیں جس کے عرش سے فرش نظر ہی نہ آتا ہو۔ خلاؤں کی باتیں ہم حشرات الارض کے لئے آسان ہو بھی کیوں کر سکتی ہیں۔ صرف اتنی عرض ہے کہ بحکمِ بزرگانِ سیاستِ پاکستان پرانے رلیفرنڈم کے زمانہ کی جس پالیسی کو اپنایا جا رہا ہے اور نئے سیاسی اتحاد سے نئے مشورے جو سلوک کر رہے ہیں، وہ سُپر پاوروں کے آئندہ مذاکرات کی تیاریوں کی کڑی ہیں۔ اس ٹرک کو روکئے، کہ آگے پُل ٹوٹ رہا ہے۔ پُل جس کے پار سند یافتہ محبّانِ وطن سیاسی قوالی گا رہے ہیں۔ ”ہر لحظ سیاست کی نئی آن نئی شان۔ گفتار میں کردار میں بھگوان کی برہان“۔

Marfat.com

جی سکتے ہیں بے روشنیٔ دانش و فرہنگ

ابراہیم خلیل اللہ کی کارِ خارا گدازی کو پروردۂ ملوک دانش و فراست نے صدیاں سے عجمی فرہنگ کی خارا تراش سان پر چڑھا رکھا ہے۔ خود تراشیدہ بتانِ وہم و گمان پر نقش نگاری و رنگ آمیزی کے لئے دانشِ افرنگ سے یوں اعانت حاصل کی جا رہی ہے کہ بندگانِ خدا ساجدانِ زمانہ بن کر رہ گئے ہیں۔ صد حیف کہ بعض تسبیحوں میں سجّے پرو لئے گئے ہیں اور ان پر صبح و شام ذکرِ اللہ جاری ہے۔ آج یہ فرہنگ و افرنگ زدہ دانش صدیوں کی فکری غلامی کو آزادیٔ افکار کا نام دیے، جس طرح مبہوت آمن اپنائے محورِ نفس و تماشا ہے اس کی مثال فکرِ نکوس کی دنیا میں "زلفیں سنور چکی ہیں، قشقہ لگا رہے ہیں،، مصوّر کر کے لانا تو شاید قطعی درست نہ ہو لیکن یہ قرار دینا خلافِ واقع نہ ہوگا کہ زبور کا سنگیت، گیتا کی موسیقی میں سمو کر رہ گیا ہے۔ مُرلی دھر کرشن مکھن چُرانے کی بجائے یعقوب کی چتکبری بھیڑیں سرقہ کر کے تانیں اڑا رہے اور انسانی چراگاہوں کا دل بہلا رہے ہیں، اور خوب بہلا رہے ہیں۔ زبور و تورات و انجیل کی وہ تحریف جس کی نشان دہی کرنے اور دانشِ انسانی کو یکسُو کرنے کے لئے نزولِ قرآن ہوا، نہایت پرکاری سے تعلیماتِ قرآن کا حاشیہ بنا دی گئی۔ قرآنِ پاک تحفظِ الٰہی میں رہا اور رہے گا مگر داستان طرازی، ترجمہ اور انسانی عقل و

Marfat.com

فکرِ ناقص کو بنیاد بنا کر بیان کی گئی تاویلات وتفاسیر نے پیشانیوں کے محرابوں پر وہ، وہ گل کھلائے کہ انسانی روح پریشان و پشیمان ہو گئی۔ انسانوں کی دانش فروشی نے قرآن، تاریخ اسلام اور فکر و عمل و کردارِ مسلمان میں بُعد مشرقین و مغربین سے بھی زیادہ طویل فاصلے قائم کر دیئے۔ آج کے انسان کا کرب و انتشار اُس انسان کی کیفیتوں کا سا ہے جیسے غلطی سے ابراہیم جان آتشِ نمرود میں پھینک دیا گیا ہو یا پھر اس حاکمِ وقت کا سا، جس نے شبیہ سے دھوکا کھا کر کسی غیر عیسٰی کو مصلوب کر دیا ہو۔ آج کی دنیا کے انسان یعقوب کو خون آلود کُرتہ دکھاتے ہوئے برادرانِ یوسف بن کر رہ گئے ہیں۔ اگرچہ ہر انسان کی رگوں میں آدمؑ کا خون دوڑ رہا ہے، ہر انسان کا دوسرے انسانوں کے ساتھ دودھ کا رشتہ ہے پھر بھی انسان بکھر چکا ہے، انسان ٹوٹ چکا ہے، انسانیت پھوٹ گئی ہے۔ یہ لاریب انسانی دانش کی تعلیم و تربیت کا ماحصل ہے کہ اخوّت و مساوات، بے لوث محبت، بے غرض لگاؤ اور تعلّق محض افسانوی ادبی اصطلاحیں بن کر رہ گئی ہیں۔ انسانی تاریخ اور زمینی جغرافیہ یوں باہم دست و گریباں ہیں کہ ہر انسان بازو دکھاتا پھرتا ہے کہ یہی وہ ہے جس کے ساتھ کبھی میرا ہاتھ پیوست تھا اور اس پر بندھی ہوئی یہ پٹیاں کبھی میرا گریباں ہوتی تھیں۔ ہر انسان دوسرے انسان کا مشرقی پاکستان نظر آنے لگا ہے۔ جیسے دیکھو وہ شل ہے، جسے پاؤ وہ سقوط زدہ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ خالقِ کائنات کے تخلیق شدہ خلیفہ نے ایک اِنچ اراضی پر بھی اللہ کی آئینی و قانونی حاکمیت قائم نہیں رہنے دی۔ اس مسجود ملائک کے احساس یاس و قنوطیت کے زیرِ اثر اس سے وہ کارستانیاں سرزد ہوئیں کہ خالق و مالک ارض بے مِلک ہو کر رہ گیا ہے۔ جس جمعبندی و خسرہ گرداوری کو اٹھا ڈالو اس میں کسی نہ کسی انسان کا قبضہ و ملکیت مندرج ہے۔ کسی اہل کار کا مالک و قابض بلا شرکتِ غیرے بن اصل مالک کو

Marfat.com

فقط صدقات و خیرات پر ٹالنے کا عمل بڑا نتیجہ خیز سانحہ ہوتا ہے۔ تاریخِ حاکمیت انسان کا میدانِ کربلا سے گزرتا ہوا، رومن، اینگلو سیکسن لارڈ کا شمع بردار جلوس دراصل ان کربناک راہوں پر گامزن ہے جن پر سنگِ میل شہنشاہوں نے اپنی حدِ نظر کے لئے نصب کر رکھے ہیں۔ ان شاہراہوں پر ان شہنشاہوں کی تیز رو، روشنیاں گھماتی اور سائرن بجاتی ایمبولینسیں انسانی ضمیروں کے مدفن کی تلاش میں دن رات گھومتی رہتی ہیں اور اعلان ہوتا رہتا ہے کہ شداد نے جنت تیار کر لی ہے، نمرود نے آتش کدہ دہکا لیا ہے۔ عوام الناس خود فیصلہ کر لیں کہ انہیں کہاں بسنا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ فیصلہ کرتے وقت جمہوری اصول زیرِ نظر رہیں کہ اکثریت کا فیصلہ ہی رائج ہوگا۔ اگرچہ راج خالقانِ بالا کا ہی ہوگا۔ ان شمع بردار جلوسوں کا سفر اتنے سانحات و حادثات کا سفر ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے، اژدہوں کی وادی سے ننگے پاؤں گزر رہے ہیں۔ واضح نظر آتا ہے کہ تریاق آنے تک مارگزیدہ کی شریانِ دانش پھٹ جائے گی۔ اور ہم جن کی نمازِ جنازہ کا امام میکالے چلا آرہا ہے، ہم جنہوں نے اپنے عزاداروں میں ہمیشہ ہیگل، کارل مارکس، لینن کو بھی موجود پایا ہے، ہم جو مجاہدین بدر کو اصحابِ کہف کی غاروں میں دھکیلنے کے عادی و ماہر ہیں، قرآن میں ذوالقرنین کے بیان کو اس طرح سنتے ہیں جیسے نانی اماں سے چاند میں چرخہ کاتنے والی بڑھیا کی کہانی سن رہے ہوں، ہم جو امتوں کے روایات اور حقیقتوں کے خرافات میں کھو جانے اور تمدّن، تصوّف، شریعت، کلام کے بتانِ عجم کے پجاری بن جانے کے عمل کا مظہر ہیں، روحِ اسلام سے اس حد تک ناآشنا ہو چکے ہیں کہ اللہ کی حاکمیت، قیامِ صلوٰۃ، مشاورت، انفاقِ رزق کو مغربی جمہوری سرمایہ دارانہ سیکولر نظام کے ہم دامن قرار دے کر اپنے شعلۂ سوزاں کو دُود کہنے کے مرتکب ہیں اور ہمارا یہ تقاضہ ہے، ہماری یہ فراست و دانش و سیاست ہے کہ ہم ایسے ہیں۔ اللہ کی حاکمیت کی

Marfat.com

بات کرو۔ انسانوں کی حاکمیت کے دنیوی نظام سیاست کی نفی کرو۔ تو بیشانی سیاست تو کجا سرکاری ذرائع ابلاغ کا غازہ بھی دکنے لگتا ہے اور سیندوری آنکھیں گھورنے لگ جاتی ہیں۔ چہروں پر لالی یوں تمتا اٹھتی ہے جیسے ہر آفتاب کو اسی شفق میں غروب ہونا ہے۔ مسلمانوں کو راکھ کا ڈھیر بنائے رکھنے پر مُصر آج کا فرہنگ وافرنگ زدہ سرکاری درباری دانشور اپنا تحفظ اسی میں پاتا ہے کہ تخت کے پائے ہی نہیں تکیۂ تخت نشین بلکہ پایۂ تخت مسلسل لرزتا رہے۔ تاکہ تخت نشین کے دریافت کرنے پر یہ اطلاع لاتے رہیں کہ ایوان کے باہر زلزلہ آیا ہوا ہے۔ اس معلق زمین پر ہر چیز متزلزل ہے۔ بساط یوں بچھی رہے کہ مہرے دست بستہ بھی رہیں اور شہ نشین لرزتا بھی رہے اور یوں دانش کی دور سے لائی ہوئی کھوٹی کوڑیوں کے عوض افراط زر سے ملمّع کی ہوئی کوڑیاں وصول ہوتی رہیں۔ اللہ کی حاکمیت کا نام لو تو بندوں کی خدائی کے جمہوری علمبردار بلکہ خود ساختہ خدا دہائی دے اٹھتے ہیں کہ آزادیٔ انسان خطرے میں ہے۔ اللہ کی حاکمیت قائم ہوئی تو بنیادی حقوق کی چٹانوں سے لاوا پھوٹ نکلے گا۔ عوام کی طاقت کے سرچشموں پر جہادیو بیٹھ جائیں گے۔ آئینی پارہتی سیاہ ساڑھی پہن کوچہ بکوچہ ورلاپ کرنے لگے گی۔ تمدن برباد ہو جائے گا۔ تہذیب رجعت پسند ہو جائے گی۔ ڈیمو اینو، تھیوکریسیاں بے گھر ہی نہیں بے گور و کفن بھی ہو جائیں گی۔ اللہ کے بے راہ بندو! انسانوں کی حرمت کی اس سے بڑی ضمانت تاریخ انسان نے آج تک مہیا نہیں کی کہ کوئی انسان اپنی مرضی دوسرے انسانوں پر مسلّط کرنے کا اہل نہ رہے۔ الحکم اللہ کا اعلان الٰہی اور جو اللہ کے احکامات کے مطابق حکومت نہ کریں، ان پر عائد کردہ قرآنی قدغن ایسے لاثانی ضمنات آئین ہیں کہ شرف انسانی اور حریت انسان کے تحفظ کا اس سے بہتر سیاسی عمل نہ تجویز کیا جا سکتا ہے۔ نہ عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ اللہ کی حاکمیت کا نفاذ اللہ سے راضی اور اللہ کے راضی ہو جانے کا عمل ہے۔ یہ اللہ کے سوا کسی اور کے الٰہ نہ ہونے کا نظام ہے۔ اگر نظام

Marfat.com

لاالٰہ الا اللہ پُرخطر ہے تو نظام کائنات میں عافیت کا کوئی اور مقام بھی نہیں۔ اللہ کی حاکمیت نہ ہو تو انسان خلیفہ نہیں رہتا، خود حاکم بن جاتا ہے۔ کسی کو خلیفہ قرار دینا یہ قدغن لگانا ہے کہ تم حاکم نہیں ہو، تمہارا ہر امر اللہ کے احکام کا پابند ہوگا۔ تم لوگوں کے نگہبان اور لوگ تمہارے نگران ہوں گے اور امورِ مملکت میں تمہیں مشاورت کا پابند رہنا ہوگا۔ تمہارا طریقِ مشاورت بھی آزاد نہیں ہوگا۔ مشورہ دینے والے بھی احکام خالق کے پابند ہوں گے اور اپنی فکر کو حدود الٰہی سے آزاد نہیں کریں گے۔ وہ ہر کام میں اللہ سے راہ نما مشورہ کی استدعا کرنے والے یعنی صلوٰۃ قائم کرنے والے ہوں گے، معروف پر عمل کر کے عارف بن چکے ہوں گے اور منکر کی نہی کر کے قدم قدم پر دانشِ انسان کے طاغوتی بتوں کو ھو اللہ احد کہنے پر مجبور کرنے والے ہوں گے۔ جسے مشورہ کہتے ہیں وہ خفیہ نہیں ہوتا، بر سرِ عام ہوتا ہے۔ انسان اگر خلوت میں وہ بات نہ کرے جو جلوت میں کر سکے، چھپ کر وہ کام نہ کرے جو بر سرِ عام نہیں کر سکتا تو اس کے اور ولایت کے درمیان فاصلے از خود ختم ہو جاتے ہیں۔ عوام کو حقائق سے بے خبر رکھنا برہمن پن ہے۔ میکاولی کی سیاسی تربیت میں ہند دمت کے پورانوں کا بہت بڑا حصہ ہے، اگر آریہ ورت نے سودی لین دین کا رواج قائم نہ کیا ہوتا تو شاید مغرب کے نظامِ سرمایہ داری اور مابعد سوشلزم کمیونزم نے انسانوں کی معصومیت اور دانش وفراست کو یوں مجروح نہ کیا ہوتا کہ آج کا ہر انسان اپنے ہی ضمیر کے خون میں ہاتھ ڈبو رہا ہے۔ خلافت بندوں کی حاکمیت کی یک لفظی نفی ہے جو قطعی بھی ہے اور قاطع بھی۔ انسانی حاکم اور پتھر کے دیوتا میں صرف یہ فرق ہے کہ حاکم کا حکم تراشا ہوا پتھر ہے جسے قانون کہہ کر وہ انسانوں کی آزادی کو سنگسار کرتا ہے اور پتھر کا دیوتا وہ ہے جسے انسان خود تراشتے اور خریدتے ہیں۔ اور اس کے روبرو دوزانو دست بستہ بیٹھ کر اپنی خواہشات وضروریات کا اظہار کرتے ہیں۔ غور کریں تو مغربی

Marfat.com

جمہوریت اور آریائی بت پرستی میں کیا یہی فرق نہیں رہ جاتا کہ آریہ ورت نے عبادت کے لیے جو انداز اپنایا تھا افرنگ نے اسی کو سیاست میں اپنا کر ڈیموکریسی کا نام دے دیا۔ آئیڈیولیٹری نے ڈیموکریسی کا روپ دھار کر سیکولرازم کہلوانا شروع کر دیا اور بالآخر ہندو مت اور مغربی جمہوریت میں صرف مُردہ بتوں اور زندہ اصنام کا امتیاز باقی رہ گیا۔ دین سیاست سے الگ ہو جائے تو سیاست بُت پرست ہو جاتی ہے۔ یہ سب سیاسی گل آریہ دانشوروں کی "نمستے" کے کھلائے ہوئے ہیں۔ یہ سبھی کچھ آواگونی کثرت الوجود انسان کے فلسفہ کی دین ہے۔ اگرچہ غیر آریہ کرشن کی گیتا نے اس فلسفہ کا رُخ پھیرا مگر اس کی تعلیم بھی بُت گری و بت پرستی کی نذر ہو گئی۔ اکثریت کی بے راہ روی اور اقلیت کی بے بسی و گمراہی کے اس نظام کا مثبت علاج یہ ہے کہ ہم دو ٹوک فیصلہ کریں کہ ہمیں میکاولی نہیں زندہ ولی درکار ہے اور قرآن سے بڑھ کر کوئی زندہ و پائندہ ولی کائنات میں موجود و مؤثر نہیں جس کی ہدایت سیاست، اللہ کی حاکمیت، نظام خلافت، مشاورت، اتفاق رائے اور بیعت کے اصولوں پر مبنی ہے۔ امرھم شوریٰ بینھم کے حکم کی تحریف کر کے مغربی جمہوری اسمبلیوں کو مجالسِ مشاورت قرار دینا مندروں کی گھنٹیاں مسجدوں میں نصب کر لینے اور محرابوں پر نادان سجدوں کے نقوش اجاگر کر لینے کا عمل ہے۔ جہاں جملہ امورِ مملکت میں اوّل و آخر تمام نیک کردار شہریوں کا مشورہ عملاً و انفراداً، اتفاقیہ نہیں بلکہ "متفقہ" شامل نہ ہو وہاں اسلام کی سیاست رو بہ عمل نہیں۔ اگر یہ کہنا جرم ہے تو زمانہ اپنی صلیب کا نام بتائے کہ فقیر نے اپنا نام منصور رکھ لیا ہے۔ یہ دلیل لانا کہ یہ عملاً ممکن نہیں اپنی ناواقفیت اور اعتقادی کمزوری کا ثبوت لانا ہے۔ اے توانائی کے متلاشی زمانے! ایک توانائی قوتِ ایمان بھی ہے جو ناپید اور مفقود ہو جائے تو انسان کی ذات اس کے جسم سے شکست کھا جاتی ہے اور وہ تخریب و تشدد پر اُتر آتا ہے۔ ہم ان اوہام میں گرفتار

Marfat.com

ہو گئے ہیں کہ ہم بے دانش و دولتِ افرنگ زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ ہمارا قصور نہیں ہماری گزشتہ ڈیڑھ صدی کی تعلیم و تربیت اور بارہ صدیوں کی گمراہی کا فیض ہے۔ ہم خوگرِ سیاد ہو چکے ہیں۔ اور اپنے بال و پر سے ہمارا اعتماد اُٹھ گیا ہے۔ ذہنی گرفتاری سے آزاد ہونا آسان کام نہیں۔ انسان کو اپنی بُت شکنی کرنا پڑتی ہے۔ اپنے تصورات و تخیلاتِ مادہ زدہ کی نفی آسان ہوتی تو انسان پردۂ تہذیب میں اس غارت گری و آدم کُشی کو روا نہ رکھتا جو قرنوں سے برپا ہے۔ یہ بڑا جان جوکھوں کا کام ہے۔ ہم اس کیفیت سے آزاد ہو جائیں تو اسلام کا نظام سیاست مغربی جمہوریت سے کہیں زیادہ مثبت، سہل اور قابلِ عمل ہے۔ جس میں سہو نہ ہو وہی سہل ہوتا ہے بشرطیکہ اسے مصنوعی آرائش و زیبائش سے عاری و غیر مؤثر نہ کر دیا جائے۔ ہم اگر چاہیں تو آج بھی گاؤں سے لے کر مرکزی سطح تک سرِ عام مشورہ سے متفقہ طور پر مجالسِ مشاورت قائم کی جا سکتی ہیں۔ ہر سطح پر مشاورت سے متفقہ فیصلے کئے جا سکتے ہیں۔ ایک عام دیہاتی تک کے شعور کو اتنا پختہ بنایا جا سکتا ہے کہ چرواہے کو بھی عامل بنا دیا جائے تو وہ بھی تاریخ کو سنہرے باب عطا کر جائے۔ ان مجالسِ مشاورت کے ذریعہ معروف کو نافذ اور منکر کو مردود بنایا جا سکتا ہے۔ رشوت، بددیانتی، بے انصافی غرض کہ تمام تر معاشرتی عیوب کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔ نظامِ قیام صلوٰۃ یوں رائج کیا جا سکتا ہے کہ انعمت علیہم کا معاشرہ وجود میں آجائے۔ اہل الرائے کا متفقہ انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ امیر مملکت متفقہ طور پر چنے جا سکتے ہیں۔ جملہ امور پر متفقہ فیصلوں کا نظام نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولی الامر منکم کی۔ اور اگر اختلاف رائے واقع ہو جائے تو اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹ کر یک رائے ہو جانے کی عملی تصویر مبنی کی جا سکتی ہے۔ ایک ایسا نظام جو یہ تاثر پیدا کرے کہ امیرِ مملکت کو تمام قوم کی متفقہ حمایت حاصل ہے تمام مجالسِ

Marfat.com

شوریٰ میں معاشرہ کے فقط متقی اور دانشور شامل ہیں ، زمامِ کار اللہ اور رسولؐ کے پسندیدہ افراد کے ہاتھوں میں ہے ، ہر شخص اللہ کا خلیفہ اور شریکِ کارِ امورِ مملکت ہے ، یہ اعتماد ہی معاشرہ ، حکومت اور ریاست کا اصل سرمایہ ہوتا ہے ۔ اس سے عاری حکومت منافق نہ بھی ہو تو بھی منافقت پر مجبور ہو جایا کرتی ہے ۔ میکاولی سیاسی بوزنوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا واحد علاج خلافت و مشاورت کے نظام کا نفاذ ہے ۔ دیدۂ عبرت نگاہ ہو تو اپنے حالات دیکھو اور گوشِ نصیحت نیوش ہو تو فقیروں کی صدا سنو ، کہ بانگِ درا محلوں سے نہیں بلند ہوا کرتی ۔

Marfat.com

مری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زنّاری

غالبِ خستہ، کہ جس کے بغیر دنیا کا کوئی کام بند نہ تھا، نہ زمامِ کار اس کے ہاتھ میں تھی، نہ پاؤں اس کے رکاب میں تھے، نہ حاکمِ وقت تھا نہ سربراہِ مملکت وظیفہ خوار تھا، شاہ کو دعا دیتا تھا اور ماتم کناں تھا کہ نوکر ہو کر رہ گیا ہوں۔ عشق پیشہ تھا، محض حُسن پرست تھا۔ شاعر تھا مگر شاعری ذریعہ عزت نہ تھی۔ سَو پشت سے شیوۂ آبا سپہ گری تھا مگر ہر حسین نگاہ دل سے جگر تک اتر جاتی تھی۔ ہاتھ میں جنبش نہ رہی مگر تقاضا یہی رہا کہ ابھی ساغر و مینا میرے آگے رہنے دو۔ تاہم اُسے بھی یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ محبوب جس کے تصور میں رات دن پڑے رہنا اس کی سرشت تھی، اُس کے ہاں آئے تو رقیب کو ساتھ لے کر آئے اور مستِ مے آئے اور ایک ہم پارسا سیاست دان کہ زمامِ کارِ حیات ہماری فراست کی محتا[ج] کچھ شاہ، کچھ شاہ کے ہم رکاب، پلک جھپکیں تو قانون بدل جائے، ابرو پہ بل آئے تو قانون کی تشریح نئے لبادے اوڑھ لے۔ عوام کی فکر و ذہانت ہمارے رو برو راکع، اُن کا عمل ہمارے سامنے ساجد، پھر بھی ہم شید لئے اسلام متقا[ضی] ہیں کہ اسلام آئے تو ساتھ اپنے رقیب مغربی جمہوری نظام حکومت کو لے کر آئے اور سرمایہ دار بدمست کے جلو میں یوں آئے کہ غنچۂ نوشگفتہ ہمیں دکھا تا ر[ہے]

Marfat.com

اور عارضِ گلگوں سرمایہ دار کے تصرّف میں رہیں۔ بہتّر حوروں کے تصوّر کی ہر منبر پر صلیب نصب پاکر جو اسلام الامان والحفیظ پکارتا تلاشِ ایزدی میں سرگرداں تھا، ہم سیاست دانوں نے نہایت پرکاری سے تہتّر کے آئین کے ہتھے چڑھا دیا اور ذوقِ جراحت میں ہم نے جس طرح مجروح کیا وہ محتاجِ بیان ہے بھی تو تابِ بیاں کہاں سے لائیں کہ کوڑوں کی مار سے تسبیحوں کی مار کہیں زیادہ کرب ناک ہوتی ہے، ملک بدر ہونے سے دین بدر ہونا زیادہ تکلیف دہ و صبر آزما ہے۔ تلوار کا کاٹا تو ہو سکتا ہے کچھ دیر سسک لے، عطر آلود موئے ریش کا کاٹا تو پانی بھی نہیں مانگتا۔ گھر سے نکالا ہوا تو شاید پسِ دیوار گزر کر لے، راندۂ درگاہِ پیشوائیت کو کوئے یار میں تو کجا، قبرستانِ رقیباں میں بھی گوشۂ عافیت ملے کہ نہ ملے۔ دنیوی حاکم تو جینا ہی حرام کرتے ہیں، از خود ساختہ کلید بردارانِ جنت ناخوش ہو جائیں تو موت کو بھی حرام قرار دے دیتے ہیں۔ زندگی حرام ہو جانے سے جنازے کا حرام ہو جانا تو ہر کسی کو تسلیم ہے۔ زیادہ تکلیف دہ ہے، اپنے لئے بھی اور پس ماندگان کے لئے بھی۔ خُدا کی حاکمیت اور بندگانِ ناخدا کی حاکمیت اور وہ بھی ناخدایانِ سرمایہ کی، اتنی ہی غیر مشترک ہیں۔ جتنا کہ توحید و شرک ..... عطر و شراب کی پیدا کردہ فضائیں بھی مختلف ہوتی ہیں، عمل بھی اور ردّ عمل بھی۔ شب برات کی روشنیاں اور دیوالی کے دیئے کتنے متضاد افعال و اعمال کے محرک ہوتے ہیں۔ بخشش و نجات دونوں میں مانگی جاتی ہے۔ ایک میں رجوع و خشوع و سجدہ کے ذریعہ اور دوسری میں جوئے اور بُت پرستی کی طفیل۔ عید اور بیساکھی دونوں خوشی کے تہوار ہیں، دونوں میں رقصِ روح و جسم کے زلزلہ کا فرق ہے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین پر اصرار شب برات و دیوالی، روزِ عید و بیساکھی بیک وقت منانے کے تقاضا کے مترادف ہے۔ جیسے کوئی دین دار مُصر ہو کر دورانِ سجدہ سبحان ربی الاعلیٰ نہیں پکاروں گا۔

Marfat.com

فرطِ عبادت میں "ہے جمالو" للکار" مینوں نچ کے یار مناون دے" برپا کرکے
حرفِ محبت نہ ترکی ہے نہ تازی اور اگرچہ ہم سب غازی ہیں مگر معرکہ حیات میں
حیات طلب غازیوں کے فیض سے دل نہ تیرا مسلمان ہے نہ میرا۔ دارِ منصور دکھاؤ
یا فتاویٔ منشور۔ مگر حرم آشنا دَیربان دانشور سیاست دانو! ، مستقبل کے
مقدر میں جو کچھ بھی لکھا ہو، فقیر یہ صدائے انتباہ لگاتا ہی رہے گا کہ اگر وطن عزیز
اسے تم نے اقتصادی آزادی کے لئے حاصل کیا ہو، یا تحمیل ایمان کے لئے، یہ
معاشی تقاضوں کا ماحصل ہو یا ذوقِ اطاعت الٰہی کا، مغربی جمہوری نظامِ حکومت
کو روا رکھا گیا۔ اور قیامِ حکومت یا انتقالِ اقتدار کیلئے مغربی جمہوری طریق انتخاب کو
اپنایا گیا تو ہم جن کی دانش افرنگی اور ایمان زناری ہے، ایک مکروہ عذاب کو اپنے
اذہان وقلوب واجسام پر طاری کرلیں گے اور جان لو! کہ صوبہ صوبہ، قریہ قریہ سقوط
طاری ہوجائے گا۔ پہلے ہم سکڑ گئے تھے اب ہم بکھر بھی جائیں گے اور بگڑ بھی جائیں
گے۔ اسلام، مغربی جمہوریت اور سوشلزم کے بیک وقت علمبردار جو بظاہر بنیادی
انسانی حقوق کی بحالی کے "بھنڈڑانوالے" بنے ہوئے ہیں، انسان ہی نہیں انسانیت
بھی گنوا بیٹھیں گے۔ اگر کسی نے قرآن پاک کی سورۃ الشوریٰ کا مطالعہ کیا ہے اور
اس کی صداقت، افادیت اور انفردیت پر ایمان بھی ہے تو انکار ممکن نہیں ہو گا
کہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرع دین وآئین مقرر کر رکھی ہے کہ اللہ کی حاکمیت اور اس ہی
کی اطاعت کا نظام قائم کیا جائے۔ گروہ بندی ہرگز نہ ہو، اختلافات کو ختم کیا
جائے اور یک رائے و یکسو ہونے کے لئے ہدایت وراہ نمائی حاصل کرنے کے لئے
اللہ ہی کی طرف لوٹا جائے۔ اقامتِ دین وآئینِ اسلام، حاکمیتِ الٰہی، انسانی
اطاعت الٰہی جن لوگوں پر گراں گزرے، جو اس سے گریز کریں، اس سے فرار حاصل
کرنے کی راہ نکالیں، وہ مشرک ہیں۔ اور مشرک تو پھر وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ

Marfat.com

کی حاکمیت کے مسلّم ہونے کے باوجود حیلوں بہانوں سے اپنی حاکمیت قائم کر لیتے ہیں۔ کیا یہ لمحہ فکریہ نہیں کہ ہمارا دین تمام انسانیت کے فکری اختلافات ختم کرنے کا داعی ہے اور ہم ہیں کہ دین میں ہی تفرقات برپا کرنے کا باعث بن گئے۔ بلکہ صدیوں سے بنے ہوئے ہیں۔ خود برصغیر میں گزشتہ صدی میں ہم نے کتنے دینی فرقے وضع کر ڈالے۔ ہم بُت شکنوں نے مندروں کے تمام بُت اپنے اذہان میں سجا لئے اور اسلام سچا ہے کی بجائے ہم نے "ہم صادق ہیں" کی جنگ شروع کر دی۔ انسان جب عقل و دانش و ایمانِ خدا کے سوتوں اور سرچشموں سے بے پروا ہو کر قرآن لاریب سے علم کے حصول کے لئے بھی ایمان بالغیب کی بجائے تشکیک کو بنائے تحقیق و حصولِ علم قرار دے لیتا ہے تو پھر یہ طالب علم جو علم حاصل کر پاتا ہے وہ حسد اور ضد آلود دلیلوں کے غلاف میں لپٹا رہتا ہے اور ایسے ہی علم کی کوکھ سے تفرقہ بازی جنم لیتی ہے۔ مومن اگر یہ حقیقت فراموش کر دے کہ قرآن پاک ایک ایسی واحد کتاب ہے جس میں بیان کردہ علم اور اس علم کی تحقیق و حصول کی بنیاد تشکیک پر نہیں ہے، عجب کہ دنیا کے تمام علوم کی عمارت تشکیک کی بنیادوں پر استوار ہے اور مزید استوار ہو رہی ہے۔ سچائی کی تلاش اور قطعی سچائی جان جانا مختلف کیفیتیں ہیں، جویائے راہ ہونا مگر ناآشنائے منزل ہونا اور دانائے منزل ہونا اور پھر دانائے راہ ہو کر سرگرم سفر ہونا نہ ایک سی صورت حال ہے نہ ایک سی کیفیت۔ بھٹکے ہوئے راہی اگر ایک دوسرے سے منزل و راہِ منزل دریافت کر رہے ہوں تو انہیں طالب علم تو شاید کہا جا سکتا ہو، عالم و آگاہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ خدائی صفات و دانش اور انسانی عقل و عمل میں مماثلت و متشابہات تلاش کرتے رہنے کا عمل نہ دیانت دارانہ ہے نہ صحیح ہے۔ کاش انسان قائل ہو جاتا کہ اُم القریٰ میں اُمّ الکتاب کا اُمّ اللسان میں ایک اُمّی پر نازل کرنا دانشِ

Marfat.com

خداوندی کا مظہر ہے اور یہ عمل اپنی تشریح کے لئے عقل انسانی کا محتاج نہیں، تو یہ امر واضح ہو جاتا کہ سب سے بہتر عمل نیکی و بدی، اچھائی و برائی کا میزان و معیار احکام الٰہی کو بنانا ہے۔ امورِ حیات و ریاست میں لوگوں کی خواہشات و حرص و آز نفسیاتی کو راہ نما بنانا یا اس کی پیروی کرنا اور اس کے زیر نظر آئین و قوانین و رسوم و رواجات وضع کرنا گھاس پھوس کی جھونپڑی میں سردی سے بچنے کے لئے تیز تند لو کی آگ دہکانے کا سا عمل ہے۔ اللہ کے عمل اور انسانی فعل میں فرق شاید اس امر پر غور کرنے سے واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی تقسیم جنسی طور پر کرتے ہیں تو خلقت بڑھتی ہے، مجتمع ہوتی ہے۔ انسان جماعت بناتا ہے تو خلقت تقسیم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رزق کی تقسیم میں کمی بیشی اور انسانوں کے حصول رزق میں کمی بیشی پیدا کر دینے کے طریقوں اور نتائج میں کتنا بڑا فرق ہے۔ کیا اتنا ہی نہیں جتنا تعمیر و تخریب میں ہوتا ہے۔ سورۃ الشوریٰ کے مطابق ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اللہ کے سوا کسی اور کی حاکمیت قائم کر رکھی ہے، ملائکہ تک پریشان رہتے اور ان کی ہدایت و مغفرت کے متمنّی رہتے ہیں۔ لیکن ہماری اسلامی فراست اس حد تک مفقود ہو چکی ہے کہ ہم مغربی جمہوری سیکولر سرمایہ دارانہ نظام کے لئے ہلکان ہو رہے ہیں۔ بہت ہی مجبوری ہو تو مغربی سیکولرزم یعنی "حکومت مذہب سے فاصلے پر رہے" کے اصول کو اکبر کے دین الٰہی کے اصول میں یعنی "حکومت ہر مذہب سے قریب ترین برابر فاصلے پر رہے" مدغم کر کے آئین وضع کر لیتے ہیں۔ حالانکہ صراطِ مستقیم کی ایک تعریف یہ بھی قرآن میں درج ہے کہ انسان اپنی فکر میں اس ایمان کو سرفہرست رکھے، راہ نما بنائے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، ہر شے پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت ہے اور ہمہ وقت ذہن نشین رکھے کہ تمام امور کا اس کی طرف لوٹ جانا اور لوٹایا جانا آئین اسلام کی اساس ہے۔ امور کی فکری ابتداء و انتہا پر اسی حقیقت کو قادر رکھے اور یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

قرآن پاک کو انسانوں کے لئے نور بنایا تاکہ اس کی روشنی میں وہ یہ جان سکیں کہ صراط مستقیم کیا ہے۔ اور ان انسانوں کے لئے نور بنایا جو نہیں جانتے تھے کہ اللہ کے آئین و دستور میں کیا درج ہے اور اس کی کتاب آئین و دستور کے ضمنات کیا ہیں، صراط مستقیم معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسانی عقل کی پیدا کردہ دلیل وحجت لانے کی بجائے اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس کے احکام کی تلاش کی جائے۔ کہ اللہ کے احکام حق بھی ہیں اور متوازن بھی اور یہی احکام نیکی اور برائی میں امتیاز کا معیار ہیں۔ انسانی عقل و علم و دانش پر وضع کئے گئے تمام آئین و قوانین قرآن پاک میں احکام الٰہی کے نزول کے ساتھ ہی کالعدم وغیر قانونی ہو گئے اور اس کے بعد انسان اگر اپنی عقل و دانش سے یا اپنی مادی خواہشات ورجحانات وضروریات کی تکمیل کے لئے کوئی آئین یا قانون وضع کرے گا یا جاری رکھے گا تو غیر اسلامی فعل ہوگا۔ سورۃ الشوریٰ کے مطابق ہی جس آئین کی منزل اُخروی زندگی ہے، اس کا ماحصل مقدار میں بھی زیادہ ہے اور فوائد میں بھی اور جس آئین کی منزل دنیوی زندگی ہے، اُس کا دنیا میں کچھ فائدہ تو حاصل ہوگا مگر اُخروی زندگی میں اس پر عمل کرنے والوں کے حصے میں کچھ نہیں ہوگا۔ انسان خود فیصلہ کرلیں کہ مختصر عرصہ کے لئے معمولی فائدے اور مستقل محرومی میں انہیں کوئی احساسِ امتیاز حاصل ہے یا نہیں۔ میں حقیر انسان رعب نہیں ڈال رہا۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے شرعِ حکومت کے علاوہ کوئی اور شرعِ آئین وقانون نافذ کرنا بالآخر عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ یہ جن کی تقلید میں آج کا سیاست دان فراستی مجنون ہوگیا ہے، وہ کس قلبی کرب میں مبتلا ہیں، کاش جانا ہوتا تو عذاب الٰہی کے نرالے انداز سمجھ میں آگئے ہوتے۔ غارت گری و آدم کشی کے آلات ایجاد کرکے بظاہر سپر طاقت بن بیٹھنا، مگر ان ہی ایجادات کے خوف سے ہمہ وقت لرزاں

Marfat.com

رہنا کیا عذاب کی ایک صورت نہیں ہے۔ کیا یہ ایسا ہی نہیں ہے جیسے جننے والی نے سانپ جن لیا ہو۔ انسان ساختہ آئین و قوانین کا یہ مقدر ہوتا ہے کہ انسان اپنی آئینی وقانونی ایجادات سے خوف زدہ رہتا ہے۔ انسان جس قسم کی زندگی کا قلبی طور پر متمنی ہے، وہ فقط شرعِ الٰہی کے نفاذ سے ہی ممکن ہے۔ اسی سورۃ میں یہ نوید ہے کہ آئین اسلام کے نفاذ سے راعی اور رعایا میں فرداً اور افرادِ معاشرہ میں وہ محبت پیدا ہوتی ہے جو قرابت داروں، عزیزوں اور خونی رشتہ داروں میں ہوتی ہے۔ گویا سبھی ایک ہی خاندان کے فرد بن جاتے ہیں۔ اے لوگو! اے حاکمو! سنو! غور کرو۔ اللہ تعالیٰ ایک نرالی بات کہہ رہے ہیں۔ انسانی وسائل کا انسانی ضرورتوں سے زائد ہو جانا بغاوت کا باعث ہوتا ہے۔ اگرچہ تاریخ آج تک یہی لکھتی رہی ہے کہ انسانی وسائل کا انسانی ضرورتوں سے کم ہو جانا انسانوں کو بغاوت پر آمادہ کرتا ہے۔ اے لوگو! اے حاکمو! اپنا اندازِ نگاہ بدلو تاکہ بغاوت کے سرچشمے تمہیں نظر آ سکیں۔ اے انسانی آئین سازو! آسمانوں اور زمین پر جاندار مخلوق کو ایک روز اکٹھا ہونا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آئین و احکامِ الٰہی کے نفاذ کے ذریعہ انسان یوں اکٹھا رہنے کی اہلیت حاصل کر لیں۔ اے نوعِ انسان! تیری تمام مصیبتوں کا باعث تیرے انسان ساختہ آئین و قوانین ہیں۔ انسانوں کے لئے قانونِ فطرت کو شکست دینا ممکن نہیں۔ اس لئے عافیت اسی میں ہے کہ وہ اپنی دنیوی عقل کی مدد سے آئین و قانون سازی اور ضابطہ حیات وضع کرنے سے باز ممنوع رہیں کہ یہ کاوش لاحاصل بھی ہے اور دعوتِ عذاب بھی۔ شرعِ الٰہی کی مثال سطحِ سمندر پر پہاڑوں کی طرح بلند جہازوں کی سی ہے جن کو متحرک رکھنے کے لئے اللہ ہوا کو اپنے حکم کے تابع رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا نظام انسانی معاشرہ میں ساقط ہو جائے تو دیگر احکامات نافذ کرنے والوں کو ان کی اپنی اختیار کردہ شرع

Marfat.com

ہی برباد کر دیتی ہے، حکومتیں اپنے ہی احکامات کی وجہ سے برباد ہوتی چلی آئی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ جو لوگ احکام الٰہی کو نافذ نہیں کرتے، ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوتی۔ شرعِ مملکتِ اسلام کے بنیادی اصول ہیں، گناہ ہائے کبیرہ اور فحاشی سے اجتناب کرنا، غصّہ کو غالب نہ آنے دینا، معاف کر دینا، اپنے رب کے ساتھ استجاب رکھنا۔ قیامِ صلوٰۃ کرنا، مشاورت کرنا، جو کچھ اللہ نے عطا کیا ہے، خلقِ خدا کے لئے استعمال وخرچ کرنا، اہلیتوں کو اور ان سے جو کچھ حاصل ہو عوام الناس کے لئے کھلا رکھنا، اگر کوئی زیادتی کرے تو دفاع کرنا، ظلم و زیادتی ہو تو فقط اسی کے مطابق سزا دینا۔ مگر اصلاح احوال کا باعث ہو تو معاف کر دینا۔ ظلم و بغاوت پھیلانے پر سخت سزا دینا مگر عزم امور کے لئے صبر کرنا اور معاف کر دینا۔ یہ اصول سورۃ الشوریٰ میں ہی درج ہیں۔ یہ سبھی کچھ وارد نہ ہو تو نظامِ خلافت وارد نہیں ہوتا۔ صرف امرھم شوریٰ بینھم کا ذکر کر کے اسی سورۃ میں مندرج باقی احکاماتِ الٰہی کو فراموش کر دینا اور مغربی جمہوری نظام کے حق میں دلیل لانا قرآن پر ایمان رکھنے والوں کو تو زیب نہیں دینا چاہیئے۔ جو لوگ یہ طریق کار اختیار نہیں کریں گے، وہ اپنے کئے پر، اپنے آئین و قوانین و احکام پر ایک دن پشیمان ہوں گے مگر جائے رفتن نہ ہوگی۔ وہ اپنے لئے خود ایک ایسی آگ دہکا لیں گے کہ لاچار و مجبور ہو کر، نہیں معذور ہو کر آنکھیں جھکائے، گردنیں نیہوڑائے کھڑے ہوں گے اور ان کی کیفیت اس آدمی کی سی ہوگی جس پر جرم ثابت ہو گیا ہو اور ابھی سزا سنائی جانے والی ہو۔ وہ اپنے آپ کو ایسے خسارہ میں محسوس کریں گے جیسے کسی نے خود اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو تباہ و برباد کر لیا ہو۔ ہر انسان پر، ہر سیاست دان پر، ہر حکمران پر یہ واضح رہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو منصب راہ نمائی زیبا نہیں۔ جسے شوق قیادت ہو وہ اللہ کی راہ نمائی قبول کرے، اس کی اطاعت اختیار کرے۔ اللہ کے

Marfat.com

سوا دیگران کو راہ نما بنانے والوں کی کیفیت اس مجرم کی سی ہو گی جو نہ جرم سے انکار کر سکے، نہ سزا سے بچ سکے۔ انسانوں کو خوشی عطا کرنے کا منبع اللہ کا رحم و کرم ہے۔ اور غم اور دکھ ان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ان کا مقدر بن جاتے ہیں۔ اور انسان کی ایک اور بڑی غلطی یہ بھی ہے کہ جب اس کے اعمال کی وجہ سے اُسے دکھ آلے تو عمداً ناشکرا ہو جاتا ہے۔ آئین و قانون سازی اور اپنی عقل و دانش، ہوشیاری اور چالاکی پر بھروسے کی سزا کھانے لوگ تو ہم اپنی مختصر تاریخ میں بھی دیکھ چکے ہیں۔ کیا ہم میں عبرت کی توفیق بھی نہیں رہی کہ پھر اسی گناہ کے اعادہ کا تقاضا کر رہے ہیں۔ آؤ التجا کریں۔

؎ تو اے مولائے یثربؐ آپ میری چارہ سازی کر
میری دانش ہے افرنگی، مرا ایماں ہے زناری

Marfat.com

ایک بجٹ، دو چھٹیاں!
کوئی بتلاؤ، کہ ہم بتلائیں کیا

صاحبو! اس ایک بجٹ اور دو چھٹیوں نے، مجھ بچوں کے باپ اور ان ہی بچوں کی ماں کے مابین تنازعہ کھڑا کر دیا۔ لوگوں کے بھگوان روٹھتے ہیں مجھ کرموں ہارے کی بھاگوان روٹھ گئیں۔ وہ بڑے انہماک سے بجٹ تقریر سُن رہی تھیں۔ میری طلب سے چائے کی مانگ یہ کہہ کر سرزد ہو گئی کہ چھوڑو بھی، کارِ خُسرواں خُسرانِ خُسروان۔ سرکاری حساب کتاب کی بات ہے، میزان مارنے کے یہ طریقے اور سلیقے آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ وہ چمکیں، بجٹ تقریر تو میں خوب سمجھ رہی ہوں۔ آپ فرمائیے۔ یہ کارِ خُسرواں خسرانِ خسرواں اور دانست سے کیا مراد ہے۔ یہ بات آسان زبان میں کیوں بیان نہیں ہوئی۔ میں نے کہا، الفاظ کی بچت کے لئے۔ بولیں، یہ بجٹ بھی بچت کے لئے ہے بلکہ بچاؤ کے لئے بھی، میں نے کہا وہ کیسے۔ بولیں! بڑے دعوے ہیں لوگوں کو زبان دانی کے، اور یہ بھی نہیں معلوم کہ عربی زبان میں، یعنی خدائی زبان میں "ٹ" نہیں ہوتی۔ اس لئے ہر بجٹ عربی تلفظ میں بجت ہی ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔ قطعِ نظر اس امر کے کہ حرف "ٹ" مذکر ہوتا ہے یا مؤنث، بھلا بجٹ کو اُردو میں کیا کہتے ہیں۔ بس بھڑک اٹھیں۔ وہی کہتے ہوں گے جو لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکے۔ سُنتے نہیں، سود ختم ہو رہا ہے رزقِ حلال کی ضمانت دی جا رہی ہے۔ صدیوں کا نظام بدل رہا ہے۔ وہ کیا جا رہا ہے

Marfat.com

جو بڑے بڑے دانشور سیاست دانوں سے نہ ہو سکا۔ ثابت ہو رہا ہے کہ ملّا کی اذاں اور ہے مجاہد کی اذاں اور۔ انہیں چائے کی پڑی ہوئی ہے ماسجیت کیا خاک کروں میں۔ سو کا نوٹ ہاتھ میں لو تو یوں اُڑ جاتا ہے جیسے جنگلی طوطا ہاتھ سے اُڑ جائے۔ میں نے کہا، آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ ہاتھوں سے طوطے اُڑنے اور ہاتھوں کے طوطے اُڑنے میں کیا فرق ہے۔ آپ کو کیا معلوم میزانیہ کے آمد و خرچ کے حسابات میں طوطے چوری کس ہوشیاری سے چونچتے ہیں۔ بیگم چیخ اٹھیں۔ یہ میزانیہ کیا ہوتا ہے۔ میں نے کہا، وہی جو آپ سن رہی ہیں۔ اور جو کسی بھی سیاست دان کو صرف اس لئے پسند نہیں آئے گا کہ یہ نامزد وزیر خزانہ سنا رہے ہیں۔ صبح اخباروں میں دیکھ لینا۔ وہ بین میخ نکلی ہوگی کہ ہر سیاسی پھاڑ، بین کرو گی کہ ہائے میرے ملک کا اب کیا ہوگا اور وزیر خزانہ درونِ دروطے خانہ" ماتھا ٹھنکا رہے ہوں گے کہ ان مریضوں کا کیا علاج کریں کہ زبانِ من ترکی، او ریمار من ترکی نا آشنا، ملکی ترقی کے رموز سے نابلد، حساب دانی سے نا آشنا، لفظی جمع خرچ کے رسیا، ہندسی ضرب و تقسیم سے عاری۔ یہ تعصب زدہ نقاد، قنوطی رقیبانِ اقتدار۔ نہ ٹھکانے لگیں، نہ ٹھکانے کی کہیں۔ خیر چھوڑیئے۔ جواب جاہلاں باشد خاموشی۔ چائے لائیے .... کیا کہا؟ مجھے جاہل کہا ان سفید بالوں کے ساتھ، یہ نہ دھوپ میں سفید ہوئے ہیں، نہ آپ کے سائے میں۔ پچپن سال مغز مارا ہے میں نے۔ وہ غرائیں۔ اور جو گزشتہ چالیس سال سے چاٹ رہی ہیں آپ۔ وہ بھی میزانیۂ حیات کا لازمی جز ہے .... بات بڑھ گئی کہ بغرضِ توانائی ایندھن کے بھاؤ بڑھ جانے کا اعلان ہوا۔ بڑبڑائیں۔ اب کیا ہوگا۔ گاڑی کیسے چلے گی.... میں نے کہا۔ اب اس پر ڈیڑھ من سے زیادہ وزنی سواری نہیں لادی جائے گی..... قد پر بھی قید لگ جائے لگے ہاتھوں۔ یہ سب اخراجات میری ہی وجہ سے بڑھ رہے ہیں۔ میں گھر کی گاڑی کی بات کر رہی ہوں۔ وہ آبدیدہ ہونے کو تھیں کہ میں سنجیدہ ہو گیا۔ وہ چائے لے آئیں اور

Marfat.com

ہم نے اپنے گھر کے بجٹ کو متوازن کرنے کے لئے جو سازشیں کیں، وہ ہماری گھریلو ریاست کے "سٹیٹ سیکرٹ" ہیں جو بچوں کے پوچھنے یا بتانے کے نہیں۔ دورانِ گفتگو انہوں نے نشان دہی کی کہ میری سیاست نے میری فکر کو منفی کر دیا ہے۔ میں اپنی اصلاح کروں ورنہ محض اصطلاح بن کر رہ جاؤں گا۔ اور کچھ نہ کچھ لگائے بغیر گھر نہیں چلے گا، خواہ دفعہ ۱۴۴ ہو۔ کرفیو ہو یا اس سے بھی بڑھ کر کچھ اور۔ میں نے بھی سمجھایا کہ اس بجٹ پر اور آئندہ بجٹ پر بھی جو تنقید ہوگی وہ صرف اس لئے ہوگی کہ بغضِ سیاست اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ جو بجٹ بنائے وہ سنائے بھی۔ دورِ سیاست بھی ہوتا تو بھی بجٹ وہی بناتا جو آج سُنا رہا ہے اور سناتا وہ جس کو آپ کی طرح میزانیہ کے معنی بھی معلوم نہ ہوتے۔ جھگڑا صرف ٹیلیوژن پر اتنی دیر تصویر آنے کا ہے۔ دیکھ لینا چند دن بعد کوئی صوبائی بجٹ نشر کرے گا۔ اگر وہ یکے از میدانِ سیاست ہوگا تو کوئی تنقید نہیں ہوگی۔ روزے لوگ خاموشی کے بھی رکھ لیتے ہیں۔ کوئی عیدی دینے والا چاہیئے...... سمجھایا کہ یہ جو اربوں کا خسارہ ہے ہلکان نہ ہوں، عربوں کا خسارہ نہیں ہے، اپنا ہی ہے۔ پورا ہو جائے گا۔ گرانی بڑھی ہے تو بہت کچھ گھاٹے میں بھی گیا ہے۔ آخر ملک چلانا ہے۔ کسی منّے نے چابی والی گاڑی نہیں چلانی۔ اس امر کو قابلِ ستائش جانو کہ اقتصادی نظام بدل رہا ہے آج اگر سود اور ربٰو میں فرق نہ جانے بغیر کوئی غیر سود مند بجٹ تجویز بھی ہو گیا ہو، اگرچہ بظاہر ایسا نہیں ہے۔ تو بے سود جھگڑنے میں فائدہ۔ رُخ بدلا ہے تو راہ بھی بدل جائے گی۔ اور ربٰو کے حرام قرار دیئے جانے کے بعد اسے عملاً حلال قرار دینے کے لئے زمانۂ گزشتہ میں جو توجیہات و توضیحات وضع کی گئیں، اجرت، منافع، شرکت کے پردہ میں جو اقتصادی دلواریں اللہ کے موعودہ فضل کی شاہراہوں پر کھڑی کر دی گئیں، واضح ہونے لگیں گی اور ہم انہیں پھلانگنے کی بجائے توڑنے کے طریقے بھی ڈھونڈ

Marfat.com

نکالیں گے۔ تشکر ہے کہ مغربی صنم خانوں میں ترشے ہوئے پاسبان ایمان تولانے لگے۔
چونکہ واقفِ رازِ درونِ میخانہ ہیں اس لئے شراب نہ بدلنے اور فقط جام بدلنے کی ہوشیاری سے بھی بآسانی آگاہ ہوجائیں گے۔ قرآن پڑھنے لگے ہیں تو قرآن کا وارد ہونا بھی شاید دور نہ ہو۔ جلی کٹی سنانے کے لئے اس بجٹ کو بیوروکریسی کا بجٹ بھی کہہ دیا جائے گا، جیسے بعض ماڈل میں ساس بیدار ہوجاتی ہے تو وہ اپنی تخلیق کو زن مرید کہنا شروع کردیتی ہیں۔ مادر زاد کا زن مرید ہوجانا ایسے ہی ہے جیسے اللہ کی تخلیق پر بندوں کی حاکمیت قائم کردی جائے۔ جیسے بیمار ساس بڑی طعن پرست ہوتی ہے، اسی طرح بیمار سیاست بڑی طنز نواز ہوتی ہے۔ ورنہ کسے نہیں معلوم کہ ڈیموکریسی میں بھی بجٹ بیوروکریسی کا تیار کردہ ہی ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ بیوروکریسی پری اصل میں ڈیموکریسی ہی کا جزء ہے۔ سمجھایا، کہ یہ بجٹ خوف زدہ ہے احتیاطوں کا ڈسا ہوا ہے۔ اس میں خامیاں اس کی مصلحت بینی کی وجہ سے ہیں۔ یہ بجٹ اگر دو ٹوک، بے خوف و بے باک ہوتا تو مزید تعمیری ہوتا۔ تعمیرِ نو کے لئے عمارت گرانا ہو تو دریغ ضیاع وقت ہی نہیں، کوتاہ اندیشی بھی ہے۔ دیکھو نا! اگر میں بے دھڑک جائے نہ مانگتا اور آپ کو دکھا کر زبان ہونٹوں پر پھیرتا، ماتھے کو دباتا تو شاید آپ اب تک مجھے لٹا کر میرے کانوں میں بادام روغن ڈال چکی ہوتیں۔ کسی بھی چیز کو پورے کینوس پر نہ دیکھنا اور جزئیات پر تنقید کرتے رہنا اس آدمی کا سا عمل ہے جو مور کو پاؤں پر نظر ڈالے روتا دیکھ کر خود بھی رونا شروع کردے یا پوس ماگھ کی شدید سردی میں لحاف اوڑھے گا رہا ہو" ساون آیا، تم نہیں آئے"، میں نے سمجھایا۔ یہ بیوروکریسی کا بھی نہیں ٹیکنوکریسی کا بجٹ ہے۔ صوبوں کا نہیں، منصوبوں کا بجٹ ہے۔ ہر صوبے کو یہ سمجھانے کا بجٹ ہے کہ اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغِ زندگی۔ تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن۔ بلکہ

Marfat.com

اس تلقین کو مدّنظر نہیں رکھا گیا کہ من کی دنیا میں افرنگی کا راج نہیں ہوتا اور بڑی دنیا میں شیخ و برہمن بھی پائے جاتے ہیں۔ آج کے دن چولہوں کی لَو نیچی رکھو کہ کل کی شب چراغ بھی جلانا ہیں...... نہ معلوم انہیں کیا سوجھی کہ ہاتھوں پر دوپٹہ پھیلائے دعا کرنے لگیں۔ اے اللہ۔ اے غلام اسحٰق۔ اللہ کرے تیرے بچوں کی خیر ہو۔ تیرے بجٹ کی طفیل انہیں اتنی باتیں سنانے کا وقت تو ملا۔ اے اللہ اس بجٹ کے صدقے انہیں آسان لکھنے اور بے طرح بولنے کی توفیق دے۔ میں نے کہا۔ کہو "رب اشرح لی صدری" ملا کہنے لگیں، بجٹ صدر نے نہیں وزیر خزانہ نے دیا ہے۔ میں نے کہا منظور تو صدر نے ہی کیا ہے۔ بولیں! منظوری چھوڑیئے۔ منظور تو ایک صدر نے بنگلہ دیش کو بھی کرلیا تھا۔ اب میں نے ہاتھ اُٹھالئے اور دعا کی۔ اللہ تعالیٰ تو نے انہیں سفید بال دیئے ہیں تو گفتگو میں ربط و ضبط بھی عطا فرما۔ یا اللہ کالا کولا مزید مہنگا کر دے کہ خلقِ خدا بڑے دھوکے دے رہی ہے یا بڑے دھوکے کھا رہی ہے۔ یا اللہ کوکا کولا اور سیون اپ کو نابود فرما یا لوگوں کا ذوقِ مہمانداری ختم کر۔ اے قادر و کریم مرغی بھیڑیں سستی فرما یا مرغیوں کی جنس ختم کر دے۔ جو لوگ دال روٹی کے بہانے مرغ روسٹ کھائے جا رہے ہیں ان کو سیدھا راستہ دکھا۔ یا اللہ جُوتے سستے فرما۔ درزی کو اپنے بل پر نظر ثانی کی توفیق عطا فرما۔ پرائیویٹ سکولوں کی فیس کم فرما۔ یا اللہ کپڑے کی اتنی ملیں لگوا دے کہ ڈھیروں کپڑا پڑا ہو اور بکنے نہ پائے۔ اے غفور رحیم کاریگروں کی اجرت اور مزدوروں کی مزدوری کم فرما۔ سگریٹ ارزاں فرما۔ پانی کو دودھ رنگ بنا دے۔ مولائے کریم درسی کتابوں کے بغیر بچوں کو تعلیم دلانے کا کوئی ذریعہ بتا۔ یا اللہ طالب علموں کو ترانے بھڑکانے کی نہیں تعلیم حاصل کرنے کی توفیق دے۔

اے غفور الرحیم ناجائز اسلحہ غرق فرما۔ میرے مولا پرائیویٹ ٹیوشن فیس کم فرما۔ یا اللہ مسلمانوں کو فرقہ بندی سے نجات دلا...... انہوں نے میرے خشوع کا ستیاناس

Marfat.com

کردیا۔ بولیں، بس بس بہت ربط وضبط کا مظاہرہ ہوچکا۔ ایک ہی دعا کیوں نہیں مانگ لیتے کہ میرے اللہ مجھے میرے سنکی پن سے نجات دے۔ پھر بولیں۔ اللہ آپ کو شفا دے کہ مجھے سیاہ دوپٹہ پہننا ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ بتائیے آپ کو صحافی کی مونث آتی ہے ...... وہ سکول ٹیچر کی طرح میرے چہرے کو دیکھ رہی تھیں اور میں بغلیں جھانک رہا تھا۔ خفت مٹانے کو میں نے کہا۔ لفظ صدر کی بھی کوئی مؤنث نہیں ہوتی۔ ہائے اللہ! صحافیات کو یہ سوال صدر سے پوچھ لینا چاہیئے تھا۔ میں نے کہا۔ خانۂ عقل سے جراب اُتر گئی ہوگی ...... کیا مطلب ؟ ..... اور سن لو! بجبٹ تقریر، رہی سہی بھی گئی۔ دنیا صدیوں سے کہتی آئی ہے، مؤنثین کی عقل ٹخنہ میں ہوتی ہے اور اسی لئے شاید عورت کو ٹخنہ ڈھانپے رکھنے کا بھی حکم ہے ...... بولیں۔ چلو کہیں ہوتی تو ہے۔ مردوں کی طرح اس حد تک عاری بھی نہیں ہیں عورتیں کہ عورت کو ماں بھی کہتے ہیں اور کم عقل بھی۔ حکومت نے دو چھٹیاں اس لئے کردی ہیں کہ بے چارے عورتوں سے ہفتہ وار عقل سیکھ لیا کریں۔ یقیناً صحبت صالح ترا صالح کند پیش نظر ہوگا۔ متواتر ۴۸ گھنٹے کی قربت سے بچوں سے واقفیت میں اضافہ بھی ہوگا۔ کم ازکم دو دن تو دفتری لباس دھونے اور استری کرنے سے جان چھوٹے گی۔ کم ازکم دو دن تو پوری نیند سو لیا کریں گے آپ۔ دو دن کے متواتر آرام سے کچھ تو چڑچڑا پن کم ہوگا۔ ری کری ایشن بھی میسّر ہوگی اور اپنی کری ایشن کی طرف بھی توجہ دے سکیں گے۔ میں نے کہا کیا مطلب! ...... یہی آپ کی اولاد۔ ہمارے بچے ...... یہ میں نے کری ایٹ نہیں کئے۔ نہ میں ان کا کری ایٹر ہوں ...... تو کیا بازار سے لائے گئے ہیں یہ۔ سڑکوں پر پڑے ملے تھے ہمیں ...... زبان کی تصحیح فرمایئے۔ میں والد ہوں ان کا، خالق نہیں۔ ہم پے رینٹ ہیں ان کے۔ کری ایٹر نہیں ...... بولیں جو کچھ بھی ہے، ان ہی کی دیکھ بھال کے لئے دو چھٹیاں کردی گئی ہیں، اخبار چکنے کے لئے نہیں یہ ضرورت رشتہ، برائے فروخت،

Marfat.com

کرائے کے لئے خالی، مستری ہوشیار باش، قتل و اغوا، ٹریفک کے حادثات، نہ کوئی کام کی خبر نہ اطلاع۔ لیڈی ڈیانا اُمید سے ہیں۔ صوبے محرومیت کا شکار ہیں۔ ہیروئن سمگل ہو رہی ہے۔ سیاست دان صوبہ بدر ہو رہے ہیں۔ فلاں فنکاروں کے چنگل سے آزاد ہو گیا۔ چڑیا گھر کے جنگلی جانور انسانی غفلت کا شکار ہو گئے۔ عالم دین اغوا ہو گئے۔ تلاش و برآمد کرنے والا تھانیدار رشوت خوری میں پکڑا گیا۔ امریکہ میں سردی کی لہر آگئی۔ قطب شمالی پر برف پگھلنے لگی۔ آج بدھ وار ہے کل کے موسمی حالات یہ ہوں گے۔ بس سن لیجئے۔ آئندہ آپ چھٹیوں کے دنوں میں اخبار نہیں پڑھیں گے۔ آپ کو معلوم ہے ما امراضِ قلب کی یہی سنسنی خیز خبریں ذمہ دار ہیں۔ کام کے دنوں میں ہی رات کو سونے سے پہلے گزشتہ صبح کے اخبار کی سرخیاں سنا دیا کروں گی۔ میں نے کہا فنِ صحافت سرخیاں جمانا ہی نہیں، خبر کے آخر میں دو ایک فقرے جمانا بھی ہے۔ جسے فن نہیں آتا وہ صحافی نہیں خالی مرد ہے یا عورت۔ صحافت اور ڈپلومیسی جڑواں نہیں ہیں۔ دونوں کی اصل دانش بیشِ الفاظ ہوتی ہے۔ لہذا اخبار کا چکنا مفید نہیں، کریدنا اصل سلیقہ ہے..... اچھا تو غالب پر یہ شعر بیگم کو اخبار پڑھتے دیکھ کر ہی وارد ہوا ہو گا۔ ؎ جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہو گا۔ کریدتے ہو اب جو راکھ، جستجو کیا ہے..... ادریں آپ سے کہتا ہوں۔ کریدتی ہو اب جو راکھ جستجو کیا ہے........ اے توبہ! آپ کے بچوں کی ماں ہوں۔ وکیل مخالف نہیں۔ جو بات بات پر بال کی کھال اتارے چلے جا رہے ہیں، آپ .... گھر دلیلوں سے نہیں چلا کرتے۔ دلوں کی ہم آہنگی سے چلا کرتے ہیں۔ فقط دکھ بیان کرنے سے نہیں، دکھ سکھ میں شریک ہونے سے ماحول خوشگوار ہوتا ہے۔ اچھا! چھٹیوں میں گھر میں آمد و خرچ کا حساب لکھنا اپنے ذمہ لے لیجئے ...... کوئی اور سزا تجویز کر لیجئے۔ میں نے ایک روپے کی پانچ سیر چینی، چار آنے سیر گوشت، اڑھائی آنے گز لٹھا اور ململ، سات روپے گز کا ولایتی گرم سوٹ کا کپڑا

دس روپے سوٹ بمع سلائی، پچاس روپے کی ساہیوال کی بھینس، چالیس روپے کی پوٹھوار کی گائے، اٹھارہ آنے من گندم، چار روپے من کپاس کا زمانہ دیکھا ہے۔ آپ کو اگر مجھے بے ہوش رکھنا ہی پسند ہے تو آج کے بھاؤ سنا دیا کریں۔ چھٹی کے دنوں میں یہی کافی ہوگا ..... اور چار آنے یومیہ پر مزدور۔ دو روپے پر کاریگر، پچاس روپے میں وکیل بھی تو مل جایا کرتا تھا۔ ہمارے نکاح پر آپ کے ابا جان نے نکاح خواں کو ایک روپیہ دیا تو گاؤں میں دھوم مچ گئی۔ پچیس روپے تولہ سونا تھا۔ اور زیور کیا لائے میرے سسرال والے ...... اور آپ جہیز میں کیا لائیں، وہ بھی یاد ہی ہوگا۔ سبھی کچھ لائی تھی۔ سولہ روپیہ حق مہر تھا۔ وہ بھی چالاکی سے بخشوا لیا۔ اب کہتے ہیں گاڑی میں ڈیڑھ من سے زیادہ وزنی سواری نہیں بٹھاؤں گا....... میں نے کہا۔ میں نے پروگرام بنا لیا ہے۔ بغل والا چھوٹا کمرہ میرے لئے ٹھیک کروا دیجئے۔ بس میں اور قلم کاغذ ...... لو پھوٹ گئے مقدر جل گئے نصیب۔ یہ گھر کیوں بنایا تھا، کتب خانہ بنا لیا ہوتا۔ کسی لائبریری میں بس گئے ہوتے۔ بُرا ہو اُن لوگوں کا جو گھنٹوں ان کی تقریر سنتے ہیں اور ان کا بھی جو تحریر دن پر سر کھپاتے ہیں۔ گھر میں تو دن بھر میں چار فقرے بولنے کی واسطہ نہیں، سسرال والوں کو کبھی چار حرفوں کا خط لکھنا بھی مقدر نہیں ہوا۔ ویسے جب دیکھو کچھ نہ کچھ لکھا رہا ہے۔ اوپر سے یہ دو چھٹیاں وارد ہوگئیں۔ اور تصنیف و تالیف ہوگی۔ مجھے تو اب احساس ہوا، یہ کتنا بُرا ہوا۔ میں نے کہا۔ ایک پیالی چائے ملے گی ...... کچھ نہیں ملے گا۔ ہفتہ میں دو دن کھانا بھی نہیں پکے گا۔ سگریٹ بھی نہیں ملیں گے۔ حقہ بھی نہیں بھرا جائے گا۔ صابن بھی نہیں ملے گا۔ ٹوتھ پیسٹ بھی نہیں۔ کپڑے بھی نہیں بدلے جائیں گے۔ شیو بھی نہیں ہوگی۔ کوئی ملاقاتی بھی نہیں آ گھسے گا۔ یہ دونوں دن مکمل بچت کے دن ہوں گے۔ نہ آپ کسی سے بات کریں گے" نہ آپ سے کوئی بات کرے گا۔ بس تصنیف و تالیف ہوگی اور ہُو کا سا عالم ہوگا۔ زبان

Marfat.com

بند وچشم بند وگوش بند۔ آپ کو دو دن کی چھٹی بھی اور آپ کی دو دن کی چھٹی بھی۔ اگرچہ ہم اس ایک بجٹ اور دو چھٹیوں کی اصلیت و افادیت سے آگاہ ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ بے وجہ تنقید اور بے اثر تبصرے کیوں کئے جاتے ہیں، کیونکر کئے جاتے ہیں۔ کارِ خسرواں حیلہ گراں تسخیر کردیہ پر اصرار کیوں ہو رہا ہے۔ کل کے معاون آج نئے تعاون کیوں تلاش کر رہے ہیں۔ یہ پابندیاں کیوں ہیں، یہ خود سریاں کیا ہیں کہاں ترقی ہوئی ہے، کہاں تنزل گھات لگائے بیٹھا ہے۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ ناقدین خود وزیرِ خزانہ ہوتے تو کیا ہوتا۔ لیکن اپنے ہی گھر میں ہماری یہ کیا حالت ہے۔ کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا۔

Marfat.com

یا نار کونی بردا

محترم وزیر باتدبیر راجہ ظفر الحق کی نذر

صاحبو! ساکنانِ گلشن قفس آراستہ لاکھ خوگرِ علت ہائے قفس نواز ہو چکے ہوں۔ ہر چند رودادِ چمن اسی پر مکتفی ہو کر جس پر کل بجلی گری، وہ آشیانِ بے ہم دم تھا۔ نغمۂ گل نالۂ بلبل، چڑیوں کے چہچہے تو کجا "کوؤں کی کائیں کائیں" اور پتوں کی سرسراہٹ تک کبھی کی خاموش ہو چکی ہو۔ طوطیوں نے قمریوں، عندلیبوں نے رسمِ فغاں فراموش کر ڈالی ہو، کوئی سیرِ گل کے بہانے بھی زخمیوں کو دیکھنے نہ نکلتا ہو، داستانِ ویرانیِ حیاتِ چمن، روش روش گوشہ بگوشہ بکھری پڑی ہو، گردوں کی آستیں میں بجلیاں لپک رہی ہوں۔ آسمانوں پر بلاؤں کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس انعقاد پذیر ہو چکا ہو مگر عنادل پُر استراحت آشیانوں میں محوِ خوابِ غفلت ہوں۔ رات کی اوس پھولوں کی پتیوں پر سارا دن بھی پڑی رہتی ہو۔ بادِ نسیم کا ہلکا جھونکا اور معمولی سا سوزِ کرن بھی چمن کا مقدر نہ رہا ہو، زندوں کو دیکھ کر مردوں کو رونا آتا ہو۔ افکارِ تازہ عروسی جوڑوں میں دفن ہو رہے ہوں۔ ہر چند کہ مردے کفن پیش کر رہے ہوں کہ ہمارے ننگے وارثوں کو دے دینا۔ ہر چند کہ غبارِ کارواں، میرِ کارواں کی تلاش میں بگولے اڑا رہا ہو۔ گردِ راہ نے قافلہ سالار سے پہلے منزل کو جا لیا ہو۔ ہر چند کہ ہر تصنیف کے پیش لفظ کے طور پر دعائے نمازِ جنازہ تحریر ہو۔ ہر دسترخوان کے درمیان "یہ منہ اور مسور کی دال" رقم ہو۔ ہر "بزدماغ" سوچ رہا

Marfat.com

ہو کہ بھرے بازار میں خدا بک سکتا ہے تو انسان کیوں فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ جس کی عصمت خریدی جا سکتی ہے، اس کا گوشت بیچتے وقت اخفا سے کام کیوں لیا جائے۔ ہر چند کہ آج کا قوال بھی مصرعِ غالب "ستم کیا تیرے وعدے پہ اعتبار کیا" دہراتے وقت محسوس کرتا ہو کہ گلے کی زنجیر ہاتھوں میں لٹک گئی ہے اور واعظِ وقت کے پاس ایک ہی تلقین رہ گئی ہو کہ جب ذبح کرو اللہ کا نام لے کر کرو۔ ہر چند کہ مصرفِ گلہائے چمن صرف یہ باقی رہ گیا ہو کہ کوئی مرتبانِ گلقند خالی نہ رہے۔ کھلنڈرے ردِ روش کچے پھلوں پر غلیلیں آزمانے پر مُصر ہوں۔ ہر غنچہ چڑھے ہوئے چلّے کی زد میں ہو ہر ذہنِ سیاست کی دائیں کنپٹی پر طمنچہ اور بائیں پر پستول ٹِکا ہوا ہو۔ لوٹ کی ٹوہی چالو تو سرزنش ہوتی ہو کہ ہمارے فرش پر نہ رینگو۔ ہر چند کہ ادیبوں کی کمر اور گدھوں کے سَر دکھ رہے ہوں۔ ہر چند کہ ہر کشتۂ ستم ہائے حالات و واردات کو مزید سزا صرف اس لئے مل رہی ہو کہ تمہارے تڑپنے سے تخریبی تنقید کا پہلو ننگا ہوتا پایا گیا ہے۔ ہر چند کہ اکھاڑے میں ٹہلتا ہوا ہر "جھارا" اخباری نمائندوں کو سمجھا رہا ہو کہ دیکھو، میرا یہ بادام رگڑنے والا تعمیری تنقید کا مُوجد ہے۔ اس کے پاس ڈنڈا بھی ہے کونڈا بھی رگڑتا بھی ہے۔ مگر بادام اور صرف میرے لئے۔ ہر چند کہ پیا صرف اسی کے ہوں جو صرف "آپ بڑے وہ ہیں جی" کی ادا کے ساتھ کارِ عاشق پر تبصرہ کر سکے۔ جو زیرِ تماشا اقتدار کی گودی سے بَل کھا کر نکل جائے اور "تیرے پیاں پڑوں، موری لاج رکھنا" کا آسن جمائے تھرکتا اور تھرکاتا رہے، وہی آشنائے سیاست بالا ہے۔ باقی سب حدودِ سیاست آرڈی ننس کے مجرم ہیں۔ احساس پا بہ زنجیر، تحریر پا بہ جولاں، تقریر پابندِ سلاسل اور نظریات دھواں دھواں۔ ہر چند کہ بن برکھا ملہار "گنوائی"، جاتی اور شبِ وصل بھاگ ہو سکتا ہو۔ چاند رات میں دیپک اور اماوس کی شب ماہل کونس برپا کیا جا رہا ہو۔ ہر چند کہ ادیب بھوکے بچے کی طرح بلبلا رہا ہو اور مادرِ خیال میک اپ میں

Marfat.com

مصروف غازۂ عارض کی سرخیاں ہموار کرتی مہتمم ابلاغ کی آیا کو آواز دے رہی ہو کہ اس کے منہ میں نیل دینا۔ اس کا شوہر صاحب کو گراں گزر گیا تو شاپنگ کا پروگرام ٹھپ جانو۔ اور آیا زیرلب مسکرا کر کہہ رہی ہو شاپنگ کو تو وہ جائیں گے ہی۔ میں جانوں، انہیں اپنا زیرجامہ بھی تولانا ہے۔ اور یوں میاں آرائش ودوران تبدیلیٔ لباس رات چھپے روزنامے۔ روزہ دار ہفت روزے اور بانجھ ماہوار جریدے یوں برآمد ہوتے رہتے ہوں جیسے یکم تاریخ کو بوقتِ عصر صاحب کی جیب سے تنخواہ برآمد ہوتی ہے اور صاحب بوجۂ برآمدگیٔ ہذا قبل از شام ہی "لفی خسراً" ہوکر رہ جاتا اور یوں منہ لٹکا لیتا ہے۔ جیسے بھیرویں کا انگ ٹوٹ کر لٹک گیا ہو اور گویا جھوٹی کھانسی کھانس رہا ہو۔ ہرچند کہ ایسے مظہر العجائب بھی قیدِ وجود میں ہوں کہ دورانِ حرف گیری CENSOR کو SIR - SON پڑھتے ہیں۔ اور کارِسر، سرکار اور CAR - SIR میں کوئی فرق نہیں جانتے۔ تاہم ہر ذی شعور نظریاتی ادیب کا یہ عقیدہ غیر متزلزل رہے گا کہ آزاد تو کیا، غلام ملک میں بھی برسرِ اقتدار کی کوتاہیوں کی نشان دہی کروانے سے روکنا برسرِ اقتدار کے ساتھ بدترین دشمنی کے مترادف ہے۔ تاریخ میں کوئی اقتدار قصیدہ گوؤں کے سہارے قائم نہیں رہا۔ بے جا تعریف و توصیف سے تو بیڑے روم آباد نہیں رکھے جا سکتے۔ دبدبۂ شاہی اور حفاظتِ تخت و تاج تو بڑے نازک مسئلے ہیں۔ کسی ادیب کو دشمن جاننے سے خودکشی کر لینا کہیں بہتر ہے کہ کوئی ادیب کبھی بھی اقتدار و تاج و تخت و حکومت کا متمنی نہیں ہوتا۔ وہ صرف سکون، اطمینان، عزتِ نفس اور احترامِ انسانیت کا متلاشی ہوتا ہے۔ اپنے لئے بھی اور ہر کسی کے لئے بھی۔ چاہے وہ اس کا مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ ادیب گلشن پرست ہوتا ہے۔ اسے گل ہی عزیز نہیں ہوتے کانٹوں سے نباہ جاننے کا اہل بھی ہوتا ہے۔ کانٹے اگر ادیبوں سے نباہنا چاہتے ہیں تو پھولوں کی حفاظت کرتے رہیں۔ ادیب

Marfat.com

انہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ ادیبوں کو نہ مارو، صرف گالیاں دینے والے باقی رہ جائیں گے۔ وہ! جنہیں پسماندہ ملکوں کے جمہوری سیاست داں کہتے ہیں، نااہل اور جرأتِ احتساب سے عاری ابن الوقت قصیدہ گو کارکنوں کے آقا کے لئے بہتر ہے کہ وہ "ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو" کا اچھی طرح سے ریاض کرے کہ بروقت مشق نہ کرنے کی وجہ سے پیشرو بڑی تکلیف میں رہے ہیں۔ جس کے افکار و اعمال کے نتائج سے اُسے باخبر نہ رکھا جائے، وہ آدمی ہرگز بشر نہیں رہتا۔ آدمی بشریت سے عاری ہو جائے تو اس کے اعمال کے نتائج اس کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ جس نے حال کو صحیح نہ جانا، آئندہ کی بشارت اس کے لئے یوں ہی ہے جیسے اندھے کی آنکھوں پر دبیز پٹی باندھ کر اُسے ہدایت کی جا رہی ہو کہ چالیس قدم سیدھے چل کر دو قدم دائیں اور پھر دو قدم بائیں چلنا اور ہمارا انتظار کرنا۔ ہم آئندہ راستہ پھر سمجھائیں گے۔ کہ بیوروکریسی اس سے زیادہ سمجھا دے تو "ناٹ مسلم" والی ترمیم لانا پڑتی ہے۔ بیوروکریٹ اُس ماہر امتحانِ قوتِ دید کو کہتے ہیں جو کمزور نظر کے لئے عینک کبھی تجویز نہیں کرتا، پہیوں والی کرسی مہیا کرتا ہے اور اس نیتِ مقتدر پر نظر رکھتا ہے۔ جس سے انار کا رس کم و بیش ہوتا رہتا ہے اور اس نیت پر بھی جس کے زیرِ اثر عالمِ دین مترجم بھی لفظ بشر کا ترجمہ بشارت کے واسطے سے کرنے کی بجائے آدمی کر ڈالتے ہیں اور لکن یُوحیٰ الیّ سے مطلق انحراف کر جاتے ہیں۔ بحیرہ راہب اور ورقہ نوفل مقامِ رسولؐ سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور ہاشمی و قریشی ابوجہل و ابولہب کوستے رہ جاتے ہیں۔ جس قرآن کے نازل ہونے پر پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے کی پیش گوئی کی جا چکی ہو، اُسے بغل میں دبائے لوگ مزید سنگ دل ہو جاتے اور طالب علموں کے کمروں میں اسلحے کے انبار لگوا دیتے ہیں۔ تخریبی تنقید مردہ جانوروں کا گوشت نوچتی ہوئی گدھوں کے مجمع پر بھونکنے والے سگ ہائے آوارہ

Marfat.com

کا شیوہ ہے، دانشوروں اور ادیبوں کا نہیں۔ محرکات، وجوہات، جواز اور نتائج کو مدِنظر رکھ کر اظہارِ رائے کرنے والے تعمیر پسند ہوتے ہیں، تخریب نواز نہیں۔ ہنگامی فکر و عمل لغزشوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ دیکھ کر چلنے والے اور سونگھ کر ٹٹولنے والے مقتدرین میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ ادیب بوقتِ خطاب بوجہِ اخلاصِ ذات خود ان کے روبرو مختلف الفاظ استعمال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ دانشور اور ادیب غلط کار پر ترس کھاتے ہیں۔ وہ حریصِ اقتدار سیاست دان نہیں ہونے کہ نفرت کریں یا نفرت پھیلائیں۔ مشکل یہ نہیں ہے کہ ادیب و دانشور و نقاد تعمیری تنقید کے اسلوب سے آشنا نہیں، کٹھن یہ ہے کہ زیرِ اظہار تخریب و تعمیر میں امتیاز کرنے کے سلیقے سے آگاہ نہیں اور اس پر طرّہ یہ ہے کہ اختیارِ حرف گیری اُن لوگوں کو سونپ دیا گیا ہے جو بیویوں سے آشنائی کے لئے بھی اُن کے لباس کی تعریف کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ خوبصورت بیوی، خوبصورت ماں، خوبصورت بیٹی، خوبصورت بہن کو دیکھ کر ایک ادیب اپنے احساسات بیان کرنے کے لئے الفاظ کا چناؤ کرتے وقت کن کن اقدار کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ منصب سنبھالنے والا اگر منصب یاد دلانے والے کو تخریب پسند گردانتا ہے تو دراصل وہ صفحاتِ تاریخ سے اپنا نام خود مٹا رہا ہے۔ تاریخ نے بار بار نشۂ اقتدار میں فرائض کے ہاتھ لڑکھڑاتے دیکھے ہیں اور جس نے بروقت اس صورتِ حال کی نشان دہی نہ کی، اس سے بڑھ کر تخریب پسند شاید ہی کسی ملک و قوم کی تاریخ پر تھوپا جا سکے۔ ہر وہ قول جو کسی فرد، قوم، ملک یا معاشرہ کی آئندہ تعمیر میں رکاوٹ کی نشان دہی کرے، محرومیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے کوتاہیاں جتائے، مزاجِ نازک اور تابِ سخن نہ دارد کے باوجود بھی تعمیری ہی کہلائے گا۔ سیاسی، معاشی، معاشرتی صورتِ حال سمندروں کے طوفانوں یا زمین کے زلزلوں

Marfat.com

کی طرح ان وجوہات سے وقوع پذیر نہیں ہوتی جو انسانوں کے بس میں نہ ہوں۔ ان حالات کی ذمہ دار انسانی عقل و دانش کی محرومیاں اور کوتاہیاں ہی ہوتی ہیں۔ ان مسائل کا لاینحل ہو جانا یا بروقت حل نہ ہونا بھی ان ہی کوتاہیوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ مسائل چونکہ انسانوں کے پیدا کردہ ہوتے ہیں اس لئے ان کے نتائج بھی انسان نے ہی بھگتنے ہوتے ہیں۔ انسان جو دراصل آپ اپنا دشمن ہوتا ہے، ناکام ہو کر دشمنی کا الزام دوسروں کے سر تھوپ دیتا ہے۔ ادیب اور دانشور حالات کے تجزیہ کے لئے بھی ہوتے ہیں، حالات کی فاتحہ خوانی ان کا منصب نہیں اور نہ حالات کی تجارت انہیں زیب دیتی ہے۔ سرِراہ اگر کوئی واقفِ حال یہ گوش گذار کر بیٹھے کہ کھائی گہری ہے اور وسیع بھی، ٹانگ کمزور نظر آتی ہے اور مجروح بھی ہے، چھلانگ کر چھلانگنا درست نہ ہوگا، تو اسے تخریب نواز قرار دے کر اس پر ہی کمزور اور مجروح ٹانگ چلانا نہ آج تک عمل صحیح تسلیم کیا گیا، نہ آئندہ کیا جائے گا۔ دانا لوگ تو فرصت کے اوقات میں خود اپنے پر تنقید کرتے ہیں، آپ اپنے محتسب ہوتے ہیں۔ کھجور پر چڑھ کر کھجور کھاتے ہوئے بلند مقام کو اگر یہ عرض کیا جائے کہ گٹھلیاں جیب میں نہ رکھیے، بوجھل ہو جائیں گی، اور چپک بھی جائیں گی۔ اور وہ ناراض ہو جائے کہ تمہاری نظر میرے حق واختیار کھجور خوری پر ہے، تم تخریب پسند ہو۔ تخریبی تنقید کے لئے سزاوار ہو۔ تو زمین پر کھڑے ہموار لوگ کیا فال نکالیں کہ نشۂ قوت خطرناک ہے یا نہیں ہے۔ سہیلیاں اگر دریافت کریں کہ "ہری تھی، رس بھری تھی، راجہ جی کے باغ میں دوشالہ لئے کھڑی تھی" بتاؤ سکھی وہ کون؟ اور قبل اس کے جواب ملے کر ایک ادیب کی حالات حاضرہ کی طبع زاد لفظی تصویر تھی۔ راجہ جی بول اٹھیں کہ استغفراللہ، وہ تو مکئی کا بھٹا تھی جس کے دانوں کی تمام سطریں کھانے کے بعد یہ تکا باقی رہ گیا ہے تو کون پوچھے کہ بھٹا آپ نے

دالوں میں پنہاں آگ سے چھونا بھی۔ یا کچا ہی خوبِ جان کرنا پڑا۔ گوشۂ چمن میں غُلیلوں کی مچان پر کسی محو استراحت مہمانِ چند روزہ کا روشن ضمیر کے بوجھ تلے دب جانے سے اگر گھنگھرو بول اُٹھے اور وہ سیاہ بادلوں میں لپٹی گھمبیر اندھیروں میں ڈوبتی ہوئی بھیگی رات میں صحنِ چمن میں ٹمٹماتے ہوئے جگنو دیکھ ہڑبڑا اٹھے کہ سارا چمن زیرِ زدِ آتش ہے اور "یا نارُ کونی بردا" کا ورد کرتا ہوا جگنو کو پکڑ، پَر نوچ، مٹھی میں چھپالے۔ تو ہر تعمیر پسند کو یہ تو اجازت ہونا چاہیئے کہ وہ یہ عرض کر سکے کہ حضور یہ تو جگنو ہے، آگ نہیں ہے، اور یہ کہ بندہ نواز چمن آتشِ گل سے نہیں پھلوں پر پتھر پھینکنے، شاخوں پر بلا وجہ قینچی چلانے اور جڑوں میں کھرپے گھونپنے سے اجڑا کرتے ہیں۔ شاخوں سے ہرے پتے اس لئے توڑ پھینکنا کہ سوکھی شاخوں کے لئے کھاد کا کام دیں گے، کونپلوں کو پھوٹنے، پھولوں کو کھلنے سے روکنا اور بہاروں کو خزاں آلود کرنا ہے۔ افکار کی نمود و نما کے لئے آزادیٔ تحریر و تقریر ازبس ضروری ہے۔ گلے سڑے اور پراگندہ خیالات کسی انسانی معاشرہ نے آج تک قبول نہیں کئے، ان کی عارضی تخریب سے بھی انسانی معاشرہ نے ہمیشہ تعمیر کی صورت ایجاد کی ہے۔ ورنہ وحشت کبھی کی شرفِ انسانیت قرار پا گئی ہوتی۔ نئے خیالات کا اذہان میں گل سڑ جانا اور زبان کا انہیں الفاظ و تراکیب میں ڈھالنے سے باز رہنا معاشرے میں ہمیشہ اس نوٹنکی کی حرکات کو متعارف کر دیا کرتا ہے جس پر دورانِ رقص نمائش جسم کرتے ہوئے قطعِ رحم وارد ہو گیا ہو۔ جس نے مہر بہ لب معاشرہ دیکھنا ہو، وہ اس عیاش کی سہروں سے بیاہی بیمار بیوی کو دیکھ لے جو لرزتے ہاتھوں میں طلاق نامہ لئے خلاؤں کو گھور رہی ہو۔ اور ساتھ کے کمرے سے رقصاں گھنگھروں اور اس کے سرتاج کی دادِ عیش کی آوازیں سنائی دے رہی ہوں۔ کوئلوں، بلبلوں، طوطیوں، قمریوں اور عندلیبوں کو ان کے کوکنے، چہچہانے یا نالہ کناں ہونے پر نشانہ بنانا رونقِ چمن کو بے سود، بے مصرف قرار دینا

Marfat.com

ہے۔ ان میں سے کوئی بھی توچمن دشمن نہیں ہوتی۔ یہ نہ ہوں توچمن آبادہی نہیں کہلوا سکتا۔ کوئلیں، بلبلیں، طوطیاں، قمریاں اور عندلیبیں جب کُوک رہی ہوں تو باغباں کو گالیاں نہیں دے رہی ہوتیں اور چہک رہی ہوں تو مالی کی قصیدہ خوانی مقصود نہیں ہوتی۔ ان کی کوک میں خواہشِ تعمیر اور چہک میں اقرارِ تعمیر ہوتا ہے۔ انہیں پابندِ قفس کرنے والے یہ نہ بھولیں کہ دانہ ڈالتے وقت ہی سہی، دستِ صیّاد بھی داخلِ قفس ہوتا رہے گا۔ تسلطِ غیر میں چمن کے مالی بھی اتنے ہی آزاد ہوتے ہیں جتنا کہ جیل میں قیدیوں کا نمبردار آزاد ہوتا ہے۔ آلہ کاروں پر تنقید کی اجازت دینا اور اہل کاروں کو اس سے بالاتر قرار دینا ایک رِستی ہوئی بغاوت کا سامان مہیا کرنا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے عصا فرعون کے ہاتھ میں دے کر رسّی موسیٰ کے گلے میں ڈال دی جائے جیسے آدم بہشت میں اشجارِ ممنوعہ کاشت کر رہا ہو۔ جیسے ہابیل و قابیل ملکیتِ اماں حوا پر جھگڑ پڑیں۔ جیسے آلِ نوحؑ کشتیِ نوحؑ میں سوراخ کر رہی ہو۔ جیسے آزر پتھروں سے شبیہِ ابراہیم تراش رہا ہو۔ جیسے ہارون رشید نہرِ زبیدہ میں برہنہ نہا رہا ہو۔ جیسے ہلاکو کھوپڑیوں کے مینار پر سفید جھنڈا لہرا رہا ہو۔ جیسے چنگیز خاں مزید غارت گری کے لئے دیوانِ حافظ سے فال نکال رہا ہو۔ جیسے سکندرِ اعظم حکم دے رہا ہو کہ ارسطو کے حواسِ خمسہ مفلوج کر دیئے جائیں۔ جیسے اکبرِ اعظم مان سنگھ کی چادر و چار دیواری کی حفاظت کا دعویدار ہو۔ جیسے بابر بعد از عیش کوشی تزکِ بابری میں مزید اضافے کر رہا ہو۔ جیسے خاندانِ غلاماں کے بادشاہ قوانینِ تحفظِ تخت و تاج ترتیب دے رہے ہوں۔ چنانچہ اہل کاروں کو تعمیری تنقید سے بالاتر قرار دینا بدترین تخریبی عمل ہے اور پھر جب ملک کی نظریاتی چار دیواری پر بازاری اشتہار تحریر کئے جا رہے ہوں، جب نظریاتی شفا خانے متعفّن ہو رہے ہوں، نظریاتی سرحدوں میں درّے بنا دیئے گئے ہوں۔ جب نظریاتی پُل ٹوٹ رہے ہوں، جب نظریاتی دریاؤں کا تعلق جھیلوں سے

Marfat.com

منقطع کر دیا گیا ہو تو اُس طوطی کے نالوں پر پابندی لگا کر کس کی حفاظت کی جائے گی جس نے آشیان میں بیٹھے خود جُبہّ و دستار پوشوں کو گوشہ ہائے چمن میں سامان نقب زنی دفن کرتے دیکھا ہو۔ طوطی نہ سہی، کوّا ہی سہی۔ کوّے کی آواز میں شیرینی نہ سہی۔ وہ بُلبُل و عندلیب کی طرح دلآویز بھی نہ سہی۔ لیکن اگر وہ صرف اس لئے کائیں کائیں کر رہا ہو کہ کوئی کلیم پوش، سربسجدہ، قبلہ رُو نیاز لینے نہیں دیگیں چرانے آیا ہے تو اس کی آواز کی کرختگی کو برداشت کر لینا ہی سودمند ہوگا۔ تاکہ اپنی بلا سے بُوم بسے یا ہُما رہے کی نوبت نہ آئے۔ جو اخلاص کی سخت روی اور مخاصمت کی ملائمت کو بھی نہ جان پائے۔ بھٹک کر راہ زنوں کے ہاتھوں راہ نما بن جانا اس کے ذی شعور ہونے کا ثبوت نہیں ہوتا۔ علی گڑھ سے بالاکوٹ جاتے ہوئے کوئی تھکا ہارا بھوکا مسافر گہری سوچ میں ڈوبا زمین پر انگلیوں سے خانے بنا بیٹھے تو اُسے جواری گردان کر پکڑ لینا قانون کی پاسداری یا اس کا احترام نہیں ہے صرف تاریخ پاکستان کے صفحات پر سرخی سیاہی پھیلانا ہے۔ عبیداللہ سندھی اور شاہ ولی اللہ کے مزاروں پر اگر سرکار انگلشیہ کے ذہنی چوہے بلیں نکالنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو ان کی چُوں چُوں سے ٹیپ ریکارڈ تیار کر کے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے لئے نصاب تیار کرنا پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے کوئی قابلِ تعریف کاوش نہیں۔ نامعلوم ہمیں یہ احساس کیوں نہیں ہوتا۔ کہ حب الوطنی کے حصار کی کوئی دیوار نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ محبِ وطن پر کوئی کمند نہیں ڈالی جا سکتی۔ محبِ وطن کے ہاتھ قطبین کے انجماد تک پھیلے ہوتے ہیں۔ اس کے ذہن و قلب میں سمندروں کی وسعتیں ہی نہیں، ان کی گہرائیاں اور طوفان بھی ہوتے ہیں۔ ان پر حدیں قائم کرنا بحراوقیانوس کو بحیرۂ مُردار میں سمونے کی کوشش کرنا ہے۔ ذوقِ نمو کے انجماد کو حب الوطنی نہیں کہا کرتے۔ وطن کی حدود کو پھیلنے سے روکنا حب الوطنی نہیں

Marfat.com

ہے۔ نظریات بسیط ہونے کے لئے ہوتے ہیں، محیط ہونے کے لئے نہیں. جواپنی نظریاتی اور جغرافیائی حدود کو دنیا کے آخری کناروں تک پھیلتا ہوا دیکھنے کا متمنی نہیں ہے، اس کی حب الوطنی محض ڈپلومیٹک ہے۔ ناخوب کو بتدریج خوب تسلیم کر لینے اور کروا لینے والے اپنے ذہن کے تعمیری ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ تعمیر اسی کا حصّہ ہے جو خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہو، ان کا نہیں جو خرابیٔ بسیار کے ذمہ دار ہوں۔

Marfat.com

"ترامیم — آئین کے آئینہ میں"

"آئینہ ایام = ترامیم کے جلو میں"

۱۹۷۳ء کے آئین میں ترامیم اور ان پر محروم ومیسر افراد کے لاگ دار تبصروں پر بے لاگ غور وفکر کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں آئین سازی کے اصولوں سے ناواقفیت، حقائق وحالات سے چشم پوشی اور خود غرض دانش وسیاست سنگسار کر رہی ہے۔ ہم حق وباطل کی آمیزش کے گھنہ گار رنگے ہاتھوں بیچ بازار پکڑے گئے ہیں اور اس بے شعوری کے باعث ذہنی طور پر رجم ہو رہے ہیں۔ نظام اسلام کے نفاذ کے لئے اس نوع کے انتخابات جن کی بنیاد ہی پیشہ ور، اجارہ دار، سرمایہ کار سیاسی مکتبہ فکر نے اٹھائی ہو، منعقد کروانا اور تفریق وتقسیم کی ضرب سے بچے رہنے کی امید ہونا کسی کو ہوش میں لانے کے لئے خواب آور گولیاں کھلانے کے مترادف ہے۔ ہم تو رجعت پسند تھے ہی مادہ ترقی زدہ جو میکاولی، روسیو اور شیلے کو اعلیٰ دانش کا حامل گردانتے اور مغربی جمہوری طریق انتخاب کے شیدائی تھے، حالیہ انتخابات کی کارفرمائیوں، سرمایہ کے اسراف کی فسوں کاری، ساحری اور کثیر اقلیت کے نمائندوں کے منتخب ہوجانے پر آنکھیں بند کرکے سوچتے تو ضرور ہوں گے کہ سیاسی پابندیوں اور جماعتی عدم شرکت وبائیکاٹ کے باوجود جمہوریت کا بچپن یوں کھل کھیلا ہے تو جوانی کس قیامت کی ہوگی۔ انتخابات میں حکومت

Marfat.com

نے غیر جانبدارانہ ناطق تماشائی کا کردار اگرچہ بڑی متانت سے بطریقِ احسن نبھایا، تاہم سوچتی تو ہوگی کہ اگر یہ کمائی واقعہ خون پسینہ کی تھی، تو کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا۔ اور اگر سرمایۂ سہل تھی تو کن کن مشکلات کو وجود میں لائے گی۔ عوام کی دانشِ عام پر بھی مشاورت اور جمہوری انتخابات میں فرق و امتیاز نمایاں تو ضرور ہوا ہوگا۔ کھجلی تکلیف دہ مرض سہی مگر کھجلانے میں بھی ایک مزہ تو ہوتا ہی ہے فی الحال یہی سہی۔ مستورات تک سوچتی ہیں، بچے دریافت کرتے ہیں کہ یوں خرچ کرنے والوں کے نمائندگی کے علاوہ اور کچھ مقاصد بھی لازماً ہوں گے اور ان اغراض کو برلانے کے لئے جوان و تازہ خون سیاسی رگوں میں دوڑا تو کیا ہوگا؟ بزرگ منجمد خون گرما گیا تو سیاست و کاروبارِ سلطنت کی شریانوں کا کیا ہوگا؟ آثار واضح ہیں کہ مغربی جمہوری طریقِ انتخاب کی قباحتوں کے نمائندہ نتائج بھگتنے کے لئے عوام کو ہی نہیں، حکومت کو بھی مورچہ بند ہونا پڑے گا اور حالیہ ترامیم کا عمل آپریشن کے اوزار کے سپرٹ میں ڈبونے کے عمل کا سا ہی ہوگا کہ مریض تھیٹر میں آیا ہی چاہتے ہیں۔ شوقِ شہادت کے لئے گنگناتے، رقص کرتے، مسکراتے ہوئے۔ یہ گروہ بندیاں، وزارتوں کے لئے گٹھ جوڑ، وفا کی قسمیں اور دغا کے ارادے کیا مثبت نتائج ہیں۔ کسی ارتقائی سیاست کی سرخیاں ہیں، حبِ وطن کے عنوان ہیں۔ کارِ طفلاں ہی تمام نہیں ہوگا۔ کارِ مکتب کا بستہ بھی بندھ جائے گا۔ بجا! کہ جو ہوا عمداً نہیں ہوا۔ سہواً بھی تو نہیں ہوا۔ مجبوراً یا مصلحتاً ہوا ہوگا۔ ایسا ہے تو درِ توبہ بھی بند نہیں ہوا ہوگا اور عوام اس امید پر زندہ رکھے جا سکتے ہیں کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ ابھی باور کر لیا جائے کہ نظام کی تبدیلی کے بغیر نہ حالات بدلے جا سکتے ہیں نہ طبائع۔ اور طبیعتیں طبع نہیں ہوا کرتیں، تابع ہوا کرتی ہیں یا تباہ ہو جایا کرتی ہیں۔ بہرحال سانپ گزر بھی جائے تو فقط لکیر پیٹنے پر

Marfat.com

چونکہ مثبت عمل نہیں ہوتا لہذا ضروری ہے کہ آئین میں حالیہ ترامیم کا ان کے سیاق و سباق اور احوال ماضی و حال و مستقبل کے حوالہ سے جائزہ لیا جائے۔ نیتوں اور نہفتہ ارادوں کا علم تو فقط اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور بدگمانی تعمیری شیوہ نہیں۔ محض مفروضوں کی بنا پر شک نہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی لیسے شک کا فائدہ کسی مدعی یا ملزم کو دیا جا سکتا ہے۔ لہذا فی الوقت ان ترامیم کا فقط محتاط جائزہ ہی لیا جا سکتا ہے۔ اس امر سے تو کسی کو انکار نہ ہوگا کہ اس آئین کی عملداری میں فکری تضادات، مغربی جمہوری اقدار، سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ قوتِ استبداد نے وہ گل کھلائے کہ روشن روشن دہائی دے اٹھی "یہ وہ سحر تو نہیں"، اور بالآخر ایک تحریک برپا ہوئی کہ ہم ان اصلاحات و رعایات و حقوق سے باز آئے جن کے مزے میٹھے اور اثر خواب آور ہے لہذا ہمارا تقاضا ہے کہ نظام حکومت، نظام مصطفےٰ ہو۔ گویا ان محبان رسول کے سینوں اور مخصوص مفادات سیاسی لیڈروں کے دماغوں میں پیوست ہو گئے۔ آئین بمع آرٹیکل نمبر چھ کے معطل ہوا۔ اور انعام معطلی سربراہی مملکت قرار پایا۔ عوامی تحریک کی ایمان افروزی کے زیر اثر موجودہ حکومت نے نفاذِ نظام اسلام کے اپنے جزوِ ایمان ہونے کا اعلان کیا اور ایمان فروش مغربی سیاست کی تمام دکانوں پر تالے پڑ گئے۔ آہستہ آہستہ احساس ندامت کم ہونے لگا تو اقتدار کے رقیبوں نے تحریک بحالیٔ جمہوریت کی بنا ڈالی۔ جسے محرک کرنے کے حربے ناکام ہوتے چلے گئے تو منفی و متشدد سیاست کو مشعل راہ بنا لیا گیا۔ اور محرومیت مصنوعی و علیحدگی پسندی کی آگ کو دہکانے کے لئے بیرونی مخالف ممالک سے پھونکوں کی فرمائش کی جانے لگی۔ سیاسی جماعتوں کو نظام اسلام ایک آنکھ تو کجا، بے آنکھ بھی نہیں بھاتا کہ اس مکتبہ فکر میں تفریق کی گنجائش ہی نہیں۔ لہذا ترکِ اسلام کئے بغیر سیکولرازم کے قہقہے دہکا لئے گئے اور مغربی جمہوریت

Marfat.com

کی زنّار ہاتھ میں لیے بحالیٔ آئین کے شبد جپے جانے لگے۔ یوں بُعدِ ضدین ظہور پذیر ہوا۔ اور غیر سیاسی انتخابات اور اس کے بائیکاٹ نے میدان سنبھال لیا منٹے سیاسی بحران کی تلخ رو اور تند خو لہریں کنارِ سیاست سے ٹکرانے لگیں اور منفی ارادے بے تابی سے انتظار کرنے لگے کہ اعلانِ انتخاب کے قدرتی نتیجہ میں جب موجودہ حکومت کی گرفت کا دم خم محتاجِ احتیاط ہو جائے تو امن عامہ پہ بھرپور وار کیا جائے اور کوئی ایسی راہ نکالی جائے کہ جن انتخابات کے فوجی نگرانی میں کروائے جانے کا مطالبہ پاکستان قومی اتحاد نے کیا تھا، اُن کا التوا اس وقت تک منعقد رہے جب تک ہمارے منتخب ہونے کا انتظام و انصرام ہمارے ہی سپرد نہ ہو۔ ہم منتخب ہو جائیں تو آئندہ انتخاب کے لئے صدر ہمارے رحم و کرم پہ ہوں اور ہمیں رحم و کرم نصیب ہی نہ ہو۔ یہ ارادے آئینہ دو تھے کہ پہلے نیشنل سیکورٹی کونسل نے تقاضا کر ڈالا کہ سیاست کے اس بیوٹی پارلے پر کچھ اختیارات موجودہ اقتدار کے بھی ہیں۔ بلکہ سچ پوچھو تو شرکتِ اقتدار محض تو تمہاری سیاست کی گوارا کی جا سکتی ہے۔ انتقالِ اقتدار کی کوئی دستاویز تمہارے ہاتھوں میں نہیں تھمائی جا سکتی، کہ تجربہ و مشاہدہ یہی ہے کہ تمہارے ہاتھوں یہ تھمتی ہی نہیں۔ تم تو پگڑی نہیں سنبھال سکتے۔ اتنی اہم دستاویز جس میں قوم کی تمام امانتیں درج ہیں، کیوں کر یقین کر لیا جائے کہ سنبھال لوگے۔ جواب ملا، ہم ہر ایسا الجبرائی روّیہ اپنائیں گے کہ بہر طور "لا" صفر ہی کے مساوی ہو گا۔ چنانچہ ریفرنڈم اپنے سوالات کئے احتیاطی، دفاعی، امتناعی کارروائی کے اطوار لئے اور تیوری سنوارے وارد ہو گیا اور صدرِ مملکت نے آئندہ پانچ سال کے لئے اقتدار میں رہنے کا فیصلہ عوام سے حاصل کر لیا، کہ لو! اب دیکھیں گے کون کس کا دست نگر ہوتا ہے۔ کافر جہاں والے انکار کرتے اور کرواتے رہے، ایمان لانے والے ایمان لے

Marfat.com

آئے۔ اور صدر مملکت نے آئندہ پانچ سال اقتدار میں رہنے کا فیصلہ عوام سے
حاصل کر لیا۔ دانش و دانست ہوتی تو سیاست جان گئی ہوتی کہ بابِ انتقالِ
اقتدار کی پیشانی پر تحریر ہو چکا کہ کوچۂ رقیب ہی سہی، در یار پھر دریار ہے اور وہیں
واقع ہے لہذا سر کے بل چلو۔ شناسائی ہوئی بھی۔ آزادی ملاقات بھی مہیا ہوئی مگر
بُرا ہو حرص اقتدار کا، کہ پورا نہ ملے تو احساسِ محرومی سے نجات ہی حاصل نہیں ہوتی
چنانچہ بات ڈھاک کے تین پات تک ہی رہی۔ اور بالآخر صدر مملکت نے جو
نظام اسلام کے نفاذ کی ذمہ داری قبول کر چکے تھے، بحالی جمہوریت کا فرض بھی اپنے
ہی ذمہ لے لیا کہ تم نیم جانوں سے شاید یہ بھی نہ ہو سکے۔ لیکن یہ بات واضح تھی کہ
منتخب شدہ صدر۔ کا اعلان انتخاب پارلیمنٹ کے صدر کی بجائے بلاواسطہ منتخب
شدہ اس صدر کا اعلان تھا جس نے نظام اسلام کے نفاذ کی ذمہ داری قبول کر
رکھی تھی اور بحالی جمہوریت کا فرض بھی سنبھال لیا تھا۔ لہذا غالباً یہ طے کیا گیا کہ
مغربی جمہوری طریقِ انتخاب کے واسطے سے ایسی پارلیمنٹ وجود میں لائی جائے جو
مغربی جمہوری نظام کی بجائے نظام اسلام کے نفاذ کے لئے ممد و معاون ہو۔ گویا
طریق کار نہ بدلا گیا مگر مقاصد بدل گئے۔ صدر مملکت، وزیر اعظم اور پارلیمنٹ کی
ذمہ داریاں مغربی جمہوری تصورات و عوامل سے جدا گانہ ہو گئیں۔ صدر کی آئندہ حکومت
کا منشور واضح تھا۔ کسی امیدوار نے اپنا کوئی علیحدہ منشور نہیں دیا۔ لہذا مجموعی طور
پر پارلیمنٹ کا دائرہ کار اسی منشور پر عمل پیرا ہونا ہے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کا پارلیمنٹ
کا صدر ہونے کا تصور کم از کم آئندہ پانچ سال کے لئے ختم ہو چکا ہے۔ نظام
اسلام کا احیا پارلیمنٹ کی ذمہ داری قرار پا چکی ہے۔ اس عرصہ میں کسی کا عرصۂ
حیات ختم ہو چکا ہو گا اور کسی کا عرصۂ سیاست۔ انتخابات کو امر جان، عہدہ
طلبی، مہم جوئی کی قطعی نفی کر کے انتخابی قوانین مشاورتی اصول پر تشکیل دیئے

Marfat.com

جاتے تو وہ قباحتیں بھی جو باوجود منصفانہ ہونے کے جانب دارا ور پہلو دار ہوگئیں کالعدم ہو جاتیں۔ نصیبِ دشمناں بھی کچھ اور ہوتا اور نصیب دوستاں بھی، وہ کچھ کہا اور سنا نہ جاتا جو کہا اور سنا جارہا ہے۔ چونکہ مارشل لاء سے براہ مغربی جمہوریت نظام اسلام کی طرف سفر لازم کرلیا گیا اس لئے ۱۹۷۳ء کے آئین میں ترامیم ضروری ہوگئیں۔ ورنہ ریفرنڈم کے نتائج کو آئینی حیثیت دینا، قرارداد مقاصد کو جو بے مقصد ہر آئین کے ساتھ چسپاں رہی، کسی طرح آئین کا موثر حصہ بنایا جانا، اللہ کی حاکمیت کے عملی نفاذ اور مغربی جمہوری یا دیگر مکاتب فکر کی مکمل نفی کرتی ہوئی اس قرارداد کے آئینی طور پر مؤثر و متحرک ہو جانے کے بعد کیا انسانی اقتدار و اختیارات کا کوئی تصور بھی قانونی طور پر ممکن رہے گا۔ تبصرہ نگاروں کے غور کرنے کی بات ہے اور آئین ساز ترمیم کار ادارہ کی بھی کہ اگر آئین کی باقی ضمانات کو جوں کا توں رکھا گیا تو ایسا تو نہیں ہوگا کہ قرارداد مقاصد اور آئین کے مقاصد جو اس سے بیشتر متنازعہ و متضاد تھے، اب متصادم ہو جائیں گے، آئینی ضمناتی زور آزمائی شروع ہو جائے گی۔ کیا لازم نہیں ہو جائے گا کہ پارلیمنٹ اس صورت حال کو ختم کرنے کے لئے مؤثر اور ترجیحی اقدام کرے تاکہ اس ذمہ داری کو جو قوم اور صدر کی طرف سے ڈالی گئی ہے، حسب توقع سرانجام دیا جا سکے۔ یہ ترامیم صدر مملکت کے خصوصی اختیارات کے تحت اس لئے ضروری ہوگئیں کہ یہ ابتدائی اقدام اگر آئندہ پارلیمنٹ کے لئے اٹھا رکھا جاتا تو صحیح سمت متعین کرنے میں کوتاہی بھی ہوتی، دیگر کارِ پارلیمان کا التوا بھی ہوتا اور پارلیمنٹ کے اندر کی گروہ بندی عہدہ طلبی اور مہم جوئی پر بائیکاٹ کنندگان جال بھی پھیلائے رکھتے۔ پارلیمنٹ کو یک سُو و یک جہت رکھنا اور تفرقات میں اُلجھنے نہ دینا اس قدر مشکل کام ہے کہ مغربی جمہوری طریقِ انتخاب کو روا رکھنے کے بعد اس صورت حال سے کامیابی کے ساتھ نبٹنا اللہ تعالیٰ کی مدد خاص

Marfat.com

کے بغیر ممکن نہیں ہوگا۔ مغربی طرز فکر کے قمار بازوں کے طلسم کو توڑنے کے لئے جس جرأت اور قوت ایمان کی ضرورت ہے، اللہ کرے، دائم ہوتی چلی جائے۔ ہر کسی نے دیکھا اور سنا کہ ادھر انتخابات ہوئے ادھر ترامیم ہوئیں اور ادھر مغربی جمہوریت نوازوں نے شور برپا کر دیا کہ ۱۹۷۳ کا آئین لٹ گیا، بے موت مارا گیا۔ حالانکہ خوف صرف یہ لاحق ہو رہا ہے کہ اس آئین کے لات وعزیٰ کے مفادات غیر محفوظ نہ ہو جائیں، سیاسی تجارت خسارہ نہ کھا جائے۔ امر واقع یہ ہے کہ یہ محض خدشات ہیں۔ مفادات غیر محفوظ نہیں ہوئے۔ فقط ذرا حفاظت غیر محفوظ و غیر مسلح ہوئی ہے۔ عہدہ برآئی تو موجود ہے۔ ذرا عہدوں کی برائی کا یونانی علاج شروع ہوا ہے اور مریض ہیں کہ نسخہ پڑھ کر ہی چلا اٹھے ہیں۔ ایک شور برپا ہے۔ مگر جو بات حقیقتاً رلا رہی ہے اس کا ذکر نہیں کیا جا رہا۔ واویلا برپا کیا گیا ہے کہ وزیراعظم اور صدر کے اختیارات میں توازن کے بہانے صدر کے اختیارات بہت زیادہ کر دیئے گئے ہیں۔ اپنی بات کو زیادہ مؤثر کرنے کے لئے لفظ "بہت" کو خوب لمبا کر کے پڑھا اور بولا جاتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں، جنہوں نے اپنی نمائندگی کے چسکے کو طویل کرنے کے لئے تمام اختیارات وزیراعظم کو دے کر تالیاں بجائی تھیں کہ آئین متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ اس وقت بھی رو دینا چاہیئے تھا اب کیوں روتے ہیں۔ اس لئے کہ اقتدار کے لئے رونے والے ہمیشہ بہانے بنا کر روتے ہیں۔ اصل معاملہ وزیراعظم کے اختیارات کی کمی بیشی کا نہیں، تمہارے بائیکاٹ کی وجہ سے محروم رہنے کا ہے۔ جب آئین میں "صدر تمام شد" کے علاوہ اور کچھ درج نہ تھا۔ اس وقت کے صدر سے تو کوئی ہمدردی نہ ہوئی، وزیراعظم کے اختیارات نے ہاتھ دکھایا تو صدر پر ترس آنے لگا۔ ناقدین پر افسوس اس لئے ہے کہ وہ اختیارات، صوابدید، فرائض اور متوازن کے آئینی معانی سے

Marfat.com

قصداً قطع نظر کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس امر سے بھی کہ عوام کے منتخب صدر کو عوام کی نہیں اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ منزل تک قوم کو لے جانے کی ذمہ داری نبھانے کے لئے جس نگہبانی کی ضرورت ہے، لازم ہے کہ اس کے لئے قواعد متعین کئے جائیں۔ توازن کا مطلب و مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ترازو کے ایک پلڑے میں باٹ ہوں اور دوسرے میں ہم وزن گندم، تو اعتراض لایا جائے کہ توازن بگڑ گیا۔ ایک پلڑے میں باٹ ہی باٹ اور دوسرے میں گندم ہی گندم، لہذا بڑا ظلم ہو گیا ہے۔ ہر چند کہ ڈنڈی بالکل سیدھی ہے، توازن قائم نہیں ہے۔ توازن اس وقت بگڑا کرتا ہے جب دائرہ کار متعین کرتے وقت قومی مفادات کی بجائے ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھا جائے یا ایک دوسرے کے اختیارات میں دخل اندازی کے مواقع ناجائز طور پر یوں فراہم کر دیئے جائیں کہ ایک دوسرے پر نہ نگاہ رہے نہ قابو۔ اگر آئینی ادارے اپنے اپنے دائرہ کار میں بااختیار رہیں تو نہ کاروبار حکومت غیر متوازن ہوتا ہے، نہ عہدہ داروں کے اختیارات۔ جب تک صدر پارلیمنٹ کے دائرہ کار میں مخل نہ ہوں، توازن کا بگڑ جانا قرار نہیں پا سکتا۔ مغربی جمہوری طریق انتخاب اور نظام اسلام کے نفاذ کے لئے پارلیمنٹ کے انتخاب کے پیش نظر ضروری تھا کہ پارلیمنٹ کے منشور سے انحراف کرنے، بے راہ یا بے عمل ہونے کی مسلسل و متواتر نگہبانی قائم رکھی جائے اور صدر کے اپنے فرائض سے غافل ہو جانے کی صورت میں صدر کی علیحدگی کا کوئی نظام فراہم کیا جائے۔ جو ہر دو نظام فراہم کر دیئے گئے۔ جبکہ سابقہ ضمانات میں وزیر اعظم کو مطلق العنان اور غیر جوابدہ بنانے کا مؤثر اہتمام موجود تھا اور آئین پر دستخط کرتے وقت کسی کو اعتراض کرنے کی حمیت میسر نہ آئی۔ کیا تسلیم کر لیا جائے کہ اس وقت کے نمائندوں اور نمائندہ سیاسی جماعتوں نے اپنی قومی اخلاقی و آئینی ذمہ داری نبھائی۔

Marfat.com

پارلیمنٹ کو بے راہ روی سے روکنے کے لئے ترامیم کے ذریعے محتاط اور موہوم سی کوشش ضرور کی گئی مگر اس عمل کو مکمل اور مؤثر نہیں کہا جاسکتا۔ کاش کوئی یہ کہہ سکتا کہ نظامِ اسلام کی ذمہ داری کو نبھانے کے لئے تعاون طلب تو ہوں مگر کسی رکاوٹی عمل کو برداشت نہیں کروں گا۔ دیوار سایہ دار ہوں، سائے کی دیوار نہیں ہوں۔ کاش ترمیم ساز یہ جانتے کہ مغربی جمہوری پارلیمانی نظام میں وزیراعظم کا مقام ذہن بَیر ساز کا ہوتا ہے اور مقامِ صدر قلبِ حق آگاہ کا۔ اسلام میں قلب و ذہن کے تضاد کی اجازت ہی نہیں۔ اسی لئے آئینِ اسلام میں صرف ایک ہی عہدہ ہوتا ہے، امیرِ ریاستِ اسلام کا۔ دانشِ قلب حکمران ہوتی ہے، تدبیرِ ذہن نہ قلب سے آزاد ہوتی ہے، نہ حکمران نہ قلب کے احکام سے باغی و منکر نہ متصادم۔ یہ مغربی جمہوری نظام ہی کا خاصہ ہے کہ قلب و ذہن کے تضاد کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ جہاں خالص پارلیمانی جمہوریت ہوتی ہے وہاں قلب خوابیدہ ہوجاتے ہیں، کر دیئے جاتے ہیں۔ فقط ذہن بیدار رہتا ہے اور پارلیمنٹ سپریم ہو جاتی ہے، حاکمیتِ اعلیٰ کی مالک۔ ریاستِ اسلام میں حاکمیت اللہ ہی کی ہوتی ہے اور قلب حاکم پر اس ہی کی حکمرانی۔ اسی کو اتقا کہتے ہیں۔ معاشرتی رگوں کے خون کو صاف کرنا اور معاشرتی سانس کو اکھڑنے نہ دینا صدر کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وزیر اگر باتدبیر نہ ہو تو معاشرے کے لئے ناگوار بوجھ کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور قلب اس کو نہیں کہتے جو ذہن کے خوف سے دھڑکتا ہے، اُسے کہتے ہیں جو ذہن کو خطاؤں کے انجام سے آگاہ کرتا رہے۔ معمولی جلسے کا صدر بھی صرف اسی لئے ہوتا ہے کہ جلسے کی کارروائی بطریقِ احسن جاری رہے۔ کرسیٔ صدارت اور اپاہج کی وہیل چیئر میں کچھ تو فرق ہونا چاہیئے۔ ورنہ ریاست اپاہج معاشرہ کا ہسپتال دکھائی دینے لگے گی اور سیاسی معاشرہ بزرگ ہاتھیوں

Marfat.com

کا چرﮈا یا گھر بن کر رہ جائے گا۔ قراردادِ مقاصد کے آئین کا مؤثر حصّہ بن جانے کے بعد اگر مقصد یہی ہے کہ یہ عدالتی راہ نما اصول قرار پائے تو صدر تو پابند ہوگیا، مطلق تو نہ رہا۔ غور طلب امر تو یہ ہے کہ قراردادِ مقاصد کے اس عمل کے بعد ۱۹۷۳ء کے کس کس ضمن کی تین سات کو معروف قرار دو گے اور کس کس کو باطل و ڈھوقا قرار دینا پڑے گا۔ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ ان حالات میں اگر نیشنل سکیورٹی کونسل نہ ہو تو کیا آئینی اِن سکیورٹی کا عمل جاری نہ ہو جائے گا۔ پاس رہے کہ ہر آئینی سربراہ کو خراب نیت و غلط کار فرض کر کے تجزیہ کرنا کسی باشعور تجزیہ کا عمل نہیں کہلائے گا۔ مفروضات کو نیا قرار دے کر تجزیہ کرنا آئین شکن عمل ہے۔ آئین معاشرہ کے پرورش کنندہ ہوتے ہیں، معشوق بے وفا نہیں۔ اور سیاسی جماعت نامراد و مایوس عشّاق کے جمگھٹے کو نہیں کہتے۔ آئینی معاملات میں فقط یہ یقین و اعتماد حاصل کرنا ہوتا ہے کہ اس میں بے راہ روی کا علاج موجود ہے۔ اگر نہ ہو تو وہ دستاویز نہ آئین ہے نہ دستور فقط حُکم حاکمان ہے اور مرگِ مفاجات۔

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Scale 1:50,000

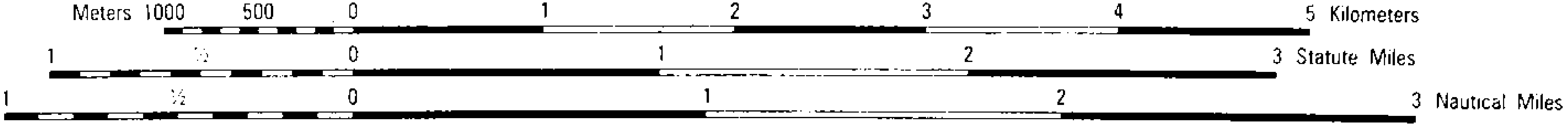

LITARY LEGEND

NT INFORMATION AS OF 3-99

access areas .....

areas ....

..........................10A

MA 7

ED SOLELY TO BE A TRAINING AID
ON. IT IS NOT INTENDED FOR
O ANY OTHER TYPE OF TRAINING
OR ANY PURPOSE OTHER THAN
STRUCTION. USE THE QUANTICO

ELEVATIONS IN METERS

CONTOUR INTERVAL 10 METERS

ELLIPSOID .... WORLD GEODETIC SYSTEM 1984 / GEODETIC REFERENCE SYSTEM 1980
GRID .... 1,000 METER UTM ZONE 18
PROJECTION .... TRANSVERSE MERCATOR
VERTICAL DATUM .... NATIONAL GEODETIC VERTICAL DATUM OF 1929
HORIZONTAL DATUM .... WORLD GEODETIC SYSTEM 1984 / NORTH AMERICAN DATUM 1983
PRINTED BY .... NIMA 4-00

COORDINATE CONVERSION WGS 84 / NAD 83 TO NAD 27
Grid: Subtract 32m.E., Subtract 213m.N
Geographic: Add 1.1" Long., Subtract 0.2" Lat

SAMPLE 1,000 METER GRID SQUARE

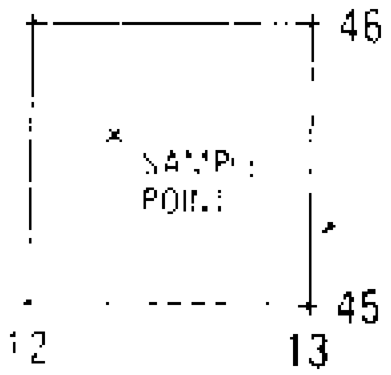

100,000 M. SQUARE IDENTIFICATION

TH UH

100 METER REFERENCE

1. Read large numbers labeling the VERTICAL grid line left of point and estimate tenths (100 meters) from grid line to point. 12 3
2. Read large numbers labeling the HORIZONTAL grid line below point and estimate tenths (100 meters) from grid line to point. 45 6

Example:

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

فقیرانہ آئے ----------

رفیق احمد باجوہ

بک کارپوریشن رجسٹرڈ ۴۰ اردو بازار لاہور

Marfat.com